

جلیبنا

8

فہرست

صفحہ	نام مضمون	نمبر شمار	صفحہ	نام مضمون	نمبر شمار	صفحہ	نام مضمون	نمبر شمار
۱۰۰	سورہ رعد کے فضائل	۴۳	۴۹	حکومتِ یوسفؑ	۲۱	۵	فضائل سورہ یوسف	۱
۱۰۱	رکوع ۷		۵۰	حکومتِ دسلطنت	۲۲	۶	شانِ نزدلِ رکوع ۷	۲
۱۰۲	بیانِ توحید	۴۴	۵۲	حکومتِ عدل	۲۳	۷	اسرارِ دانوار	۳
۱۰۳	اللہ غالی ہے	۴۵	۵۳	کلامِ الامام	۲۴	۹	مقامِ نبوت	۴
۱۰۹	دلیلِ خلافت	۴۶	۵۵	حکومتِ جور	۲۵	۱۱	خواب کی حقیقت	۵
۱۱۰	زمانہ حجّتِ خدا سے خالی نہیں	۴۷	۵۶	رکوع ۲			رکوع ۱۲	۶
۱۱۲	رکوع ۵			بھائیوں سے ملاقات	۲۶	۱۲	قصہ یوسف	۷
۱۱۳	بیانِ توحید	۴۸	۶۰	نظر بد	۲۷	۱۴	جبریل کی تیز رفتاری	۸
۱۱۴	قدریہ کی رو	۴۹	۶۲	بھائیوں کا دوبارہ مصر میں آنا	۲۸	۱۶	یوسفؑ کی دعا	۹
۱۱۸	دعا کرنا اور کھانا	۵۰	۶۳	رکوع ۳			کنوئیں سے نجات	۱۰
۱۱۹	سجدہ صحتِ اللہ کے لئے ہے	۵۱	۶۴	جوازِ تقیہ	۲۹	۲۰	رکوع ۱۳	۱۱
۱۲۱	اللہ ہر شے کا خالق ہے	۵۲	۶۹	رکوع ۷			یوسف بازارِ مصر میں	۱۲
۱۲۲	غالی د مفوظہ کی رو	۵۳	۷۱	کیا رونانا ہے صبری ہے	۳۰	۲۲	عصمتِ یوسفؑ	۱۳
۱۲۳	حق کی مثال	۵۴	۷۲	غمِ حسینؑ	۳۱	۳۰	بچے کی گواری	۱۴
۱۲۵	رکوع ۹		۷۷	حضرت یعقوبؑ کا خط	۳۲	۳۱	زمانہ مصر کا مکہ	۱۵
۱۲۶	دولت سے عہد اور صلہ رحمی	۵۵	۷۸	قیصِ یوسف	۳۳	۳۲	رکوع ۱۵	۱۶
۱۲۷	سوء الحساب کی تفسیر	۵۶	۸۱	رکوع ۷			زمانہ مصر میں	۱۷
۱۲۸	صبر کی تفسیر	۵۷	۸۲	بشیر کی آمد	۳۴	۳۵	طریقِ تبلیغ	۱۸
۱۳۰	مسلمانوں کی عہد شکنی	۵۸	۸۴	حضرت یعقوبؑ کا مصر میں درود	۳۵	۳۹	یوسفؑ کا گریہ	۱۹
۱۳۱	رکوع ۷		۸۶	سجدہ تعظیم	۳۶	۴۰	رکوع ۱۶	۲۰
۱۳۲	طوبیٰ کی تفسیر	۵۹	۸۷	تعبیرِ خواب	۳۷	۴۱	بادشاہ کا خواب	۲۱
۱۳۵	کفار کی معجزہ طلبی	۶۰	۹۰	حق اور صدق میں فرق	۳۸	۴۲	رکوع ۱۷	۲۲
۱۳۶	رکوع ۷		۹۱	زینب سے شادی	۳۹	۴۳	حضرت یوسفؑ کی ربائی	۲۳
۱۳۹	رکوع ۱۲		۹۲	دعاۓ فرج	۴۰	۴۵	پاس کا ۱۳	۲۴
۱۴۰	محو اثبات	۶۱	۹۳	رکوع ۷			رکوع ۱۸	۲۵
۱۴۱	علم کتابِ علی کے پاس ہے	۶۲	۹۵	مومنوں کا شکر	۴۱	۴۷	بادشاہ کے خواب کی تعبیر	۲۶
۱۴۲	سورہ ابراہیم کے فضائل	۶۳	۹۶	دعوتِ توحید	۴۲	۴۸	شبابِ زینب	۲۷
۱۴۵	رکوع ۱۳							

۲۲۸	دعوتِ توحید	۱۰۰	۱۸۸	غلاۃ کی رد	۸۱	۱۴۷	رکوع ۱۴	
۲۳۰	مرکوع ۷		۱۸۹	مرکوع ۶		۱۴۹	رکوع ۱۵	
"	مسئلہ علم غیب	۱۰۱	"	قوم صالح کا ذکر	۸۲	۱۵۱	درود	۶۳
۲۳۲	رکوع ۱۸		۱۹۰	سبع مثانی	۸۳	۱۵۳	رکوع ۱۶	
"	بروز قیامت آنے کی گواہی	۱۰۲	۱۹۲	دشمنانِ پیغمبر کو سزا	۸۴	"	شجرہ طیبہ اور شجرہ نجیشہ	۶۴
۲۳۵	علم اللہ کی وسعت	۱۰۳	۱۹۴	ایمان ابوطالب	۸۵	۱۵۵	عالم برزخ کا حال	۶۵
۲۳۶	حضرت موسیٰ و خضر	۱۰۴	۱۹۶	سورہ نخل کے فضائل	۸۶	۱۵۶	رکوع ۱۷	
"	رکوع ۱۹		۱۹۷	مرکوع ۷		۱۵۸	رکوع ۱۸	
"	درس اخلاق	۱۰۵	"	حضرت قائم کی آمد	۸۷	"	ابراہیمؑ کی دعا	۶۶
۲۳۹	عہد غدیری	۱۰۶	"	بیانِ توحید	۸۸	۱۶۲	رکوع ۱۹	
۲۴۲	حکم استعاذہ	۱۰۷	۱۹۹	مرکوع ۸		"	ہولِ مٹھر	۶۷
۲۴۴	رکوع ۲۰		"	نعماتِ خداوندی	۸۹	۱۶۳	نزود کی سرکشی	۶۸
۲۴۵	بیانِ تفسیر اور علمِ کار کا واقعہ	۱۰۸	۲۰۰	درس معرفت			سورہ حجر کے فضائل	۶۹
۲۴۷	رکوع ۲۱		۲۰۲	ذکرِ توحید	۹۰	۱۶۵	پارک ۱۳	
"	روٹی کی بے قدری کا انجام	۱۰۹	۲۰۳	مرکوع ۹		۱۶۶	مرکوع ۲۰	
۲۵۰	رکوع ۲۲		۲۰۵	مرکوع ۱۰		۱۶۷	مرکوع ۲۱	
۲۵۱	طریقہ تبلیغ	۱۱۰	۲۰۶	مرکوع ۱۱		۱۶۹	تحریفِ قرآن کا مسئلہ	۷۰
۲۵۳	پارک ۱۵		۲۱۰	مرکوع ۱۲		۱۷۲	رکوع ۲۲	
"	سورہ بنی اسرائیل کے فضائل	۱۱۱	"	اہلِ ذکر کون ہیں تقلیدِ عالم	۹۱	۱۷۳	معجزاتِ ولادتِ رسول	۷۱
۲۵۵	امکانِ معراج	۱۱۲	۲۱۵	مرکوع ۱۳		۱۷۵	مسئلہ خلق و رزق	۷۲
۲۵۶	معراجِ جمالی	۱۱۳	"	دعوتِ توحید	۹۲	۱۷۷	مرکوع ۲۳	
۲۵۷	براق کا حلیہ	۱۱۴	۲۱۷	عربوں کی بد رسوم	۹۳	"	خلقتِ انسان	۷۳
۲۵۸	اہلِ مکہ کا ردِ عمل	۱۱۵	۲۱۸	ہماری رسوم	۹۴	"	قوم جن کی پیدائش	۷۴
۲۵۹	معراج کا سفر نامہ	۱۱۶	۲۲۱	المثل الاعلیٰ	۹۵	۱۷۸	خلقتِ آدم	۷۵
۲۶۳	جہنم میں جلنے والے	۱۱۷	"	مرکوع ۱۴		۱۷۹	سجدہ ملائکہ	۷۶
۲۶۴	مقصدِ معراج	۱۱۸	۲۲۲	مسائلِ مشککہ	۹۶	۱۸۳	اسرارِ روحانیہ	۷۷
۲۶۶	حضرت علیؑ کی مثال	۱۱۹	"	مرکوع ۱۵		۱۸۴	مرکوع ۲۴	
۲۶۸	کیا	۱۲۰	۲۲۶	تذکرہ نعمات و عبرت	۹۷	"	متقی جنت میں جائیں گے	۷۸
	حضرت علیؑ شریکِ معراج		"	وحی کا معنی	۹۸	۱۸۶	مرکوع ۲۵	
	تھے		۲۲۸	شہد کی مکھی	۹۹	"	قوم لوط کا ذکر	۷۹
				مرکوع ۱۶		۱۸۷	امر کی وضاحت	۸۰

سُورَةُ يُوسُفَ

یہ سورہ مکہ ہے اور اس کی آیات ایک سو گیارہ ہیں۔ آیت بسم اللہ کے علاوہ ۱۱۳ آیتیں ہیں۔
 بروایت ابی بن کعب جناب رسالت مآب سے مروی ہے کہ جو شخص اس کی تلاوت کرے اور اپنے گھر والوں اور
 غلاموں کو اس کی تعلیم دے۔ خداوند کریم اس پر سکرات الموت آسان کرے گا اور اس کو توفیق دے گا کہ کسی مسلمان سے
 حسد نہ کرے (مجمع)

بروایت ابولصیبہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے جو شخص ہر دن یا ہر رات سورہ یوسف کی تلاوت کرے
 تو بروز عشرت خدا اس کو جمال یوسف کے ساتھ محشر کرے گا اور قیامت کی گھبراہٹ سے وہ محفوظ رہے گا۔ نیز اس کا شمار
 خدا کے برگزیدہ بندوں سے ہوگا (مجمع) بروایت عیاشی زانی اور بدکار ہونے سے محفوظ رہے گا (برہان)
 بروایت اسماعیل بن ابی زیاد حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے بلسہ آبائے طاہرین علیہم السلام بیان فرمایا کہ حضور نے
 فرمایا عورتوں کو بالائخانوں پر جگہ نہ دو اور لکھنا نہ سکھاؤ نیز سورہ یوسف کی تعلیم بھی ان کو نہ دو بلکہ انہیں چہرہ کا تاسکھاؤ۔ اور
 سورہ نور کی تعلیم دو۔ (مجمع البیان)

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ جو شخص اس کو لکھ کر تین دن گھر میں رکھے پھر گھر کے باہر کی دیوار کے
 نیچے اس کو دفن کر دے تو اچانک سلطان وقت کی جانب سے اس کو دعوت پہنچے گی اور وہ اپنے حوائج کی برادری کے
 لئے اس کو معین کرے گا۔ باذن پروردگار

اور سب سے بہتر یہ ہے کہ اس مبارک کو لکھ کر اگر پی لے تو خدا اس کا رزق آسان کر دیگا۔ اور باذن خدا وہ

صاحب بخت ہوگا۔ (برہان)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

اللہ کے نام سے جو رحمن و رحیم ہے (شروع کرتا ہوں)

الرَّتِّیْمٰتِکَ اٰیٰتِ الْکِتٰبِ الْمُبِیْنِ ۝ اِنَّا اَنْزَلْنٰہُ قُرْءٰنًا عَرَبِیًّا

اور یہ کتاب مبینہ کی آیتیں ہیں تحقیق ہم نے اس کو اتنا قرآن عربی

لَعَلَّکُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝ نَحْنُ نَقُصُّ عَلَیْکَ اَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَا اَوْحٰیْنَا

تاکہ تم سوچو ہم تم کو ایک بہترین قصہ سناتے ہیں ساتھ اس وحی

اِلَیْکَ هٰذَا الْقُرْءَانُ ۝ وَاِنْ کُنْتَ مِنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الْغٰفِلِیْنَ ۝

قرآنی کے جو تم پہ ہوئی اگرچہ تم قبل ازیں اس سے غافل تھے

رُکُوْعٌ مُّبْرَأٌ | الرَّا - حروف مقطعات قرآنیہیں سے ہے۔ تفسیر مجمع البیان میں اس کے آیت شمارہ ہونے کی وجہ بیان کی گئی ہے کہ رؤس آیات کے ساتھ اس کی مشاکلت نہیں ہے۔ بخلاف اس کے طہ کو آیت

شمار کیا گیا ہے کیونکہ اس میں مشاکلت موجود ہے

تِلْکَ - حرف سورہ یوسف کی آیات کی طرف اشارہ ہے یا پورے قرآن مجید کی طرف اشارہ ہے یعنی ہذہ الٰذیٰت تِلْکَ الٰذیٰت الَّتِی وُعِدْتَ لَهَا (ترجمہ) یہ وہی آیتیں ہیں جن کا تو رات میں تمہارے ساتھ وعدہ کیا گیا ہے۔

شان نزول | تفسیر مجمع البیان میں ہے علمائے یہود نے سردارانِ قریش سے کہا تم محمد سے پوچھو کہ حضرت یعقوب کی اولاد شام سے مصر کی طرف منتقل کیوں ہوئی اور حضرت یوسف کا قصہ کیا ہے؟ چنانچہ یہ سورہ مبارکہ نازل ہوا۔

قُرْءَانًا عَرَبِیًّا - ضمیر مفعول سے بدل ہے۔ بروایت ابن عباس حضرت رسالت مآب سے منقول ہے۔ میں عربوں کے ساتھ تین وجوہ سے محبت کرتا ہوں (۱) میں خود عربی ہوں (۲) قرآن مجید عربی ہے (۳) اہل جنت کی زبان عربی ہوگی۔

تفسیر صافی میں بروایت خصال امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ عربی زبان سیکھو کیونکہ یہ وہ زبان ہے جس کے ذریعے سے اللہ نے اپنے بندوں سے خطاب فرمایا۔

لَعَلَّکُمْ تَعْقِلُوْنَ :- یعنی جب یہ کلام عربی ہے اور تم بھی عرب ہو پھر اسلوب بیان، سلاست فصاحت اور بلاغت میں اس کے مقابلہ سے تمہارا عاجز آجانا تمہارے لئے دعوتِ فکر ہے جس کا نتیجہ یہی ہوگا کہ یہ واقعاً اللہ ہی کا کلام ہے۔

اَحْسَنَ الْقَصَصِ - یہ مصدر ہے اور احسن کی نصب مفعول مطلق ہونے کی وجہ سے ہے۔ معنی میں دو احتمال ہیں۔

(۱) پورا قرآن احسن القصص ہے کیونکہ فصاحتِ حسن معنی خوبی مطلب سلاست لفظ تسلسل بیان اور تشاکل و تناسب

إِذْ قَالَ يُوسُفُ لِأَبِيهِ يَا أَبَتِ إِنِّي رَأَيْتُ أَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا وَ

جب یوسف نے اپنے باپ سے کہا بابا جان! میں نے دیکھا ہے کہ گیارہ ستارے اور

الشَّمْسُ وَالْقَمَرَ رَأَيْتُهُمْ لِي سَبْعِينَ ۝ قَالَ يُبْنَىٰ لَكَ تَقْصُصُ

سورج اور چاند میرے لئے سجدہ کر رہے ہیں فرمایا اے فرزند تو اپنے بھائیوں کے سامنے اپنا خواب

ظاہری کے لحاظ سے یہ اپنی مثال خود آپ ہے۔

(۲) صرف سورہ یوسف اس سے مراد ہے کیونکہ اس میں جو عجائب و غرائب اور فوائد موجود ہیں وہ اور کہیں نہیں۔ نیز

اس قصہ میں جو تفصیل ہے وہ کسی دوسرے قرآنی قصہ میں موجود نہیں ہے۔

(۱) خداوند کریم کے اسمائے طاہرہ توفیقیہ ہیں۔ یعنی اس پر صرف ان ناموں کا اطلاق ہو سکتا ہے۔ جو

اسرار و رموز

زبان وحی سے صادر ہو چکے ہیں (۲) اگرچہ عَلَّمَ الْقُرْآنَ میں عَلَّمَ کا فاعل اللہ ہے لیکن توفیق

کے لحاظ سے اُس کو معلم یا مدرس کے نام سے نہیں پکارا جاسکتا۔ اسی طرح يُفْتِنُكُمْ فِي الْإِسْلَامِ میں يُفْتِنُ کا فاعل اللہ ہے لیکن

اسے مفتی کے نام سے یاد نہیں کیا جاسکتا۔ اسی طرح اس کا نام کریم ہے۔ سخی نہیں و علیٰ ہذا القیاس۔ بنا بریں آیت مجیدہ میں نَحْنُ

نَقُصُّ (ہم قصہ سناتے ہیں) لیکن خدا کو قصہ خوان کا نام نہیں دیا جاسکتا (۳) توفیق کا مقصد یہ ہے کہ اس کے نام صرف

وہی ہیں جو صاحب شرع کی لسان وحی ترجمان سے ہم تک پہنچے ہیں۔ اور وہی اس کے اسمائے حسنہ ہیں جن سے اس کو پکارا جاتا

ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ دوسرے ناموں کا اس پر اطلاق ہی ناجائز ہے۔ پس اگرچہ دعا و نداء میں یہی عام استعمال میں اس پر

دوسرے نام بولے جاسکتے ہیں جن کے معانی اُس کی ذات میں موجود ہوں۔ مثلاً کہا جاسکتا ہے کہ حضرت یوسف کا قصہ خوان خدا

ہے۔ یا خدائیک لوگوں کا مداح ہے یا فلاں مسئلہ میں مفتی خود خدا ہے یا یہ کہ نبیوں کا معلم و مدرس وہی ہے۔ و علیٰ ہذا القیاس۔ ہاں

دعا و نداء کے مقام پر صرف انہی ناموں سے اُس کو پکارا جائے گا جو اس کے اسماء حسنہ ہیں اور توفیق کے ذریعہ سے ہم تک پہنچے

ہیں۔ (۴) خداوند کریم کے وہ نام جو غیر عربی ہیں ان سے پکارنا یقیناً جائز اور صحیح ہے اور یہ منافی توفیق نہیں ہیں مثلاً خدا کا

لفظ فارسی زبان کا ہے۔ اسی طرح پروردگار۔ پالنبہار وغیرہ ناموں سے پکارنا درست ہے۔

إِذْ قَالَ: اس کا فاعل اذکر محذوف ہے اور نقص کا ممول اس کو نہیں قرار دیا جاسکتا کیونکہ یوسف و یعقوب کے

باہمی مکالمہ کے وقت یہ قصہ نہیں بیان کیا گیا۔

رَأَيْتُ۔ رویا سے ہے یعنی میں نے خواب میں دیکھا ہے اس کے بعد دوبارہ رَأَيْتُهُمْ کا تکرار تاکید کے لئے ہے۔

أَحَدًا عَشَرَ كَوْكَبًا: تفسیر صافی میں بروایت خصال جابر بن عبد اللہ سے مروی ہے ایک دفعہ ایک یہودی جس کا نام شہان تھا

خدمت میں حاضر تھا۔ اور اُس نے یوسف کے سامنے خواب میں سجدہ کرنے والے ستاروں کے نام پوچھے آپ خاموش ہوئے تو

رُؤْيَاكَ عَلَىٰ إِخْوَتِكَ فَيَكِيدُوا لَكَ كَيْدًا إِنَّ الشَّيْطَانَ لِلْإِنْسَانِ

بیان نہ کرنا شاید وہ تیرے ورپے ایذا ہر جائیں کیونکہ شیطان انسان کا کھلا ہوا

عَدُوٌّ مُّبِينٌ ۝ وَكَذَلِكَ يَجْتَبِيكَ رَبُّكَ وَيُعَلِّمُكَ مِنْ تَأْوِيلِ

دشمن ہے اور اسی طرح خدا تجھے برگزیدہ کرے گا اور تجھے خوابوں کی تعبیر کا علم عطا

الْحَادِيثِ وَيَتِمُّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ وَعَلَىٰ آلِ يَعْقُوبَ كَمَا اتَّهَمَ

کرے گا اور تجھ پر اپنی نعمت تمام کرے گا اور اولاد یعقوب پر جس طرح اس نے نعمتیں تمام کیں

عَلَىٰ أَبِيكَ مِنْ قَبْلِ إِبْرَاهِيمَ وَرَاسِخًا ط إِنَّ رَبَّكَ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ۝

اس سے پہلے تیرے باپ داؤد ابراہیم واسخ پر تحقیق تیرا رب علیم و حکیم ہے

جبریل وہ نام لے کر نازل ہوا۔ آپ نے نشان کو بلوا کر نام بتا دئے پس وہ یہودی مسلمان ہو گیا۔ وہ نام یہ تھے۔

(۱) حوبان (۲) طارق (۳) ذوالکفتین - (۴) قابس (۵) دثاب (۶) عمودان (۷) فیلق (۸) مصبح (۹) صدوح (۱۰)

زبال (۱۱) ذوالفروع (۱۲) ضیا (سورج) (۱۳) نور (چاند)

بروایت قمی حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا۔ اس کی تاویل یہی تھی کہ آپ مصر کے بادشاہ ہوں گے۔ گیارہ ستاروں کی تاویل ان کے گیارہ بھائی، سورج کی تاویل ماں اور چاند کی تاویل ان کا باپ ہے۔ تفسیر مجمع البیان میں ہے یعقوب کو اسرائیل اللہ کہا جاتا تھا۔ یعنی اللہ کا خالص بندہ، بعض کہتے ہیں حضرت یوسف نے سات برس کی عمر میں خواب میں دیکھا تھا کہ زمین میں گڑھی ہوئی گیارہ لمبی لکڑیوں کو ایک چھوٹی لکڑھی نے اکھاڑ پھینکا۔ جب یہ خواب انہوں نے اپنے باپ یعقوب کے سامنے بیان کیا تو انہوں نے فرمایا اس خواب کا ذکر اپنے بھائیوں سے نہ کرنا۔ پھر بارہ برس کی عمر میں گیارہ ستاروں اور سورج و چاند کو اپنے سامنے سجدہ کرتے ہوئے دیکھا۔ بروایت قمی حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے آپ کی عمر نو برس منقول ہے۔ (صافی) اور بروایت ابن عباس جس رات کو خواب دیکھا تھا وہ شب جمعہ اور لیلۃ القدر تھی۔

عَلَىٰ إِخْوَتِكَ - علامہ فیض کاشانی قدہ فرماتے ہیں کہ حضرت یوسف کے بھائیوں کے نام ہم نے کسی معصوم کی روایت میں نہیں دیکھے البتہ جو بیان کئے جاتے ہیں وہ یہ ہیں -

(۱) یودا (۲) روبیل (۳) شمعون (۴) لاوی (۵) زبالون (۶) یسخر - ان چھ کی ماں کا نام لیا تھا جو حضرت یوسف

کی خالہ تھی۔ اس کے بعد حضرت یعقوب نے اس کی بہن راحیل سے شادی کی تھی اور اس سے (۷) بنیامین اور (۸) حضرت یوسف پیدا ہوئے۔ ان کے علاوہ حضرت یعقوب کی دو کینز تھیں زلفہ اور بلعہ اور ان سے چار بیٹے پیدا ہوئے تھے

(۹) وان (۱۰) نقضانی (۱۱) حاد (۱۲) آشر

فیکدوا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام جانتے تھے کہ نبی کا خواب وحی خداوندی ہو کر تا ہے اور حضرت یوسف کا خواب چونکہ ان کی علوم مرتب کا غماز تھا۔ لہذا بھائیوں کا حسد غیر متوقع نہ تھا۔ بنا بریں فرمایا کہ بھائیوں کے سامنے ظاہر نہ کرنا سبادادہ اس کی تاویل کو ملحوظ رکھ کر حسد کی آگ میں جلیں اور روپے ایذا ہو جائیں۔

مقام نبوت

يَجْتَنِبُكَ۔ اس مقام پر ایک سوال پیدا ہوتا ہے اور وہ یہ کہ آیت مجیدہ کے الفاظ بتلاتے ہیں کہ نبی پہلے سے بن کر نہیں آتے بلکہ یہاں آنے کے بعد ان کو خدا کی جانب سے عہدہ نبوت عطا ہوتا ہے جیسا کہ حضرت یعقوب نے اپنے بیٹے حضرت یوسف کو فرمایا کہ خدا تجھے چنے گا۔ جیسا کہ مضارع کے صیغے سے صاف ظاہر ہے۔ اگر نبی پیدائشی ہوتے تو صیغہ ماضی کا ہوتا مثلاً اجْتَبَاكَ یعنی خدا نے تجھے چن لیا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت یوسف میں ابتدا سے ہی سے وہ خواص و آثار موجود تھے جو نبی کے لئے ہونے چاہئیں اور اسی معیار نبوت کے ماتحت ہی حضرت یعقوب نے پیشین گوئی فرمائی۔ اور یہ بات قرین انصاف و عدل نہیں کہ کوئی شخص کسی عہدے کا معیار اپنے اندر رکھتا ہو پھر اسے طویل عرصہ تک بلاوجہ اس عہدہ سے محروم رکھا جائے جب کسی کو یہ کہا جاتا ہے کہ میں تجھے انتخاب کروں گا تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہوا کہ تاکہ معیار انتخاب بھی تجھ میں بعد میں پیدا ہو گا بلکہ حتمی انتخاب کی پیش کش وجود معیار کی خود غماز ہے۔ پس اس جملہ کا مقصد یہ ہوا کرتا ہے کہ اپنے مقام پر تو میری نظروں میں تو منتخب ہو چکا ہے لیکن چونکہ ابھی اعلان و اظہار کا موقع نہیں لہذا وقت آنے پر تیرا ہی اعلان کیا جائے گا۔ پس اس مقام پر بھی یہی مقصد ہے کہ اے یوسف تو برگزیدہ خدا ہے لیکن تیری برتری و برگزیدگی کے اظہار کے لئے ایک وقت معین ہے جب وہ وقت آئے گا تو خدا تیرے بھائیوں پر اور تمام لوگوں پر تیری برتری کو ظاہر کر دے گا۔ اسی طرح علم تعبیر کا ملکہ و ملاک تجھ میں موجود ہے لیکن وقت اظہار بعد میں ہو گا۔ اور اسی بنا پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اعلان نبوت آتانی الکتاب و جعلنی نبیاً (مجھے اللہ نے کتاب دی ہے اور نبی بنایا ہے) حالانکہ عہد طفولیت اور گہوارہ کی زندگی کا مقام تبلیغ سے کوئی لگاؤ نہیں ہے۔ پس مقصد یہ ہے کہ وہ معیار و ملاک جس کے ماتحت نبوت عطا ہوتی ہے وہ مجھ میں موجود ہے۔ جس کی بنا پر میں کتاب و نبوت کا دعوے کر رہا ہوں اگرچہ تبلیغ کا مقام بعد میں ہو گا۔

خواب کی حقیقت

انسان کے دماغ میں ایک قوت ہے جس کا نام حس مشترک ہے۔ اور یہ ایک ایسا خزانہ ہے۔ جس میں جمع کرنے کے مختلف راستے ہیں یا ایسا تالاب ہیں جس میں مختلف اطراف سے نالیاں پہنچتی ہیں یا ایک ایسا دربار ہے جس میں داخلہ مختلف طرق سے ہوا کرتا ہے۔ گویا مملکت انسانیہ میں جس مشترک وزارت داخلہ کی نوعیت رکھتی ہے کہ ملک کے داخلی حالات کی رپورٹ مختلف ذرائع سے وہاں پہنچتی ہے اور پھر دن از ملک کی خبریں بھی وہاں جمع ہوتی ہیں۔ پھر نیک و بد میں امتیاز اور مفید و مضر میں فرق اور آخری فیصلہ صادر کرنے کے لئے قوائے عاقلہ کو

میدان عمل میں آنا پڑتا ہے۔

حس مشترک میں بیرونی رپورٹر پانچ ہیں جنہیں حواسِ خمسہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ قوتِ باصرہ قوتِ شامہ قوتِ سامعہ قوتِ ذائقہ اور قوتِ لامسہ اور اندرونی حالاتِ قوتِ خیالیہ و واہمہ کے ذریعے سے اس تک پہنچتے ہیں۔ علاوہ ازیں قوتِ خیالیہ ہر آنے والے تصور کا خیر مقدم کرتی ہے خواہ اس تصور کا تعلق حواسِ خمسہ میں سے کسی کے ساتھ ہی کیوں نہ ہو۔ پس وہ دیکھنے کے قابل چیزوں کا تصور کرتی ہے، خوشبو و بدبو کا تصور کرتی ہے۔ اسی طرح آوازوں اور ذائقوں کا تصور بھی وہ کر لیتی ہے اور لمبوسات میں سرگرم یا نرم و سخت کا تصور بھی اس میں آسکتا ہے۔

حس مشترک کی توجہ جس طرح حواسِ ظاہرہ کی طرف رہتی ہے اسی طرح وہ خیال کی طرف بھی متوجہ رہتی ہے۔ پس بعض اوقات جب کسی حسِ ظاہری میں جذب و دل کشی موجود ہو تو جس طرح حس مشترک اس کے علاوہ باقی حواسِ ظاہرہ سے عنانِ توجہ پھیر لیتی ہے اسی طرح وہ خیال سے بھی غص لبر کر لیا کرتی ہے۔ پس کوئی خیالی تصور اس کے اندر راہ نہیں پاسکتا مثلاً آنکھوں کا منظر اگر دل کش اور روح پرور ہو تو حس مشترک بہت تن اسی منظر کی تصویر کشی میں منہمک رہتی ہے۔ نہ اُس کی توجہ کسی آواز کی طرف نہ کسی بو و ذائقہ کی طرف اور نہ کسی ملائم و منافر کی جانب ہوتی ہے۔ اور نہ کوئی دوسرا خیال اُس کو اپنی طرف منغطف کر سکتا ہے۔ اسی طرح آوازوں و نغموں کی چمکتش گونج اُسے دوسرے تمام درکات سے غافل بنا دیتی ہے خواہ وہ حواسِ ظاہرہ کی وساطت سے ہوں یا قوائے باطنہ خیال و وہم وغیرہ کے ذریعے سے ہوں۔ و علیٰ ہذا القیاس تمام قوائے ظاہرہ کا یہی حال ہے۔ اسی طرح ہی حس مشترک اگر قوتِ خیالیہ کی طرف بہت متوجہ ہو تو حواسِ ظاہرہ کے درکات کے جذب سے وہ یکسر غافل ہو کر کرتی ہے۔ مثلاً کسی محبوب کے تصور میں ڈوبے ہوئے انسان کے سامنے سے کوئی گزر جائے بلکہ اُس کے سامنے کھڑا رہے۔ اُس کی آنکھیں کھلی ہونے کے باوجود اس کا ادراک نہ کر سکیں گی۔ اُس کے کان صحیح و سالم ہونے کے باوجود قریب کی آواز بھی اُس تک نہ پہنچا سکیں گے۔ اسی طرح وہ اس حالت میں کسی بو و مزہ کا ادراک نہ کر سکے گا۔ پس اس کی نظر صرف ایک ہی جانب مرکوز ہوتی ہے اس کے علاوہ اس کی آنکھیں ہر جانب سے بند ہو کر کرتی ہیں۔

خیال میں باطنی طور پر حواسِ ظاہرہ کی سب قوتیں موجود ہیں۔ پس خیالی باطنی طور پر جب محبوب کی آواز پیش کر رہا ہو، تو حس مشترک قوتِ سامعہ ظاہرہ سے توجہ پھیر کر اسی طرف ہی متوجہ ہو جاتی ہے۔ لہذا یہ کان ظاہری آوازوں کو نہیں سُن سکتے جب تک خیالی سماعت، خیالی آواز کی دل کشی کی طرف حس مشترک کو محو رکھے۔ یہ آنکھیں ظاہری شکلوں سے غص لبر کر لیتی ہیں۔ جب تک خیالی بصارت خیالی نقوش کی گردیدہ رہے و علیٰ ہذا القیاس سب حواسِ ظاہرہ کی یہی کیفیت ہے۔

پس جب تک انسان بیدار رہتا ہے تو حس مشترک حواسِ ظاہرہ کی طرف اچھی خاصی توجہ دیا کرتی ہے بلکہ بالعموم انہی کو اپنے ادراکات کا ذریعہ سمجھتی ہے۔ اور اس سے ثابت ہوا کہ دیکھنا آنکھ کا فعل نہیں بلکہ حس مشترک کا فعل ہے اور آنکھ اس کا راستہ ہے اور یہی وجہ ہے کہ آنکھ کھلی ہونے کے باوجود پاس اور سامنے کی چیزوں کو نہیں دیکھ سکتی جب کہ حس مشترک صورتِ خیالیہ

لَقَدْ كَانَ فِي يُوسُفَ وَإِخْوَتِهِ آيَاتٍ لِلْمَسْأَلِينَ ﴿۱۷﴾ إِذْ قَالَ الْيُوسُفُ

البتہ یوسف اور اس کے بھائیوں کے قصہ میں ڈھونڈنے والوں کے لئے کئی سبق ہیں جب انہوں نے تجویز کی کہ

وَإِخْوَهُ أَحَبَّ إِلَىٰ آبَائِنَا مِنَّا وَنَحْنُ عُصْبَةٌ إِنَّ آبَاءَنَا لَفِي ضَلَالٍ

یوسف اور اس کا بھائی ہماری بہ نسبت باپ کو زیادہ عزیز ہیں اور ہم ایک جماعت ہیں تحقیق ہمارا باپ صاف غلطی

کے تعاقب میں ہو۔ اسی طرح سننا کان کا فعل نہیں بلکہ راستہ ہے۔ نیز ناک زبان اور ہاتھ بوذا لقمہ وغیرہ کا ادراک نہیں کرتیں بلکہ یہ راستے ہیں اور مددک جس مشترک ہو کر تھی ہے جب وہ ان کی طرف متوجہ ہو۔

جب انسان سو جاتا ہے تو جس مشترک کے ادراک کے خارجی راستے مسدود ہو جاتے ہیں۔ پس اس کی توہم صرف خیال ہی کی طرف ہوتی ہے۔ جاگتے ہوئے بھی بعض اوقات خیالی صورتیں اس قدر قوت پکڑ لیتی ہیں کہ انسان کھوج مچ محسوس مہم سمجھنے لگتا ہے تو سوتے ہوئے جب کہ اور اکات کے ظاہری راستے سب بند ہوتے ہیں۔ خیالی صورتوں کا وہم کے نزدیک حقیقت کے رنگ میں ڈھل جانا بالکل قرین قیاس اور واقع امر ہے۔ پس صورت خیالیہ کا نیند میں محسوس ہو کر سامنے آنے کا نام خواب ہے۔ پس باتیں بھی ہوتی ہیں۔ شنوائی بھی ہوتی ہے۔ دید و بازدید کے مناظر آوازوں کی فریب کاری اور سوز و گداز وغیرہ سب یکچھڑتا ہے غرضیکہ جو خیال پیدا ہوا وہ حقیقت کا جامہ پہنتے ہوئے سامنے آتا جاتا ہے۔

بعض اوقات یہ خیالات شکم پُری کے بعد بالکل لغو و بیہودہ ہو کر تے ہیں۔ لیکن بعض اوقات ان میں استقبال کی طرف اشارہ بھی ہوتا ہے۔ گویا وہ آنے والے واقعات اور رونما ہونے والے حادثات کی قبل از وقت عمازی کرتے ہیں لیکن ان سے واقعات کا صحیح اندازہ کرنا بہت مشکل امر ہے کیونکہ وہ آنے والے واقعات کا بہت دھندلا سا خاکہ پیش کرتے ہیں۔ اور سوائے علم مخصوص کے جس کو اللہ نے عطا فرمایا ہو۔ کوئی دوسرا صحیح نتیجہ تک نہیں پہنچ سکتا۔ اسی علم کا نام علم تعبیر خواب ہے جس کے متعلق حضرت یعقوب نے اپنے فرزند حضرت یوسف سے فرمایا کہ خداوند کریم تجھے تاویل احادیث پر مطلع فرمائے گا۔ اس کو تاویل اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ مال اور بازگشت کا آغاز ہوتا ہے۔ اور روایات عامہ میں ہے کہ مومن کا خواب نبوت کا پہلا حصہ ہے جیسا کہ ہم نے تفسیر کی دوسری جلد یا علی مدد کے عنوان میں متعدد روایات نقل کی ہیں۔ بڑے خواب جو بالکل بے حقیقت ہوتے ہیں ان کو اضعاث احلام بھی کہا جاتا ہے اور روایات صادقہ کو الہام یا وحی سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے جیسا کہ انبیاء علیہم السلام پر وحی کی ایک قسم روایات صادقہ بھی تھی۔

آیت کی جمع ہے اور اس کا معنی ہے نشانیاں اور ہم نے مراد ہی ترجمہ کیا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ حضرت

یوسف اور اس کے بھائیوں کے عجیب و غریب واقعات کا مطالعہ کرنے سے انسان کو جہاں عبرت حاصل

رکوع ۱۲

ہوتی ہے وہاں کئی سبق بھی ملتے ہیں (۱) بھائیوں کی ایذا رسانی (۲) ان کے قتل کی تجویز (۳) ازراہ حسد اس کو کونوئیں میں ڈالنا (۴)

مَبِينٌ ۵ اِقْتُلُوا يُوْسُفَ اَوْ اَطْرَحُوْهُ اَرْضًا يَخْلُ لَكُمْ وَجْهَ اَبِيكُمْ

پر ہے یوسف کو قتل کرو یا اس کو کہیں دور چھوڑ دو تاکہ خالص ہو جائے تمہارے لئے باپ کی محبت اور

وَتَكُوْنُوْا مِنْ بَعْدِهَا قَوْمًا صٰلِحِيْنَ ۹ قَالَ قَائِلٌ مِّنْهُمْ لَا تَقْتُلُوْا

اس کے بعد (تو بر کر کے) نیک لوگ بن جاؤ ان میں سے ایک نے کہا کہ یوسف کو قتل نہ

تسکین ہونے کے بعد حضرت یوسف کا ان کو معاف کر دینا، احسان کرنا اور نہ جیلانا (۵) بحیثیت غلام کے فروخت ہونا۔ (۶) زلیخا کی گرفت سے نجات پانا (۷) قید و بند کی صعوبتیں دیکھنا (۸) دکھ کے بعد سکھ اور غلامی کے بعد تخت حکومت پر تسکین ہونا (۹) خواب کی عملی تصدیق (۱۰) حضرت رسالت مآب کا تفصیل سے اس قصہ کو پیش کرنا حالانکہ ظاہری طور پر کسی سے پڑھانے کا وغیرہ زیرک طبائع کے لئے عبرتیں اور نصیحتیں ہیں۔ نیز دنیا و دین کی فلاح و بہبود کے لئے اس میں ناقابل فراموش قیمتی سبق بھی ہیں۔

تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ حضرت یوسف جن میں کیتائے روزگار تھے۔ اور حضرت یعقوب کی ان سے بہت محبت تھی۔ نیز یوسف اور اس کا بھائی چونکہ دوسرے بھائیوں

سے سن میں چھوٹے تھے اس لئے بھی حضرت یعقوب ان دونوں کی ناز برداری زیادہ کرتے تھے۔ پس باقی بھائیوں کے دل میں ان کے متعلق حسد پیدا ہوا۔ اور جب حضرت یوسف نے اپنا خواب بیان کیا۔ اور بھائیوں تک وہ کسی ذریعہ سے پہنچا تو ان کے حسد کی چنگاری شعلہ بن کر بھڑک اٹھی۔ پس انہوں نے باپ کی محبوبیت حاصل کرنے کے لئے یوسف کو راستے سے ہٹانے کی تجویز پر غور کرنا شروع کر دیا۔

ادھر زوالِ نعمت کا ظاہری سبب یہ ہوا۔ جیسا کہ ابو حمزہ ثمالی نے امام زین العابدین علیہ السلام سے نقل کیا ہے کہ حضرت یعقوب کا دستور تھا ہر روز ایک دُبّہ ذبح کر کے اس کے گوشت میں سے صدقہ کرتے تھے۔ اور خود بقیہ عیال بھی اس سے تناول فرمایا کرتے تھے۔ اتفاق سے شیب جمعہ ان کے دروازہ پر ایک مومن سائل پہنچا جو رہگذر مسافر اور روزہ دار بھی تھا۔ اُس نے دستک دے کر افطاری کے لئے سوال کیا۔ حضرت یعقوب اور ان کے افراد کنبہ نے سنا تو اس کی بات پر باور نہ کیا۔ چنانچہ اسے کچھ بھی نہ دیا اور وہ مایوس ہو کر روتا ہوا خالی پلٹا اور خالی شکم اُس نے دوسرے دن پھر روزہ رکھ لیا۔ ادھر حضرت یعقوب اور اس کے خاندان نے شکم چُرمی سے رات بسر کی۔ جب کہ ان کے ہاں کھانا بچا ہوا بھی موجود تھا۔ خدا کی جانب سے وحی ہوئی کہ امتحان کے لئے تیار ہو جاؤ۔ اور میری تھنا پر راضی ہو کر مصائب کا مقابلہ صبر سے کرو۔ اور اسی رات حضرت یوسف نے خواب دیکھا جو بیان ہو چکا ہے۔ تفسیر صافی میں بروایت عیاشی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ اس کے بعد ہر صبح کو آواز دیا کرتے تھے کہ روزہ دار ہر سویرے کی روٹی یعقوب کے ہاں کھائیں اور شام کو اعلان کرتے تھے کہ جس نے دن بھر روزہ رکھا ہو وہ یعقوب کے دسترخوان پر اگر کھانا کھائے۔

يُوسُفَ وَالْقَوْهَ فِي غَيْبَتِ الْجُبِّ يَلْتَقِيهِ بَعْضُ السَّيَّارَةِ اِنْ كُنْتُمْ

کرو اور اس کو کنوئیں کی گہرائی میں ڈال دو کوئی قافلہ اس کو اٹھا کر لے جائے گا اگر تم نے یہ کام

وضاحت: (۱) یوسف کے ساتھ یوسف کا سگا بھائی بن یا مین بھی باقی بھائیوں کے حسد کا شکار تھا۔ چنانچہ لیسو یوسف وَاخْوَتِهِ کی مرحمت بتاتی ہے (۲) آیت سے ظاہر ہے کہ حضرت یوسف کے بھائی خود اپنے باپ یعقوب کا محبوب بننا چاہتے تھے جس سے باپ کی نبوت پر ان کے ایمان اور عقیدت کا پتہ چلتا ہے (۳) حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے حنان بن سیر نے سوال کیا کہ اولاد حضرت یعقوب انبیاء تھے؟ تو آپ نے فرمایا نہیں بلکہ وہ اسباط تھے اور دنیا سے توبہ کے بعد سعید ہو گئے (۴) محبت اور شہوت میں عام خاص من وجر کا فرق ہے مثلاً بیٹے سے محبت ہوتی ہے شہوت نہیں ہوتی اور بیوی کی محبت میں شہوت بھی شریک ہوتی ہے اور بعض مقامات پر صرف شہوت ہی شہوت ہوتی ہے۔ اور محبت موجود نہیں ہوتی اور محبوب و مرغوب میں بھی یہی فرق ہے۔ (۵) عصبہ اس جماعت کو کہا جاتا ہے جو ایک دوسرے سے خصوصی ارتباط رکھتے ہوں اور اس کا واحد کوئی نہیں۔ جیسے قوم قبیلہ وغیرہ کی لفظیں ہیں۔ اور اس کا اطلاق دس سے پندرہ تک ہوتا ہے اور بعض کے نزدیک چالیس تک بھی جائز ہے (۶) حضرت یعقوب کے بیٹوں کا باپ کو ضلال کی طرف نسبت دینے کا مقصد دینی گراہی نہیں ورنہ وہ اسلام سے خارج ہو جاتے حالانکہ ان کے مومن ہونے پر اتفاق ہے بلکہ یہاں حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ فرط محبت کو انہوں نے ضلال سے تعبیر کیا ہے جس کا ترجمہ ان کی حاسدانہ روش کے ماتحت بے راہ روی یا غلطی سے کیا جا سکتا ہے (۷) پہلا مشورہ دکر یوسف کو قتل کر دیا جائے یا کہیں دور کنوئیں میں ڈال دیا جائے جہاں سے باپ کی طرف واپس نہ آسکے (۸) پیش کرنے والا شمعون اور بعض کے نزدیک روبیل تھا۔ اور دوسرا مشورہ دکر قتل نہ کرو بلکہ کسی گہرے کنوئیں میں ڈال دو۔ کوئی قافلہ آئے گا تو اس کو وہاں سے نکال کر اپنے ہمراہ لے جائے گا جس سے اس کا واپس پلٹنا مشکل ہو جائے گا (۹) پیش کرنے والا روبیل یا یہودا یا لاوی تھا۔ باختلاف اقوال مفسرین (۱۰) اس کنوئیں کے محل وقوع کے متعلق اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں بیت المقدس کا کنواں مراد ہے۔ بعض کے نزدیک وہ اردن کے علاقہ میں تھا۔ بعض کا قول ہے کہ مدین و مصر کے درمیان تھا۔ اور ایک قول یہ ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی جائے رہائش سے اس کا فاصلہ تین فرسخ تھا۔

لَا قَامَتَا۔ دراصل لَاتَا مَنَّا ہے۔ چونکہ دو حرف ایک جنس کے جمع ہو گئے ہیں۔ لہذا ہر فی قاعدہ کے مطابق پہلے کو ساکن کر کے دوسرے میں ادغام کر دیا گیا۔ اور بعض قاریوں نے اس کو بغیر ادغام کے اپنے اصلی تلفظ کے ساتھ بھی پڑھا ہے اور معنی یہ ہے کہ کیا آپ کو یوسف کے بارے میں ہم پر اعتماد و وثوق نہیں ہے؟ اس سے ظاہر ہے کہ حضرت یعقوب پہلی مرتبہ حضرت یوسف کو ان کے ہمراہ بھیجے پر رضامند نہیں ہوئے تھے۔

يَتَوَعَّجُ۔ مجمع البیان میں اس کی دو وجوہ لکھی ہیں۔ (۱) باب افتعال ارتقاء سے ہے اور اس کا فاعل اہل محذوف ہے۔ اس بنا پر اس کی جزم حضرت آخر کے ساتھ ہونی چاہیے۔ کیونکہ امر کے جواب میں واقع ہونے۔ لیکن عین کا سکون شاید یلعب کی مشاغل کی

فَعِلِينَ ۱۰ قَالُوا يَا أَبَانَا مَا لَكَ لَا تَأْمَنَّا عَلَى يُوسُفَ وَإِنَّا لَكَ

کرنا ہے کہنے لگے بابا جان! کیا بات ہے یوسف کے بارے میں آپ ہم پر اعتماد نہیں کرتے حالانکہ ہم اس کے

لِنُصِحُونَ ۱۱ أَمْ سِئِلُهُ مَعَاغِدًا يَرْتَع وَيَلْعَبُ وَإِنَّا لَهُ لَحَفُطُونَ ۱۲

خیر خواہ ہیں اس کو بھیجے کل ہمارے ساتھ تاکہ سیر و تفریح کر لے اور ہم اس کی حفاظت کرنے والے ہیں

قَالَ إِنِّي لَيَحْزَنُنِي أَنْ تَذْهَبُوا بِهِ وَأَخَافُ أَنْ يَأْكُلَهُ الذِّبَابُ وَ

فرمایا میں غمزدہ ہوتا ہوں کہ تم اس کو ساتھ لے جاؤ اور ڈرتا ہوں مبادا اس کو بھیڑ یا کھا جائے اور

کی وجہ سے ہے (۱۲) رَتَعَ يَسْتَع سے ہے اور رَتَعَ کا معنی ہے فائدہ حاصل کرنا اور پالینا۔ اور تفسیر صافی میں سَتَعَةٌ کا معنی سرسبزی و شادابی لکھا ہے۔ اور مراد ہی ترجمہ یہ کیا ہے کہ اس کو ہمارے ساتھ بھیجئے۔ تاکہ پھل و میوہ جات کھائے اور یَلْعَبُ کا معنی ہے تفریح و طبع جو چلنے پھرنے سے یا تیر اندازی سے حاصل ہو۔ چونکہ حضرت یوسف نبی تھے۔ لہذا لہو و لعب جو عامیانا طریق کار ہے ان کی شان سے بعید ہے۔ اور حضرت یوسف کے بھائی اگرچہ ہمارے اعتقاد کی رو سے نبی نہ تھے، اگرچہ بعض لوگ ان کو بھی نبی مانتے ہیں، تاہم وہ مومن تھے اور حضرت یعقوب کے فرمانبردار تھے۔ لہذا بعید ہے کہ حضرت یوسف کو ساتھ لیجانے کے لئے یعقوب کے سامنے درخواست میں ایسا کلمہ پیش کریں جو منافی شان نبوت ہو۔ لہذا لعب سے مراد ایسی تفریح ہے جو حدود و شریعت کے اندر ہو۔ حضرت رسالت مآب سے مروی ہے ہر لعب حرام ہے۔ سوائے تین چیزوں کے، تیر اندازی (۱۲) گھوڑ دوڑ (۱۳) اپنی منگولہ کے ساتھ۔ بعض قاریوں نے غائب کی بجائے نون متکلم کے ساتھ پڑھا ہے۔ تَرْتَعُ وَ تَلْعَبُ۔ بعض کہتے ہیں کہ اُس وقت حضرت یوسف کی عمر سترہ برس تھی۔ اور انسی برس کے بعد والد سے ملاقات ہوئی پھر تیس برس کے بعد کل ایک سو بیس برس کی عمر میں وفات پائی۔ نیز ۹ یا ۱۰ یا ۱۲ برس کی عمر میں باپ سے جدائی اور ۴۰ برس کے بعد ملاقات کی روایات بھی موجود ہیں۔

وَ أَخَافُ : تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ اس علاقہ میں بھیڑیے بکثرت تھے اور کہتے ہیں حضرت یعقوب نے خواب میں دیکھا تھا کہ وہ بھیڑیوں نے یوسف پر حملہ کیا اور دیکھا کہ ایک بھیڑیا ان میں سے حضرت یوسف کی طرف راہی کرتا تھا۔ پس اچانک زمین بھٹی اور حضرت یوسف اس میں داخل ہو گئے۔ اور تین روز کے بعد وہاں سے نکلے حضرت رسالت مآب سے مروی ہے کہ کسی کو بھڑا مہانہ نہ سکھاؤ۔ کیونکہ حضرت یعقوب کے بیٹے اس سے پہلے یہ نہیں جانتے تھے کہ بھیڑیا انسان کو کھایا کرتا ہے پس باپ نے ان کو اس نکتے کی طرف متوجہ کیا (اور وقت ضرورت انہوں نے وہی بیان پیش کر دیا)

الذِّبَابُ - اس کا معنی ہے بھیڑیا۔ اس کی جمع اذوب۔ ذئاب اور ذؤبان ہوتی ہے۔ اور اس کے بیشہ کہ مذابہ کہہ

أَنْتُمْ عَنْهُ غٰفِلُونَ ﴿۱۳﴾ قَالُوا لَیْنِ اَكَلَهُ الذِّبُّ وَنَحْنُ عَصَبُهُ

تم اس سے غافل ہو کہنے لگے اگر اس کو بھیڑ یا کھا گیا حالانکہ ہم ایک جماعت ہیں تو

اِنَّا اِذَا الْخُسْرٰوْنَ ﴿۱۴﴾ فَلَمَّا ذَهَبُوْا بِهٖ وَاَجْمَعُوْا اَنْ یَّجْعَلُوْهُ فِی

تحقیق ایسی صورت میں ہم زیاں کارہوں گے پس جب اس کو لے گئے اور ارادہ کر لیا کہ اس کو کنوئیں کی گہرائی میں

غَیْبَتِ الْجُبِّ وَاَوْحٰنَا اِلَیْهِ لِتَبْنٰیہُمْ بِاَمْرِہٖمْ هٰذَا وَہُمْ لَا

چھینک دیں اور ہم نے اس کو وحی کی کہ تو (وقت آنے پر) ان کو ان کے اس کرتوت سے ضرور آگاہ کر چکا جب کہ

یَشْعُرُوْنَ ﴿۱۵﴾ وَاَجَاءُوْا اَبَاہُمْ عِشَاءً یَّبْکُوْنَ ﴿۱۶﴾ قَالُوْا

وہ نہ جانتے ہونگے اور آئے باپ کے پاس رات کو روتے ہوئے کہنے لگے

جاتا ہے۔

اجْمَعُوْا۔ یعنی اتفاق آرا کے بعد پختہ ارادہ کر لیا۔ اجماع سے ہے۔

الْجُبِّ۔ الف ولام عہدِ خارجی کا ہے۔ اور اس سے ظاہر ہے کہ یہ کنواں ان کے نزدیک مشہور و معروف تھا۔ جہاں قافلے وارد ہو کر تھے۔ اور بعض نے یہ الف ولام عہدِ ذہنی کا بتایا ہے کہ وہ کسی کنوئیں کی تلاش میں تھے جس کا پانی یوسف کو غرق نہ کر دے۔

قَصْدُہٗ۔ بیٹوں کے اصرار سے مجبور ہو کر آخر کار حضرت یعقوبؑ نے حضرت یوسف کو ان کے ہمراہ روانہ کر دیا اور بھائی اس کو نہایت اکرام کے ساتھ اپنے ہمراہ لے چلے۔ جب جنگل میں جا پہنچے تو ان کے حسد کی قلعی کھل گئی۔ اور پرشیدہ عداوت باقہ اور زبان سے ظاہر ہونے لگ گئی پس وہ مارتے جاتے تھے اور یوسفؑ ہر ایک کو دہائی دیتا اور فریاد کرتا تھا لیکن کوئی شنوائی نہ ہوتی تھی۔ پس وہ بابا باکر کے روتا تھا چنانچہ انہوں نے جب قتل کا ارادہ کیا تو لاوی نے روک دیا۔ جیسا کہ بروایت مجمع البیان آمد طاہر بن علیؑ السلام سے منقول ہے۔

مردی ہے کہ بھائی آخر کار اس کو ایک کنوئیں کے کنارے پر لے آئے اور جب وہ اس کو اس میں ٹمکاتے تھے تو وہ کنوئیں کے کنارے سے چٹ جاتے تھے۔ بھائیوں نے یوسف کی قمیص اتار لی۔ اور وہ بار بار التجا کرتا تھا کہ مجھے برہنہ نہ چھوڑو اور مجھے اپنی قمیص واپس کر دو۔ اس کے جواب میں وہ کہتے تھے کہ چاند سورج اور گیارہ ستاروں کو بلاؤ تاکہ تیرے ساتھ ہم مردی کریں پس انہوں نے کنوئیں میں لٹکا دیا جب نصف تک پہنچا تو انہوں نے چھوڑ دیا تاکہ چوٹ لگنے سے اس کا کام تمام ہو جائے لیکن چونکہ کنوئیں میں پانی تھا اس لئے چوٹ نہ لگی۔ پس وہ اٹھ کر ایک بلند پتھر پر بیٹھے جو اس میں تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ وہاں اس کو وہیں کھانا پہنچا جایا

کہتا تھا۔ اور بعض کہتے ہیں کہ حضرت یوسف کی برکت سے کنوئیں میں روشنی پیدا ہو گئی اور اس کا پانی میٹھا ہو گیا اور اس میں غذائیت پیدا ہو گئی جس کی بدولت وہ دنیاوی اشیائے خوردنی و نوشیدنی سے بے نیاز ہو گئے۔ اس سے قبل وہ پانی گندہ اور ناقابل استعمال تھا۔ اب صاف و شفاف اور شیریں و خوشن ذائقہ بن گیا۔ خداوند کریم نے ان کی حفاظت کے لئے ایک فرشتہ موکل کر دیا۔ بعض کہتے ہیں وہ جبریل تھا۔ اور پتھر بھی اسی وقت پانی کی تہ سے اُپر اُٹھ آیا جس پر حضرت یوسف آ بیٹھے۔ جب کہ بدن پر قمیص نہ تھی۔

مجمع البیان میں بروایت مفضل بن عمر حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ جب خلیل خدا حضرت ابراہیم علیہ السلام کو فرودنے آگ میں ڈالا تھا۔ تو ان کے بدن سے لباس اُتار لیا گیا تھا تو فوراً جبریل نے حریرِ جنّت سے ایک قمیص لاکر ان کو پہنا دی تھی اور بعد میں یہی قمیص آپ کے پاس موجود رہی۔ اور آپ کے بعد حضرت اسحق اس کے وارث ہوئے اور پھر حضرت یعقوب کے ورثہ میں پہنچی۔ جب حضرت یوسف بڑے ہوئے تو حضرت یعقوب نے وہی قمیص ایک تعویذ میں بند کر کے یوسف کے گلے میں لٹکادی جو ہر وقت موجود رہتی تھی۔ اب جو بھائیوں نے برہنہ کر کے کنوئیں میں ڈال دیا تو جبریل نے آکر گلے کا تعویذ کھولا۔ اور وہی قمیص حضرت یوسف کو پہنا دی۔ اور یہی قمیص ہے جس کی خوشبو حضرت یعقوب علیہ السلام نے محسوس کی تھی جب کہ قافلہ مصر سے روانہ ہوا تھا اور آپ فلسطین میں تھے۔ فرمایا اِنِّیْ لَآجِدُ دِیْجَ یُوسُفَ۔ الاٰیة۔ اسی کتاب میں بروایت سمع بن سیار حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے جب بھائیوں نے یوسف کو کنوئیں میں ڈالا تو جبریل نے آکر پوچھا تجھے کس نے یہاں پھینکا ہے؟ تو جواب دیا کہ باپ کی محبت کی وجہ سے بھائیوں نے حسد کے مجھے یہاں پھینکا ہے۔ جبریل نے کہا کیا تو کنوئیں سے نکلنا چاہتا ہے؟ فرمایا یہ بات ابراہیم واسحق و یعقوب کے پروردگار کی مشیت کے تابع ہے تو جبریل نے کہا ابراہیم اسحق و یعقوب کا پروردگار فرماتا ہے کہ تم دعا سے مجھے پکارو۔

تفسیر برہان میں حضرت رسالت مآب سے مروی ہے آپ نے جبریل سے دریافت کیا کہ کبھی تجھے تھکان بھی ہوتی ہے تو عرض کی حضور! میں مرتبہ ایسا ہوا ہے (۱) جب حضرت ابراہیم کو آتشِ فرود میں پھینکا گیا تو خدا نے مجھے حکم دیا کہ جاؤ اور میرے خلیل کی جلد خبر لو۔ مجھے اپنی عزت و جلال کی قسم اگر وہ تیرے سینے سے پہلے آگ میں چلا گیا تو فرشتوں کے دفتر سے تیرا نام کاٹ دوں گا۔ پس میں نے تعمیل کی اور ابھی تک آگ میں نہ پہنچنے پائے تھے کہ میں نے حاضر ہو کر عرض کی اے ابراہیم: کیا تیری کوئی حاجت ہے؟ تو کہنے لگے۔ اِلٰی اللّٰهِ فَنَعْمَ وَاَمَّا اِلَیْكَ فَلَآ۔ یعنی بے شک اللہ کی طرف تو مجھے حاجت ہے لیکن تجھ سے نہیں (۲) جب ابراہیم کو اپنے فرزند حضرت اسمعیل کے فرج کا حکم ہوا اور انہوں نے چھری اٹھائی تو مجھے حکم خداوندی ہوا کہ فوراً سینور اور مجھے اپنی عزت و جلال کی قسم اگر تیرے سینے سے پہلے چھری اسمعیل کے حلق تک پہنچ گئی تو تیرا نام فرشتوں کے دفتر سے کاٹ دوں گا۔ پس میں فوراً اپنا اور چھری کو الٹا کر دیا اور ذریعہ لاکر چھری کے نیچے لٹا دیا (۳) جب یوسف کو کنوئیں میں پھینکا گیا تو خدا نے مجھے وحی فرمائی کہ اے جبریل یوسف کی خبر لو۔ اور مجھے اپنی

جبریل کی تیز رفتاری

عزت و جلال کی قسم اگر وہ تجھ سے پہلے کنوئیں کی تہ میں پہنچا تو تیرا نام فرشتوں کے دفتر سے کاٹ دوں گا۔ چنانچہ ابھی تک وہ تہ تک نہ پہنچنے پائے تھے کہ میں پہنچ گیا۔ اور صبح و سالم اس کو کنوئیں میں پڑے ہوئے ایک پتھر پر بٹھا دیا۔ پس مجھے تھکان محسوس ہوئی۔ اس کنوئیں میں سانپ واٹھوا رہتے تھے۔ جب انہوں نے دیکھا تو ایک دوسرے کو کہنے لگے کہ اپنی جگہ سے حرکت نہ کرو۔ کیونکہ آج ایک نبی کریم ہمارا مہمان ہے۔ پس وہ اپنی جگہ پر پابند رہے لیکن اٹھوا ایذا رسانی کے لئے آگے بڑھے۔ پس ایک ایسا دھماکہ آیا کہ ان کے کان بند ہو گئے اور قیامت تک وہ ایسے رہیں گے۔

ابن عباسؓ سے منقول ہے جب حضرت یوسفؑ کنوئیں میں موذی جانوروں سے مطمئن ہو کر آرام فرما ہوئے تو اپنے بھائیوں کو آزاد دے کر کہا کہ ہر مرنے والے کو وصیت کرنے کا حق ہے پس میری چند وصیتیں سن لو (۱) جب گھر پہنچا تو میری بیوی کو یاد کرنا (۲) جب امن کی زندگی گزارنا تو میری وحشت کو نہ بھولنا (۳) جب طعام کھانا تو میری بھوک کو یاد میں لانا۔ (۴) جب پانی پینا تو میری پیاس کو یاد کرنا (۵) جب کوئی جوان دیکھنا تو میری جوانی کو یاد کرنا۔ پس جبریل نے آکر کہا ان وصیتوں کو چھوڑیے اور پروردگار سے مناجات کیجئے۔ الخ۔ نیز مروی ہے کہ حضرت یعقوب نے یوسف کو بھائیوں کے ہمراہ روانہ کرنے سے قبل ان سے کَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ عَلِيُّ وَآلِي اللَّهِ کے کلمہ طاہرہ کی دُائی دیکھی کہ یوسف کی سلامتی کا عہد لیا تھا۔ حضرت یوسف کو جو امر پروردگار سے دعا تعلیم کی گئی وہ یہ ہے۔

یوسف کی کنوئیں کے اندر دعا

اے اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں تو ہی حمد کا سزاوار ہے اور تیرے سوا کوئی بھی لائق عبادت نہیں تو ہی آسمانوں و زمین کا خالق ہے اے جلال و اکرام کے مالک محمدؐ و آل محمدؑ پر رحمت نازل فرما اور میرے لئے تنگی سے کشادگی اور اس قید و بند سے آزادی کی راہ پیدا کر اور مجھے رزق عطا کر جہاں سے مجھے توقع ہو اور جہاں سے توقع نہ ہو۔

اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ بِأَنَّ لَكَ الْحَمْدُ
لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ بَدِيعَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ
يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ أَنْ تُصَلِّيَ عَلَيَّ
مُحَمَّدٍ وَآلِ مُحَمَّدٍ وَأَنْ تَجْعَلَ لِي فِي
أَمْرِي فَرَجًا وَمَخْرَجًا وَتُرْزِقَنِي مِنْ
حَيْثُ أَحْتَسِبُ وَمِنْ حَيْثُ كَا أَحْتَسِبُ۔

سمیع بن سبار کی روایت میں ہے کہ وہ

آپ نے فرمایا پس حضرت یوسف کی دعا مقبول ہوئی خدا نے اس کو کنوئیں کی تنگی اور قید سے فوراً نجات بخشی اور اسی دعا کے صدقہ میں وہ عورت کی فریب کاری سے بچے اور اسی کی بدولت خدا نے ان کو مصر کی حکومت عطا فرمائی۔ جو ان کی توقعات سے بعید تھی۔ اور بروایت علی بن ابراہیم حضرت یوسف قید چاہ میں عرض کرتے تھے۔ اے ابراہیم اسحق و یعقوب کے پروردگار! میری کمزوری، بے چارگی اور کم سنی پر رحم فرما۔

تفسیر صافی میں بروایت علل و عیاشی حضرت سجاد علیہ السلام سے مروی ہے کہ بھائی جب حضرت یوسف کو لے چلے ابھی کچھ فاصلہ طے کیا تھا کہ حضرت یعقوب تیزی سے پیچھے سے آئے اور یوسف کو ان سے لے کر ایک بار پھر سینے سے لگا لیا اور فرط محبت سے بہت روئے پھر ان کے حوالہ کر دیا۔ چنانچہ اس واقعہ انہوں نے تیز رفتاری سے منزل کو طے کرنا شروع کر دیا سبدا پھر حضرت یعقوب پیچھے سے پہنچ کر ہم سے یوسف کو لے لیں۔ پس وہ درختوں کے ایک گھنے جنگل میں پہنچے اور وہاں اس کے ذبح کی تجویز کی تاکہ بھیڑیے اس کے گوشت کو کھا جائیں۔ ان میں سے جو بزرگ تر تھا۔ اُس نے کہا۔ نہیں اس کو قتل نہ کرو۔ بلکہ اگر تم نے کرنا ہے تو اس کو کنوئیں میں پھینک دو۔ کوئی قافلہ اس کو وہاں سے نکال کر کہیں دُور لے جائے گا۔ پس انہوں نے ایسا ہی کیا اور روٹنے لگے تو حضرت یوسف نے کنوئیں کے اندر سے آواز دی میرے بابا کو میرا سلام کہہ دینا۔ جب انہوں نے آواز سنی تو آپس میں کہنے لگے کہ ہمیں یہاں سے نہیں جانا چاہیے جب تک کہ اس کی موت کا یقین نہ ہو جائے۔ چنانچہ کافی دیر تک بیٹھے رہے اور آخر کار مایوس ہو کر واپس پلٹے۔ اور بروایت قحی جب انہوں نے کنوئیں میں پھینکنے کا ارادہ کیا تھا تو یوسف سے کہا تھا کہ تمہیں اتنا رو حضرت یوسف نے معذرت چاہی تو ایک بھائی نے چھرا نکال کر قتل کی دھمکی دی اور زبردستی قہص اتناری۔ پھر کنوئیں میں پھینک دیا۔ واپسی پر انہوں نے یہ طے کر لیا کہ یوسف کی تمہیں کو کسی خون سے آلودہ کر لیا جائے تاکہ باپ کے سامنے ہمارے اس عذر کی شنوائی ہو سکے کہ یوسف کو بھیڑیا گیا ہے۔ لاوی نے کہا بھائیو! ابراہیم خلیل اللہ کے فرزند اسحق نبی اللہ تھے اور اس کے فرزند یعقوب اسرائیل اللہ ہیں۔ اور اس کی ہم اولاد ہیں۔ تم کیا سمجھتے ہو کہ خدائیوں سے یہ بات چھپائے گا؟ حیرت میں آکر کہنے لگے پھر کو نسا حیلہ تلاش کیا جائے؟ آخر سوچ و سچار کے بعد یہ فیصلہ ہوا کہ اٹھو غسل کر لو۔ اور نماز باجماعت ادا کر کے گڑ گڑا کر اللہ سے دعا مانگو وہ جو اذکریم ہے۔ شاید منظور کر لے اور ہمارا راز فاش نہ ہو۔ حضرت ابراہیم و اسحق و یعقوب کی شریعت کا فیصلہ یہ تھا کہ گیارہ آدمیوں سے کم نماز باجماعت نہیں ہو سکتی تھی اور یہ دس تھے۔ جب غسل کر چکے اور صف باندھ کر کھڑے ہو گئے تو گیارہوں آدمی نہیں تھا جو فرائض امامت انجام دے۔ پس حیران تھے کہ لاوی نے کہا چلو اللہ ہی کو اپنا امام قرار دے لو چنانچہ انہوں نے نماز ادا کی۔ اور نہایت گریہ و زاری سے اپنی رازداری کی خدا سے درخواست کی۔

وَ اَوْحَيْنَا - تفسیر صافی میں ہے کہ خدا نے بچپن میں حضرت یوسف کی طرف وحی کی جس طرح حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ کی طرف ہوئی تھی۔ اور یہ اس امر کی دلیل ہے کہ نبوت وہی عہدہ ہے نہ کہ کسی۔ کیونکہ بچپن میں کسب کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ آیت مجیدہ کے لفظ بتلاتے ہیں کہ حضرت یوسف اس وقت نبی تھے۔ اور اَوْحَيْنَا کی عہدہ نبوت پر دلالت التزامی ہے۔

لَتَسْتَبْشِرَنَّكُمْ - مضارع کا صیغہ ہے۔ اور نون تاکید اس پر داخل ہے۔ یعنی تمہارا بھائیوں کو ان افعال کے متعلق بتلانے کا وقت آئے گا جب کہ ان کو پتہ نہ ہو گا کہ تم ہی یوسف ہو۔ اس لفظ میں دو طرح کی پیشین گوئیاں موجود

يَا بَانَا اِنَّا ذَهَبْنَا نَسْتَبِقُ وَتَرَكْنَا يُوسُفَ عِنْدَ مَتَاعِنَا فَاكَلَهُ

بابا جان! ہم (تیر اندازی کے) مقابلہ کے لئے گئے اور یوسف کو سامان کے پاس چھوڑا پس اس کو بھیڑیے نے

الذِّبُّ ۚ وَمَا أَنْتَ بِمُؤْمِنٍ لَّنَا وَلَوْ كُنَّا صَادِقِينَ ﴿۱۷﴾

کھا لیا اور آپ ہماری بات پر باور نہ کریں گے اگرچہ ہم سچ کہتے ہوں

ہیں۔ ایک یہ کہ تم گھبراؤ نہیں کہ عنقریب تم کو اس مصیبت سے نجات مل جائے گی۔ اور دوسری یہ کہ مصائب کا دور گزرنے کے بعد تمہیں اقتدار حاصل ہو گا۔ اور یہی بھائی تمہارے در پر حاضر ہوں گے۔ اور تم ان کو گذشتہ امور کی خبر دو گے۔ چنانچہ زمان اقتدار یوسف ہیں وہ مصر پہنچے تو حضرت یوسف ان کو پہچان گئے لیکن وہ نہ جانتے تھے کہ آپ یوسف ہیں۔ پس حضرت یوسف نے ایک کٹورے پر چٹکی ماری تو اس سے جھنکار کی آواز پیدا ہوئی۔ پس آپ نے فرمایا یہ کٹورا مجھے خبر دے رہا ہے کہ تمہارا ایک پدری بھائی تمہاجس کو تم نے کنوئیں میں پھینکا تھا اور کھوٹے پیسوں میں بیچ ڈالا تھا۔

وَجَاءُوا ۖ رات کے وقت تاریکی میں پلٹنے کا مقصد بھی یہی تھا کہ آنکھوں کو شرم نہ آئے۔ بہانہ بنانے میں جھجک نہ رہے اور بناوٹی گریہ کی قلعی نہ کھلے۔ آیت سے صاف ظاہر ہے کہ ہر روکر بات کرنے والا ضروری نہیں کہ سچا ہو۔ بلکہ صداقت کا معیار اس سے جدا ہے۔

وَمَا أَنْتَ ۖ چور کی ڈاڑھی میں تنکا کا مقولہ بیان خوب منطبق ہو رہا ہے کہ اگرچہ ہم سچ کہیں تب بھی آپ ہماری باتوں پر باور تو کرتے نہیں ہیں۔ یہ الفاظ اپنے مقام پر خود ہی ان کی کذب بیانی کو ظاہر کر رہے ہیں۔ یہ اس لئے کہا کہ پہلے سے حضرت یعقوب حضرت یوسف کو ان کے ہمراہ بھیجنے پر راضی نہ تھے۔ اور یوسف کے بارے میں ان پر اعتماد نہ کرتے تھے۔ کیونکہ ان کا حاسدانہ رویہ آپ پر آشکار تھا۔

بَدِيمٍ كَذِبًا ۖ کہتے ہیں ایک بکرا ذبح کر کے اس کا خون یوسف کی قمیص پر مل دیا تھا اور بعض کہتے ہیں کہ ایک ہرن کے خون سے اس کو رنگین کر لائے۔ اور ان کو یہ خیال تک نہ تھا کہ بھیڑ یا انسان کو بچاڑتا ہے تو اس کے لباس کو بھی وہ بچاڑ دالتا ہے۔ ورنہ حضرت یوسف کی قمیص کو بھی وہ بچاڑ ڈالتے۔ پس حضرت یعقوب نے ان سے قمیص طلب کی دیکھا کہ وہ تو بالکل صحیح و سالم ہے۔ فرمایا بیٹے! میں نے آج تک ایسا باحاصلہ درندہ نہیں دیکھا کہ اُس نے میرے بیٹے کو تو کھا لیا لیکن اُس کی قمیص کو زورہ بھر نقصان نہیں پہنچایا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ یوسف کی قمیص کو آنکھوں پر لگا کر کہا۔ اے یوسف تجھے کسی رحم دل بھیڑیے نے کھایا ہے جس نے تیرا گوشت کھا لیا اور تیری قمیص کو گزند نہ پہنچایا۔ جب حضرت یوسف کے بھائیوں نے دیکھا کہ ہمارا یہ بہانا صحیح ثابت نہیں ہوا تو کہنے لگے نہیں بلکہ اس کو ڈاکوؤں نے قتل کر ڈالا ہے۔ آپ نے فرمایا اگر ایسا ہوتا تو یوسف کی قمیص لے جاتے کیونکہ چور ڈاکو مال کی خاطر ہی چوری یا ڈاکہ کیا کرتے ہیں۔ لہذا یوسف کے قتل سے ان کے لئے

وَجَاءُوا عَلَى قَيْصِ بْنِ مِثْلَانَ قَالُوا كَذِبٌ قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ أَنْفُسُكُمْ

اور اس کی قیص پر جھڑٹا خون لگا کر لائے فرمایا (یہ بات نہیں) بلکہ زینتِ دمی تمہارے لئے تمہارے نفسوں نے

أَمْرًا فَصَبْرٌ جَمِيلٌ وَاللَّهُ الْمُسْتَعَانُ عَلَى مَا تَصِفُونَ ﴿۱۸﴾ وَ

ایک بات پس صبرِ جمیل خوب ہے اور اللہ سے طلب مدد کرتا ہوں اس بات پر جو تم بیان کرتے ہو اور

جَاءَتْ سَيَّارَةٌ فَأَرْسَلُوا وَارِدَهُمْ فَأَدْلَى دَلْوَةً قَالَ يَبْشَرِي

ایک قافلہ آیا انہوں نے پانی لانے کے لئے ایک آدمی بھیجا اس نے ڈول لٹکایا تو حیرت سے کہنے لگے اے بشری یہ تو

هَذَا غُلَامٌ وَأَسْرُوهُ بَصَاةً وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِمَا يَعْمَلُونَ ﴿۱۹﴾

لڑکا ہے اور انہوں نے اس کو چپکے سے اپنی پونجی بنا لیا اور خدا جانتا ہے جو وہ کرتے ہیں

یوسف کی قیصیں زیادہ بہتر و مناسب تھی پس تمہارے نفسوں نے تمہیں دھوکہ میں ڈال کر ایک بات پر تمہیں آمادہ کر لیا ہے لہذا میرے لئے صبر کے سوا اور کوئی چارہ کار نہیں۔

سَوَّلَتْ ۱۔ تسویل سے ہے اس کے دو معنی کئے گئے ہیں (۱) نفس کا ایسی شے کو مزین کر کے پیش کرنا جو درحقیقت اچھی نہ ہو۔ (۲) نفس کا ایک مطلب کو تصور کر کے اس کی تکمیل کا طمع کرنا۔

سَيَّارَةٌ ۲۔ کہتے ہیں یہ قافلہ مدین سے مصر کو جا رہا تھا کہ راستہ بھول کر اس طرف آگئے۔ اور یہ کنواں آبادیوں سے کافی دور تھا اور اس کا پانی نمکین تھا۔ چرواہے لوگ اس کو استعمال کیا کرتے تھے۔ اور بعضوں نے یہ بھی کہا ہے کہ لپ شکر تھا۔ یہ کیفیت قافلہ داروں نے پانی لانے کے لئے ایک آدمی بھیجا جس کا نام مالک بن زعر لکھا ہے۔

فَأَدْلَى دَلْوَةً ۳۔ ادلا کا معنی ڈول لٹکانا ہے پس جب پانی کے لئے اُس نے ڈول لٹکایا تو حضرت یوسف نے وہ رتی پکڑ لی جب اُس نے ڈول کھینچا تو ایک نہایت خوبصورت لڑکا اس میں بیٹھا ہوا پایا۔

يَا بَشْرٰى ۴۔ ایسے مقامات میں جب کہ مناوی غیر ذمی العقول میں سے ہو۔ ندامتِ طبع کی تشبیہ اور قصہ کی عظمت کے لئے لائی جاتی ہے۔ پس یہاں بشری کو ندامتِ حاضرین کو تلفت کرنے اور واقعہ کی اہمیت کو ظاہر کرنے کے لئے ہے۔ کیونکہ کنوئیں سے ایک خوبصورت لڑکے کا نکل آنا ایک خوشخبری بلکہ انتہائی نیک نجات کی علامت ہے۔ اور بعضوں نے کہا ہے کہ جب حضرت یوسف ڈول میں بیٹھے اور وہ بھارا معلوم ہوا۔ پس کھینچنے والے نے دیکھا تو لڑکے کو بیٹھا ہوا پایا۔ پس اپنے ایک ساتھی بشری نامی کو پکار کر کہا یہ تو لڑکا بیٹھا ہے۔ لیکن پہلا قول قرین صحت ہے۔

أَسْرُوهُ ۵۔ یہ اسرار سے ہے جس کا معنی ہے پوشیدہ رکھنا۔ اس مقام پر اس کی دو توجیہیں ہو سکتی ہیں۔ پہلی یہ کہ

وَشَرَوْهُ بِثَمَنٍ بَخْسٍ دَرَاهِمَ مَعْدُودَةٍ ۚ وَكَانُوا فِيهِ مِنَ الزَّاهِدِينَ ﴿۲۰﴾

اور بیچ دیا اس کو کھوٹے پیسوں میں جو چند درہم تھے اور اس معاملہ میں وہ پرہیز کرنے والے تھے

حضرت یوسف جن کے ہاتھ لگے تھے انہوں نے اس کو اپنے باقی رفتار سے پوشیدہ کر لیا۔ پونجی کی حیثیت سے تاکہ وہ اس میں حصہ دار نہ بن سکیں۔ اور یہ ظاہر کیا کہ یہ لڑکا کنوئیں کے مالکوں کی ملکیت ہے اور انہوں نے ہمیں فروخت کرنے کے لئے دیا ہے۔ پس اس کے فروخت کرنے میں ہم ان کی طرف سے وکیل ہیں۔ اور دوسری یہ کہ اَسْرُوہ کی فاعل کی ضمیر کا مرجع حضرت یوسف کے بھائی ہوں کہ انہوں نے دل میں حضرت یوسف کو اپنی پونجی قرار دے دیا۔ پس اس کا بھائی ہونا ظاہر نہ کیا بلکہ کہا کہ یہ ہمارا غلام ہے جو ہم سے بھاگ کر یہاں آچھا ہے اور عبرانی زبان میں یوسف سے کہا خبردار اگر تو نے ہمارا بھائی ہونا ظاہر کیا تو ہم تجھے قتل کر دیں گے اور یہی دوسری توجیہ درست معلوم ہوتی ہے۔

بَثْمَنٍ بَخْسٍ۔ بَخْسٍ کا معنی کھوٹا کم قیمت یا حرام کیونکہ آزاد کو بیچنا حرام ہے لہذا اس سے حاصل شدہ قیمت بھی حرام ہے۔
دَرَاهِمَ مَعْدُودَةٍ۔ مروی ہے کہ بیس درہم تھے جو انہوں نے آپس میں دو دو کر کے بانٹ لئے۔ بعض روایات میں ۲۲۔
۴۰ اور ۱۸ بھی منقول ہیں۔

وَمَنْشَرُوهُ ۙ۔ بعض کہتے ہیں اس کا فاعل وہی لوگ ہیں جنہوں نے کنوئیں سے نکالا تھا۔ پس انہوں نے ہی بیچ دیا لیکن صحیح یہ ہے کہ جب کنوئیں سے حضرت یوسف کو مالک بن زعر نے نکالا تو یہود اذیکھ رہا تھا۔ پس اس نے بھائیوں کو اطلاع کر دی پس وہ آئے اور انہوں نے یوسف کو مالک بن زعر پر فروخت کر دیا۔ اور ابو حمزہ ثمالی کی تفسیر سے منقول ہے کہ مالک اور اس کے ساتھیوں نے اس سفر میں بہت خیر و برکت دیکھی۔ اور جب حضرت یوسف ان سے جدا ہوئے تو وہ برکات بھی ساتھ ساتھ مرض خاص ہو گئیں جو ان کے وجود سے معجز و مجرب آئی تھیں۔ پس مالک کے دل میں کشش پیدا ہوئی۔ اور حضرت یوسف کے پاس پہنچ کر نسب دریافت کیا تو آپ نے فرمایا میں یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم کا فرزند یوسف ہوں۔ پس مالک نے ان کو گلے سے لگایا۔ اور بہت رویا چونکہ بے اولاد تھا۔ اس نے حضرت یوسف سے دعا کی خواہش کی۔ اور حضرت یوسف نے اس کے لئے اولاد زینہ کی دعا کی۔ پس خدا نے قبول فرمائی۔ اور وہ صاحب اولاد ہوا۔

تفسیر صافی میں بروایت علل و عیاشی حضرت سجاد علیہ السلام سے مروی ہے کہ حضرت یوسف کے بھائی یوسف کو کنوئیں میں ڈال کر چلے گئے۔ اور دوسرے دن واپس آئے تاکہ معلوم کریں کہ یوسف مر چکا ہے یا زندہ ہے۔ پس یہاں پہنچے تو قافلہ کو فروکش دیکھا جب یوسف کنوئیں سے نکلے تو انہوں نے کہا کہ یہ ہمارا غلام ہے جو کنوئیں میں کل گیا تھا اب ہم اس کو نکالنے کے لئے آئے ہیں۔ پس اُن سے لے لیا اور بعد میں بیچ دیا۔

مِنَ الزَّاهِدِينَ۔ اس کے معنی میں تین وجود ہیں۔ پہلی یہ کہ جن لوگوں نے خریدنا تھا وہ دل سے نہ چاہتے تھے کیونکہ وہ حضرت یوسف میں آزادیوں، شرفیوں اور بلند خصلت لوگوں کی سی عادات و اطوار ملاحظہ کر چکے تھے۔ لہذا ڈرتے تھے کہ کہیں آزاد کو

وَقَالَ الَّذِي اشْتَرَاهُ مِنْ مِّصْرَ لِمُرَاتِيهِ اَكْرَمِي مَثْوَاهُ عَسَىٰ

اور اہل مصر میں سے جس نے اس کو خریدا تھا اس نے اپنی بیوی سے کہا کہ اس کی ضیانت اچھی کرو کہ شاید یہ

اپنا غلام بنا کر سرزنش کے حقدار نہ بن جائیں۔ دوسری یہ کہ خریدنے والے حضرت یوسف کے معاملہ میں پرہیزگار تھے کہ نیت بد سے خرید نہ کیا تھا بلکہ نفع خوری کی خواہش ان کے دل میں تھی۔ تیسری یہ کہ بچنے والے یعنی حضرت یوسف کے بھائی دل سے اس کو بچینا نہیں چاہتے تھے۔ اور نہ ان کو اس قیمت میں کوئی طمع تھا صرف وہ اس کی باپ سے بھائی کے ہی خواہش مند تھے۔

قصہ - پس مالک بن زعر حضرت یوسف کو خرید کر روانہ ہوا۔ اور طے مسافت کے بعد مصر میں دارو ہوا۔ بروایت **درکوع ۱۳** علل حضرت سجاد علیہ السلام سے منقول ہے کہ حضرت یعقوب کے گھر سے مہر بارہ دن کا راستہ تھا۔ اور بروایت کافی امام صادق علیہ السلام سے اٹھارہ دن کی مسافت منقول ہے۔ اور مروی ہے کہ حضرت یعقوب نے خوشخبری سنانے کے بعد یہ مسافت نو دن میں طے کی تھی۔

اس زمانہ میں مصر کا بادشاہ ریان بن ولید تھا جو قوم عمالقہ سے تھا۔ یہ شخص حضرت یوسف پر ایمان لاکر فوت ہوا۔ اس کے بعد عنان حکومت قابوس بن مصعب نے سنبھالی جو کافر تھا اور حضرت یوسف کی دعوت اسلام کو اس نے قبول نہ کیا۔ اس زمانہ میں مصر کے شہنشاہ کا لقب فرعون ہوا کرتا تھا اور وزیر اعظم خزاجی اور سالار فرج کا عہدہ ایک شخص کے سپرد ہوا کرتا تھا جس کو عزیز کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا۔ اور یہ لقب دوسروں کے لئے ممنوع تھا۔ حتیٰ کہ اگر کوئی دوسرا آدمی اپنا نام عزیز رکھتا تو اس کی بطور سزا کے زبان کاٹ دی جاتی تھی۔ اس زمانہ میں عزیز مصر قطیفیر یا الطیفیر نامی ایک شخص تھا جو نام نہ تھا اور اس کی عورت کا نام راعیل تھا جو زلیخا کے لقب سے مشہور تھی۔

مصر میں پہنچتے ہی حضرت یوسف کے حسن کا چرچا ہو گیا۔ بازار میں خریداری کے لئے لوگوں کا بے پناہ ہجوم تھا۔ لوگ حسن یوسف کے دیدار کے لئے جوق در جوق جمع ہوئے تھے۔ اور ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر قیمت میں اضافہ کرتے جاتے تھے۔ اور ہر خریدار اپنی موجودہ پونجی کو یوسف کی قیمت میں ادا کرنے کے لئے بے قرار تھا۔ پس قیمت بڑھتے بڑھتے عام خریداروں کی استطاعت سے اوپر چلی گئی۔ اور طے پایا کہ حضرت یوسف کی قیمت اس کے وزن کے برابر سونا اور مسک ہو گا۔ عزیز مصر کے ہاتھ میں چونکہ شاہی خزانہ کی کینیاں تھیں۔ پس اس نے مالک بن زعر سے اسی متعینہ قیمت پر خرید لیا۔ اور اپنی عورت سے سفارش کی کہ اس کے طعام و قیام کا خاص خیال رکھے۔ چونکہ حضرت یوسف کے چہرہ کا جمال اور اس کی عقل و فراست کا جلال عزیز مصر کو مسحور کر چکا تھا۔ اس لئے وہ حضرت یوسف کی خریداری کو گھانٹے کا سودا نہ سمجھتا تھا بلکہ فروخت کی صورت میں ظاہری نفع کا اُمیدوار تھا۔ اور بصورت دیگر اس کو اپنا متنبی بنا کر اپنا وارث بنانے کے لئے بھی تیار تھا اس لئے اپنی عورت کو داشکاف الفاظ میں ہدایت کی کہ اس کی خدمت میں کوئی فروگداشت نہ ہو کیونکہ یا تو ہم اس سے فائدہ اٹھائیں گے

أَنْ يَنْفَعَنَا أَوْ نَتَّخِذَهُ وَوَلَدًا ط وَكَذَلِكَ مَكَّنَّا لِيُوسُفَ فِي الْأَرْضِ ط

ہمیں نفع دے یا اس کو ہم اپنا بیٹا بنا لیں اور اسی طرح ہم نے اقتدار دیا یوسف کو زمین میں

وَلِنُعَلِّمَهُ مِنْ تَأْوِيلِ الْأَحَادِيثِ ط وَاللَّهُ غَالِبٌ عَلَى أَمْرِهِ وَلَكِنَّ

اور تاکہ ہم اس کو خوابوں کی تفسیر کا علم دیں اور خدا غالب ہے اُس د یوسف کے معاملہ میں لیکن

أَكْثَرُ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۲۱﴾ وَلَمَّا بَلَغَ أَشُدَّهُ آتَيْنَاهُ حُكْمًا وَعِلْمًا ط

اکثر لوگ نہیں جانتے اور جب وہ اپنی جوانی کو پہنچے تو ہم نے اس کو نبوت و علم عطا کیا

اور یا اس کو اپنا بیٹا بنا لیں گے۔ لیکن عورت نے عزیز مصر کی ساری اُسگوں پر پانی پھیر دیا۔ جب حضرت یوسف جوان ہوئے تو وہ اس پر عاشق ہو گئی جس کا نتیجہ حضرت یوسف کی قید کے رنگ میں ظاہر ہوا اور مروی ہے کہ حضرت یوسف کے صحن کا یہ عالم تھا کہ مرویا عورت جو بھی ایک دفعہ دیکھ لیتا اس کے دل میں ان کی محبت گھر کر لیتی تھی۔

كَذَلِكَ - یعنی جس طرح ہم نے یوسف پر کمزورئیں کی قید سے آزادی کی نعمت بھیجی۔ اسی طرح ہم نے یوسف کو کرسی اقتدار بھی عطا کی۔

لِنُعَلِّمَهُ - عبارت کی تقدیر یہ ہے وَتَبَرُّنَا ذَٰلِكَ لِنُكَلِّمَهُ وَلِنُعَلِّمَهُ - یعنی ہم نے یہ تدبیر کی تاکہ ہم اس کو اقتدار بخشیں اور خوابوں کی تفسیر کا اس کو علم عطا کریں۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ حضرت یوسف قبل ازیں علم سے کورے تھے۔ کیونکہ نبی کو کسی زمانہ میں بھی جاہل نہیں کہا جاسکتا بلکہ خداوند کریم استعداد پہلے عطا فرمادیتا ہے۔ اور حسب موقعہ اظہار کی توفیق تدریجاً عطا کرتا رہتا ہے۔ اور اسی بنا پر اپنے حبیب کو فرمایا - قُلْ رَبِّ نِزْنِي عَلَّمَنِي - اے پروردگار میرے علم میں زیادتی عطا کر۔ غَالِبٌ عَلَى أَمْرِهِ - ضمیر غائب کا مرجع یوسف ہے۔ یعنی خدا حضرت یوسف کے معاملہ میں غالب ہے کہ بھائیوں نے اس کے گرانے اور ذلیل کرنے کی ہر ممکن تجویز کی لیکن خدا نے ان کی تمام تجاویز کو فیل کر دیا۔ اور اس کی ہر طرح سے حفاظت و صیانت کر کے اُس کے لئے اقتدار کی راہیں ہموار کر دیں۔ اور یہ معنی بھی ہو سکتا ہے کہ خدا اپنے معاملات پر غالب ہے۔ اس کی تدبیر و تجویز کو کوئی بھی رو نہیں کر سکتا۔

أَشُدُّهُ - جمع کا وزن ہے اور اس کا واحد کوئی نہیں۔ اور بعض نے شَدُّهُ کو اس کا واحد لکھا ہے۔ معنی یہ ہے کہ جب حضرت یوسف اپنی طاقتوں اور توانائیوں کی حد پر پہنچے۔ اور ابن عباس سے منقول ہے کہ اس سے مراد ۱۸ برس کی عمر سے لے کر تیس برس کی عمر تک کا زمانہ ہے۔ اور بعض نے چالیس برس تک اور بعض نے ساٹھ برس تک کہا ہے۔

حُكْمًا وَعِلْمًا - حکم سے مراد نبوت اور علم سے مراد شریعت ہے (یعنی ہم نے اس کو اعلان نبوت و اظہار شریعت پر مامور کیا، بعضوں نے حکم سے مراد دعوت اسلام اور علم سے مراد امور شریعت کی وضاحت لی ہے۔ اسی بنا پر اہل علم کی مخصوص

وَكَذَلِكَ تَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ﴿۲۲﴾ وَمَا أَوْدَتْهُ الَّتِي هُوَ فِي بَيْتِهَا عَن

اور اسی طرح ہم محسن لوگوں کو بدلہ دیتے ہیں اور خواہش کا مطالبہ کیا اس عورت نے جس کے گھر میں وہ تھا

نَفْسِهِ وَغَلَقَتِ الْأَبْوَابَ وَقَالَتْ هَيْت لَكَ قَالَ مَعَاذَ اللَّهِ إِنَّهُ رَبِّي

اسکے نفس کے متعلق اور دروازے بند کر دئے اور کہنے لگی آجاء اس کام کے لئے جو تیرے لئے ہے فرمایا اللہ کی پناہ تحقیق وہ میرا مالک ہے

اصطلاح میں حقیقتِ دینیہ کا اطلاق اصولِ دین کے مطالب پر ہوتا ہے اور حقیقتِ شرعیہ کا اطلاق علمِ فقہ کے مقاصد پر ہوتا ہے۔

آیت مجیدہ میں بھی حکم سے مراد دین کی دعوت ہے جس کا تعلق اصول سے ہے اور علم سے مراد امورِ شرعیہ فرعیہ کی وضاحت ہے جس کا تعلق فقہ سے ہے۔ اور کہتے ہیں عزیزِ مصر کے پاس جس قدر مقدمات سماعت کے لئے پیش ہوتے تھے ان کے فیصلے حضرت یوسف ہی کیا کرتے تھے۔

مَا أَوْدَتْهُ۔۔ اس کا مجرد دَاوِدَتْهُ ہے جس کا معنی ہے طلب کرنا اس مقام پر بابِ مفاعلہ شدت کو ظاہر کرنے کے لئے استعمال کیا گیا ہے۔ یعنی اس عورت نے حضرت یوسف سے خواہشِ نفسی کا چر زور مطالبہ کیا۔

هَيْتُ۔ اسمائے افعال میں سے امر کے معنی میں ہے یعنی آ۔ اور فیصح یہ ہے کہ جاء کا فتح یا ساکن اور بعد میں تاء مفتوحہ سے پڑھا جائے اور اس کو هَيْتُ اور هَيْتُ کے تلفظ سے بھی پڑھا گیا ہے اور بعضوں نے هَيْتُ لَكَ اجوف یائی اور مہوز اللام کے باب سے پڑھا ہے بمعنی تَهَيَّاتُ لَكَ یعنی میں تیرے لئے تیار ہوں۔

إِنَّهُ رَبِّي۔ ضمیر غائب کا مرجع قطیفیر یعنی عزیزِ مصر ہے۔ مقصد یہ کہ وہ میرا ظاہری لحاظ سے مالک ہے کیونکہ اس نے مجھے خریدا ہے۔ نیز اس نے میری تربیت اور حسن سلوک میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی۔ لہذا میں اس کے حق میں خیانت ہرگز نہیں کرونگا اور یہ بھی ممکن ہے کہ ضمیر غائب کا مرجع اللہ سبحانہ کو قرار دیا جائے۔ مقصد یہ کہ وہ میرا پروردگار ہے جس نے میرے اوپر احسانات کی بارش کی۔ بھائیوں کے تشدد سے بچات وی۔ اور عہدہ نبوت پر بھی فائز کیا۔ اور پھر طعام و قیام کے لئے اچھے اسباب مہیا فرمائے۔ لہذا اس کی نافرمانی کر کے میں اس ظلم کا ارتکاب ہرگز نہ کروں گا۔ اور یہ آیت صاف طور پر حضرت یوسف کی عصمت کا اعلان کر رہی ہے۔ اور یہ کہ حضرت یوسف کے نزدیک یہ فعل ناقابلِ بخشش ظلم تھا۔ جہی تو فرمایا کہ ظلم کرنے والوں کو چھٹکارا نہیں ملے گا۔ اور اَفْلَحَ يُفْلِحُ اگرچہ بابِ افعال ہے لیکن اس کے معنی میں تعدیہ نہیں۔

عصمتِ یوسفؑ شیعہ عقیدہ یہ ہے کہ انبیاء و مرسلین معصوم ہوا کرتے ہیں۔ اور ابتدائے عمر سے لے کر آخر عمر تک ان سے گناہ کبیرہ و صغیرہ سرزد نہیں ہوتا۔ کیونکہ یہ عہدہ ہمارے نزدیک کسی نہیں بلکہ وہی ہے۔ اور ناممکن ہے کہ خدا کسی غلط کار کو گنہگار کو باقی امت کی اصلاح کے لئے عہدہ نبوت عطا کر کے بھیجے۔ ہم نبوت کے عہد وہی ہوتے

أَحْسَنَ مَثْوَىٰ ط إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الظَّالِمُونَ ﴿۲۳﴾ وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٍ وَهَمَّ

جس نے مجھے اچھا ٹھکانا دیا ہے تحقیق ظالم لوگ پھٹکارا نہیں پائیں گے اور تحقیق اس عورت نے بد ارادہ کیا اور وہ بھی

بِمَا لَوْلَا أَنْ سَأَلَ رَبَّهُ كَذَلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوءَ وَالْفَحْشَاءُ

بد ارادہ کرتے اگر اپنے پروردگار کی جانب سے انہوں نے برہان نہ دیکھی ہوتی اور اسی طرح تاکہ دور کریں ہم اس سے خیانت اور بدکاری کو

ہونے پر اور عصمتِ انبیاء پر مدلل و مبہن طریقے سے اچھوتے انداز میں اپنی تازہ تصنیف "لمعة الانوار فی عقائد الابرار" میں واضح بیان سپرد قرطاس کر چکے ہیں جو صورتِ شیعہ عقائد کے موضوع پر لکھی گئی ہے۔ قارئین کرام عقائد کی صحت کے لئے اس کتاب کا مطالعہ ضرور کریں۔ نیز اسی تفسیر کے مختلف مقامات پر خصوصاً مقدمہ تفسیر میں ایک خاص عنوان کے ماتحت عصمتِ انبیاء پر کافی روشنی ڈال چکے ہیں۔ اور حضرت یوسف چونکہ عہدہ نبوت پر فائز تھے لہذا عقلی و نقلی دلیلوں سے ان کا معصوم ہونا ثابت ہے۔ اور آیت مجیدہ کے آخر میں إِنَّهُ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلِصِينَ کا جملہ اس مطلب پر نص صریح ہے پس اگر کسی مقام پر کوئی لفظ ظاہری طور پر اس کے خلاف پر دلالت کرتا ہو تو عقلاً اس کی تاویل واجب ہے اور ہم چونکہ گناہان کبار و صغائر سے ان کی پاکدامنی کے قائل ہیں۔ لہذا آیت مجیدہ کے الفاظ هَمَّتْ بِهٍ وَهَمَّ بِهَا کی توجیہ و در طریقوں سے کرتے ہیں۔

۱۔ وہی جو تحت اللفظی ترجمہ سے ظاہر ہے کہ زلیخا نے یوسف کے ساتھ بد ارادہ کیا۔ اور اگر اللہ کی جانب سے یوسف نبی نہ ہوتے۔ اس کا فضل خاص اور احسان اُن پر نہ ہوتا اور پروردگار کی جانب سے برہان نہ مل چکی ہوتی تو ان کے قدم بھی ڈگمگاتے۔ اور وہی ارادہ کر بیٹھے جو زلیخا چاہتی تھی۔ لیکن چونکہ ان پر اللہ کا احسان عمیم و فضل جنیم تھا۔ کیونکہ عہدہ نبوت پر فائز المرام تھے پس فعل بد کا ارادہ اُن سے نہ ہوا۔

(۲) پہلے فقرہ کا معنی اپنے ظاہر پر ہے کہ اس عورت نے یوسف کے ساتھ بُرائی کا ارادہ کیا اور اس کے قرآن

بہت سے ہیں۔

۱۔ وہ غیر معصومہ تھی لہذا اس سے بُرائی کا ارادہ غیر متوقع نہیں تھا۔

۲۔ آیت ۲۳ کی دلالت واضح ہے کہ اُس نے یوسف سے خواہشِ نفسی کی تکمیل کے لئے پُر زور مطالبہ کیا اور دروازے بند کر ڈالے۔

۳۔ آیت آئندہ ۲۴ میں شہر کی عورتوں کی تصریح موجود ہے کہ انہوں نے زلیخا کے بد ارادہ پر اسکی ملاکت کی۔

۴۔ آیت ۲۵ میں زلیخا کا اعتراض اَلَا نَحْصَحُكَ الْحَقَّ لِاَنَّكَ تَقُولُ بِالْحَقِّ ظَاهِر ہو گیا ہے۔ اور میں نے ہی اس کو خواہشِ نفسی کی دعوت دی تھی۔

۵۔ تمام مفسرین کا اس بات پر اجماع ہے کہ اُس نے بُرا ارادہ کیا تھا۔

۶۔ بچے کی شہادت سے بھی ظاہر ہے کہ وہ خطا کار تھی۔

یہ چھ قرینے اس امر پر ہیں کہ عورت نے خواہش بدکارا ارادہ ظاہر کیا تھا۔ اب رہا دوسرا فقرہ **هَتَّ بِهَا** د یوسف نے ارادہ کیا، تو **لَا اِلَّهَ اِلاَّ عِصْمَتِ نُبُوْتِ بِالْعَمُوْمِ** اور مقامی قرائن بالمخصوص اس امر پر شاہد ہیں کہ یہاں ظاہری معنی مراد نہیں ہے بلکہ مضاف مخذوف ہے یعنی **هَتَّ بِهَا** کہ عورت نے برائی کا ارادہ کیا اور یوسف نے اس کو مارنے اور دفع کرنے کا ارادہ کیا۔ **لَوْ كَا اَنَّ ذَا اٰی بُرْهَانَ مَرَّ بِهٖ** یعنی اگر وہ پروردگار کی جانب سے برہان نہ دیکھتے تو اس کو مارنے پٹینے لگ جاتے جس کا نتیجہ دو میں سے ایک ضرور ہوتا یا تو جذبہ انتقام میں اٹھ کر زمینا کے رشتہ دار اس کی بہتک عزت کرتے یا مار ڈالتے اور یا یہ کہ زمینا کو اپنی پاک داسنی کی سند مل جاتی چنانچہ وہ یہ دعویٰ دائر کر دیتی کہ مجھے یوسف نے خطا کاری کی دعوت دی ہے اور میں نے چونکہ انکار کیا ہے لہذا اس نے مجھے زد و کوب کیا ہے۔ بس ایسی صورت میں یوسف کو اپنی پاک داسنی کا ثابت کرنا مشکل ہو جاتا۔ پس تائید از دی کی بدولت ان ہر دو نتائج سے محفوظ رہے۔ یعنی قتل یا بہتک عزت سے بھی بچ گئے اور اتہام و بہتان سے بھی گلو خلاصی ہو گئی اور اس بنا پر **فَصْرِفَ عَنْهٗ السُّوْءَ وَالْفَحْشَآءَ** میں سوؤ سے مراد قتل اور فحشا سے مراد تہمت ہو سکتی ہے۔ اور وہ قرائن ظاہر یہ جو اس امر پر دلالت کرتے ہیں کہ حضرت یوسف نے برائی کا ارادہ نہیں کیا تھا وہ یہ ہیں۔

۱، گذشتہ آیت ۲۳ میں ان کا معاذ اللہ کہنا اور یہ کہ مالک کے حق میں خیانت ظلم ہے۔ اور ظالم کی فلاح نہیں ہے ان کے ارادہ صالحہ کی دلیل ہے۔

۲۔ آیت ۳۲ میں زمینا کا اپنا اعتراف ہے کہ **رَاوْذَتْهٗ عَنْ نَفْسِہٖ فَاَسْتَعْصَمَ**۔ یعنی میں نے اس کو اپنی طرف دعوت دی اور وہ محفوظ رہا۔

۳۔ بچے کا گواہی دے کہ حضرت یوسف کو اپنے دعویٰ میں صادق کہنا۔

۴۔ عزیز مصر کا خود اپنی عورت کو ڈانٹ کر کہنا **اِنَّہٗ مِنْ کٰیْدِ کُنَّ** تحقیق یہ تمہارا مکہ ہے۔ آیت نمبر ۲۸ اور پھر آیت نمبر ۲۹ میں یوسف سے معذرت کہ **نَاکَ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا**۔ یعنی اس بات کا تذکرہ چھوڑ دیجئے رادر عورت کو کہنا **وَاسْتَعْفِرْ لٰذٰنِکَ** اور اپنی غلطی کی معافی مانگ **اِنَّکَ کُنْتَ مِنَ الْخٰطِیِّیْنَ**۔ تحقیق تو ہی غلط کار ہے۔

۵۔ آیت نمبر ۵ میں عورتوں کا کہنا **مَا عَلِمْنَا عَلَیْہِ مِنْ سُوْءٍ** ہم نے اس پر برائی کا داغ نہیں دیکھا اور زمینا کا کہنا کہ اب حق ظاہر ہو گیا ہے۔ میں نے ہی اس کو اپنی طرف بلایا تھا۔ اور وہ یقیناً سچا تھا۔

۶۔ خداوند کریم کا تصدیق کرنا **اِنَّہٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلِصِیْنَ**۔ کہ تحقیق وہ ہمارے برگزیدہ بندوں سے تھا۔

یہ سب قرائن و وجوب عصمت انبیاء کے علاوہ ہیں جو اس معاملہ میں حضرت یوسف کی پاک داسنی کی شہادت دے رہے ہیں۔ بنا بریں جن لوگوں نے یہ ترجیح کیا ہے کہ حضرت یوسف نے بھی ارادہ بد کیا تھا انہوں نے نبوت کے وقار پر ضرب کاری

لگائی ہے۔ اور نبی پر اتہام تراشی کر کے عہدہ نبوت کو بچوں کا ایک کھیل سمجھا ہے۔ اور یہ سب قرآن کو نہ سمجھنے بلکہ نہ سمجھ سکنے کے نتائج میں سے ہے۔ پس ہمارے بیان سے صحت واضح ہوا کہ حضرت یوسف اس اور اس قسم کی جملہ آلائشوں سے پاک و منزہ تھے۔ ہاں اگر اس مہربن اور مدلل فیصلے کے بعد اگر کوئی روایت اس کے خلاف پائی جائے تو اس کی تاویل کر لی جائے گی ورنہ اسے منافی معقل و نقل قرار دے کر رد کیا جائے گا کیونکہ عقائد حقہ اور اصول ضروریہ کے مقابلہ میں روایات احاد کا کوئی مقام نہیں ہے۔

تفسیر صافی میں بروایت مجالس امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے جب کہ آپ نے ایک شخص کو تسلی و تسکین کے لئے فرمایا کہ لوگوں کی رضا حاصل نہیں کی جاسکتی اور لوگوں کی زبان پر پیرہ بھی نہیں بٹھایا جاسکتا۔ پس ایسے لوگوں کی نیش زنی سے تم کیسے بچو گے جن کی زبان درازیوں اور بہتان تراشیوں سے اللہ کے نبی و رسول نہیں بچ سکے۔ کیا تم کو معلوم نہیں کہ لوگوں نے حضرت یوسفؑ کے دامن کو بھی تہمت زنا کے کیچڑ سے ملوث کیا ہے۔

بروایت عیون الاخبار حضرت امام رضا علیہ السلام سے مامون نے عصمت انبیاء کے بارے میں سوال کیا اور اس آیت مجیدہ کی تفسیر پوچھی لَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَا اَنْ دَامِيَ بَرْهَانَ مَرْبِّهٖ اَنْتَ فَرَمَا يَا كِهٖ وَهٖ مَعْصُوم تھے اور معصوم نہ گناہ کا ارادہ کرتا ہے اور نہ گناہ کا ارتکاب کرتا ہے۔ اور مجھے اپنے باپ نے خبر دی ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام اس کی تفسیر اس طرح کرتے تھے۔ زلیخا نے فعل بد کا ارادہ کیا اور یوسف نے اس کے نہ کرنے کا عزم کیا۔ هَمَّ بِهَا كَا مَعْنٰی هَمَّ بِاَنْ لَا يَفْعَلَهَا اَوْ دوسری روایت میں ہے عورت نے معصیت کا ارادہ کیا اور حضرت یوسف نے اُس کے قتل کا ارادہ کیا اگرچہ وہ بار نہ آئی۔ پس خدا نے حضرت یوسفؑ سے اس کے قتل اور زنا کو پھیر دیا۔

بعض روایات میں ہے کہ جب زلیخا نے حضرت یوسفؑ کو بُرائی کی طرف دعوت دی تو گھر میں رکھے ہوئے بتوں پر اُس نے چادر ڈال دی۔ حضرت یوسفؑ نے وجہ پوچھی تو اُس نے بتایا کہ مجھے اس بت سے حیا آتی ہے تو آپ نے فرمایا کہ تجھے ایسے بت سے حیا مانع ہے جو نہ دیکھتا ہے نہ سنتا ہے اور نہ کسی کے نفع و نقصان کا مالک ہے تو مجھے بھی اس مالک سے حیا آتی ہے جو دیکھتا ہے اور سنتا ہے اور ہر نفع و نقصان کا مالک ہے۔

علامہ محسن فیض کاشانی اعلیٰ اللہ مقامہ نے تفسیر صافی میں عصمت حضرت یوسفؑ پر جو ایک مختصر نوٹ لکھا ہے نہایت جامع اور متین ہے۔ اُسے افادہ کے لئے نقل کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ وہ فرماتے ہیں۔ عامۃ کو خدا رسوا کرے انہوں نے حضرت یوسفؑ کی طرف اس مقام پر ایسی باتیں منسوب کی ہیں اور ایسی روایات بنا کر پیش کی ہیں جن کو نقل کرنا مومن کی شان سے بعید ہے چہ جائیکہ ان کو عقیدہ کی اساس قرار دیا جائے۔ اور اس بارے میں جو بہترین اور فیصلہ کن قول ہے وہ یہ ہے کہ یوسفؑ کے واقعہ کا جن جن افراد سے تعلق ہے وہ یہ ہیں (۱) خود یوسفؑ (۲) زلیخا (۳) زلیخا کا شوہر عزیز مصر (۴) مشہر کی عورتیں جن کو زلیخا نے دعوت دیکر بلایا (۵) گواہ (۶) خود ذات پروردگار (۷) ابلیس۔

اور ان سات افراد میں سے ہر ایک یوسف کی عصمت برأت اور پاکدامنی کا قائل ہے۔

(۱) حضرت یوسف کا صاف اعلان ہے *هِيَ ذَاوَدَ ثِيْبِي عَن نَّفْسِي* (اُس عورت نے ہی میری طرف بُرا اقدام کیا ہے) *رَبِّ السَّجْنِ أَحَبُّ إِلَيَّ مِمَّا يَدْعُونَنِي إِلَيْهِ*۔ اے پروردگار مجھے قید محبوب ہے اس سے جس کی طرف یہ عورتیں مجھے بلاتی ہیں نیز اس سے قبل یوسف کا قول گذر چکا ہے۔ *مَعَاذَ اللَّهِ إِنَّهُ رَبِّي أَحْسَنَ مَثْوَايَ إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الظَّالِمُونَ*۔ یعنی پناہ بخدا تحقیق وہ میرا رب ہے جس نے مجھے اچھا ٹھکانا عطا فرمایا۔ تحقیق ظالم لوگوں کے لئے فلاح و رستگاری نہیں ہے) یہ اعلانات حضرت یوسف کی برأت کا اپنی طرف سے بانگِ دہل اعلان کی حیثیت رکھتے ہیں (۲) آیت نمبر ۳۲ اور ۵۱ میں زلیخا کا اعتراف ہے کہ میں نے ہی یوسف کو فعلِ بد کی دعوت دی لیکن وہ محفوظ رہے (۳) آیت نمبر ۲۸ میں عزیز مصر کا صاف اعتراف ہے کہ عورتوں سے مخاطب ہو کر اس نے کہا *إِنَّهُ مِنِّي كَيْدِي كُنْتُ تَحْقِيقُ* یہ تمہارا مکرو فریب ہے اور تمہارا مکرو بہت بڑا ہے۔ اور عورت سے کہا کہ اپنے گناہ کی معافی مانگ تحقیق تو ہی خطا کار ہے (۴) شہر کی مدعوہ عورتوں نے بھی صاف لفظوں میں کہا *مَا عَلَّمْنَا عَلَيْهِ مِن سُوءٍ* ہم نے یوسف کے دامن پر بُرائی کا داغ نہیں دیکھا (اور زلیخا کے متعلق ان کے الفاظ یہ ہیں *إِنَّا لَنَرَاهَا فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ*) ہم اس کو صاف اور واضح گمراہی میں دیکھتے ہیں (۵) گواہ نے صاف طور پر کہا کہ اگر حضرت یوسف کی قمیص سامنے کی طرف سے پھٹی ہے تو عورت سچی اور یوسف جھوٹا ہے لیکن اگر اس کی قمیص پیچھے سے پھٹی ہوئی ہے تو عورت جھوٹی اور حضرت یوسف سچے ہیں اور نام لے کر حضرت یوسف کی پاکدامنی کی گواہی سے اس انداز میں گواہی دینا زیادہ موثر ہے کیونکہ اس میں دعویٰ و دلیل کے ساتھ موجود ہے جو نفوس کے لئے زیادہ قابل قبول ہے (۶) اللہ کا صاف اعلان ہے *لَنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوءَ وَالْفَحْشَاءَ إِنَّهُ مِن عِبَادِنَا الْمُخْلَصِينَ* (تاکہ ہم اس سے خیانت اور بدکاری کو دور رکھیں۔ تحقیق وہ ہمارے مخلص بندوں سے تھا) (۷) ابلیس کا ایک مقام پر صاف اعلان ہے *لَا غُورِيْنَ هُمْ أَجْمَعِينَ الْعِبَادَ لَكَ مِنْهُمْ الْمُخْلَصِينَ* (یعنی میں اولادِ آدم کو ضرور گمراہ کروں گا لیکن تیرے مخلص بندے میرے دام سے بچ جائیں گے) گویا اس نے اعتراف کیا کہ اللہ کے مخلص بندوں کو میں گمراہ نہیں کر سکتا اور خدا نے اعلان فرمایا ہے *إِنَّهُ مِن عِبَادِنَا الْمُخْلَصِينَ*۔ تحقیق یوسف ہمارا مخلص بندہ ہے تو صغریٰ و کبریٰ کو ملا کر نتیجہ یہی نکلا کہ ابلیس یوسف کی پاکدامنی اور پاکبازی کا معترف ہے۔ جیسا کہ دلالت الترامی سے صاف واضح ہے۔ یہاں پہنچ کر یوسف کے دامنِ عصمت پر بُرائی کا کچھ اچھا لہنے والوں سے ہم دو ٹوک بات کرتے ہیں کہ اولاً تو واقعہ سے متعلق افراد سب کے سب جب یوسف کی عصمت کے موید و معترف و معلن ہیں تو عقل و انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ اسی پر اکتفا کر کے مزید ثبوت طلب کرنے سے گریزاں ہو کر عصمتِ یوسف پر ایمان کو استوار کر لو۔ اور ثانیاً یہ کہ اگر اللہ کو خوش کرنا ہے تو اللہ کی بات مان لو کہ وہ مخلص تھے۔ اور اگر شیطان کی اتباع کرنی ہے تو شیطان کی بات مان لو کہ وہ پاکدامن تھے۔ انتہی۔

تعجب کی بات ہے کہ جس کو اللہ بھی مخلص کہے اور ابلیس بھی پاکدامن سمجھے لیکن بائیں سہمہ اسلام کا دعویٰ کرنے والے ایک

إِنَّهُ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِينَ ﴿۲۴﴾ وَاسْتَبَقَا الْبَابَ وَقَدَّتْ قَمِيصَهُ مِنْ

تحقیق وہ ہمارے برگزیدہ بندوں سے تھا اور دروازے کی طرف بڑھے اور بھاڑ دی زلیخا نے اس کی قمیص پیچھے

دَبْرًا وَالْفِيَا سَيْدَهَا لَدَا الْبَابِ طَقَالَتْ مَا جَزَاءُ مَنْ أَرَادَ بِأَهْلِكَ

سے اور دونوں اُس زلیخا کے شوہر کو دروازہ پر موجود پایا کہنے لگی جو شخص تیری اہل کے ساتھ بُرائی کا ارادہ کرے اس کی نزل

سُوءًا إِلَّا أَنْ يَسْجَنَ أَوْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۲۵﴾ قَالَ هِيَ رَأَوْ دَتْنِي عَنْ

سوائے اس کے نہیں کہ قید کر دیا جائے یا اس کو جہانمی دردناک سزا دی جائے (یوسف نے) کہا خود اسی عورت نے مجھے اپنی

لَفْسِي وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ أَهْلِهَا جَإِنْ كَانَ قَمِيصَهُ قُدَّ مِنْ قُبُلٍ

خواہش کے لئے بلانے کی کوشش کی ہے اور اسی عورت کے خاندان کے بچے نے گواہی دی کہ اگر اس (یوسف) کی قمیص آگے سے پھیلتی ہو

فَصَدَقَتْ وَهُوَ مِنَ الْكٰذِبِينَ ﴿۲۶﴾ وَإِنْ كَانَ قَمِيصُهُ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ

تو یہ سچی ہے اور وہ جھوٹا ہے اور اگر اس کی قمیص پیچھے سے پھیلتی ہو تو یہ

تیسری راہ نکالنے پر مصر میں اور عصمت انبیاء کے واسن کو بُرائی کے پھینڈوں سے ملوث دیکھنے پر رضامند ہوں۔ اعاذ باللہ
وَاسْتَبَقَا۔ یعنی دونوں یوسف اور زلیخا اور واژہ کی طرف بھاگے۔ یوسف گلو خلاصی کے لئے اور زلیخا اس کو پھینسانے اور دروازہ
بند کرنے کے لئے۔

قَدَّتْ۔ قدر اور قط میں یہ فرق ہے کہ طول میں پھاڑنے اور چیرنے کو قد کہا جاتا ہے اور عرض سے پھاڑنے کو قط سے تعبیر کیا جاتا
ہے۔ چنانچہ شجاعت حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام کے متعلق صحیح البیان میں مروی ہے کانت ضروباً بن علی بن ابی طالب
ابکاراً کان اذا اعتلى قدوا اذا اعترضه قط۔ یعنی علی کی ضربیں نئی نروٹی ہوا کرتی تھیں جب اُپر سے وار کرتے تھے تو
سر سے قدم تک چیر دیتے تھے اور جب ایک جانب سے وار کرتے تھے تو اپنے حریف کو دو حصوں میں کاٹ دیتے تھے۔ اس
مقام پر یعنی یہ ہے کہ زلیخا نے یوسف کی قمیص کو پیچھے سے پکڑ کر چیر دیا تھا۔ کہتے ہیں سامنے سے دروازے کھلے تھے اور بعض کہتے
ہیں بند تھے اور ہر دروازہ پر پہنچ کر انہیں کھولنا پڑتا تھا۔ اسی لئے وہ پیچھے سے آکر پکڑنے اور قمیص پھاڑنے میں کامیاب ہوئی۔
قَالَتْ مَا جَزَاءُ مَنْ أَرَادَ بِأَهْلِكَ بہاتے ہوئے کہنے لگی دیکھو یوسف نے میری تنگ حرمت کی ہے اور سبقت اس لئے کی تاکہ اس کی فریب کاری کا پردہ قائم
رہے پس مظلومانہ حیثیت سے پیش آئی اور یوسف کو مدعا علیہ قرار دے دیا۔ اور ہوشیار ظالم اسی طرح اپنے میں مظلوم ظاہر
کر کے مطلب نکالا کرتے ہیں۔ اسی مقام سے بعض علماء نے استدلال کیا ہے کہ زلیخا کی محبت یوسف سے شہوانی و فحش محبت

فَكَذَّبَتْ وَهِيَ اَوْ رَدَّتْ سَطْرًا ۝ فَلَمَّا رَاى قَيْصِدَهُ قَدَّمِن دُبُرِ قَالَ

جھوٹی ہے اور وہ سچا ہے . جب دیکھا کہ اس کی قمیص پیچھے سے پھٹی ہے تو عرض کیا

اِنَّهُ مِنْ كَيْدِ كُنَّ طَرَانٍ كَيْدِ كُنَّ عَظِيْمًا ۝ يُوْسُفُ اَعْرِضْ عَنْ هَذَا

کہنے لگا یہ تمہارا فریب ہے اور تحقیق تمہارا فریب بڑا ہے اسے یوسف اس سے درگزر کر دیکھ عورت کو

وَاسْتَغْفِرْ لِيْ ذَنْبِكِ اِنَّكَ كُنْتِ مِنَ الْخَاطِئِيْنَ ۝ وَقَالَ نِسْوَةٌ

خطاب کر کے کہا، اپنی غلطی کی معافی مانگ تحقیق تو خطا کاروں میں سے ہے اور شہر کی عورتوں نے

تھی سچی محبت نہ تھی درنہ اپنے محبوب کے لئے قید یا سزا کی تجویز نہ پیش کرتی کیونکہ جو سچے محب ہوتے ہیں وہ اپنے محبوب کو ہر مصیبت سے بچانے کی کوشش میں اپنے نفس کو ڈھال بنا کر مصائب کا نشانہ بنا دیا کرتے ہیں۔ جب عورت نے رپوٹ کر لی تو حضرت یوسف نے اپنے دامن کی پاکیزگی کے لئے یہ بیان دیا کہ جس غلطی کی نسبت یہ عورت میری طرف دے رہی ہے غلط ہے حقیقت یہ ہے کہ ہئی ذَاوَدَ ثَنِيْ - اُس نے خود مجھے چھیڑا ہے اور میں اپنی جان بچا کر بھاگ آیا ہوں۔

شَهِدَ شَآهِدًا - یوسف وزلیخا کے متذکرہ مقدمہ میں ایک بچے نے یوسف کی عصمت کی گواہی دی۔ اور وہ بچہ کہتے ہیں زلیخا کا بھانجا تھا جس کی عمر تین ماہ تھی۔ تفسیر صافی میں بروایت قمی حضرت صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ حضرت یوسف نے عزیز مصر سے کہا کہ بھولے میں جو بچہ ہے وہ خود میری صداقت کی گواہی دے گا۔ چنانچہ جب عزیز مصر اس بچے کی جانب متوجہ ہوا تو وہ بچہ باذن پروردگار بول اٹھا اور گواہی کے الفاظ وہی ہیں جو قرآن مجید میں موجود ہیں جو صرف شہادت نہیں بلکہ دلیل و برہان ہے کہ اگر یوسف تصور وار ہوتا تو زلیخا سامنے سے اس کا دفاع کرتی پس یوسف کی قمیص سامنے سے پھٹی ہوئی ہوتی لیکن قمیص کا پیچھے سے پھٹا ہوا ہونا اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ یوسف جان چھڑانے کے لئے بھگ گنا چاہتے تھے۔ اور زلیخا نے پیچھے سے اس کو کھینچنا چاہا جس کی وجہ سے اس کی قمیص پھٹ گئی لہذا غلطی زلیخا سے ہے نہ کہ یوسف سے۔

يُوْسُفُ اَعْرِضْ عَنْ هَذَا - یا تو یہ عزیز مصر کا مقولہ ہے کہ یوسف کو صبر و ضبط کی تلقین کی کہ اس بات کو آگے نہ بڑھائیے۔ اور اس سے درگزر کیجئے اور یا اس بچے کا قول ہے جس نے گواہی دی کہ اے یوسف آپ کی پاکدامنی ظاہر ہو چکی ہے بس اس قصہ کو یہیں رہنے دیجئے اور آگے نہ بڑھائیے۔ اور پھر عورت کی طرف پلٹ کر کہا تو اپنے گناہ کی اپنے شوہر سے یا پروردگار سے معافی مانگ کیونکہ تو ہی خطا کار ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ گواہی دینے والا بچہ نہیں تھا بلکہ زلیخا کا چچا زاد تھا جو دروازہ پر عزیز مصر کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا پس اُس نے مذکورہ دلائل سے یوسف کی برأت ثابت کی۔ اور حضرت یوسف سے التبا کی گئی کہ اس بات کو ہوا نہ دیجئے بلکہ ختم کر دیجئے تاہم یہ خبر اسی وقت روئی کی آگ کی طرح پورے شہر میں پھیل گئی۔

فِي الْمَدِينَةِ امْرَأَتُ الْعَزِيزِ تُرَاوِدُ فَتَاهَا عَن نَّفْسِهِ جَدًّا قَدْ شَغَفَهَا حُبًّا ^ط

کہا کہ عزیز کی عورت اپنے غلام کو اپنے ساتھ بدکاری کی دعوت دیتی ہے تحقیق اس کے دل پر اس کی محبت چھا گئی ہے

إِنَّا لَنُرَاهَا فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ﴿٣٠﴾ فَلَمَّا سَمِعَتْ بِمَكْرِهِنَّ أَرْسَلَتْ

ہم اس کو صاف طور پر گمراہ سمجھتی ہیں تو اس نے ان کی یہ چال سنی تو ان کو دعوت دے کر بلا لیا اور ان

إِلَيْهِنَّ وَأَعْتَدَتْ لَهُنَّ مَتَكًا وَآتَتْ كُلَّ وَاحِدَةٍ مِّنْهُنَّ سِكِّينًا

کے لئے کھانے کا انتظام کیا اور دے دی ہر ایک کو ان میں سے ایک ایک چھری

وَقَالَتِ اِخْرُجْ عَلَيْنَ فَمَا رَأَيْنَهُ أَكْبَرُ لَهُ وَقَطَّعْنَ

اور یوسف سے، کہا نکل آؤ ان کے سامنے پس جب انہوں نے اسے کو دیکھا تو اسکی عظمت دیکھ کر مان گئیں اور

مِنَ الْخَاطِئِينَ ضَلَّ - خَطَاٌ اور اَخْطَاٌ میں یہ فرق ہے کہ عمدی غلطی کے لئے خَطَاٌ ثلاثی مجرد استعمال ہوتا ہے اور سہمی غلطی

کے لئے اَخْطَاٌ باب افعال استعمال ہوتا ہے۔ اسی بنا پر مجتہد کو مجتہد خاطر نہیں کہا جاتا بلکہ مجتہد غلطی کہا جاتا ہے جب کہ اس کا فتویٰ

خلات واقع ہو۔ (رکوع ۱۱)

قَدْ شَغَفَهَا - شغاف سے ہے جس کا معنی ہے دل کا پروہ اور جفا تیز واقع ہے۔ اور معنی یہ ہے کہ حضرت یوسف کی محبت نے

اس کے دل کے پرووں کو چیر کر اُس میں پوری طرح تسلط کر لیا ہے۔ اور تفسیر مجمع البیان میں اہل بیت علیہم السلام کی قرأت

تَمَغَفَهَا منقول ہے اور اس کا معنی محبت میں مبالغہ ظاہر کرنا ہے کہ وہ یوسف کی محبت میں دوز تک پہنچ گئی یا یہ کہ اس کی

محبت نے اس کے دل کو جلا دیا۔

بِمَكْرِهِنَّ - مکر ایسی بات کو کہتے ہیں جس کا ظاہر کچھ اور باطن میں کچھ اور مراد ہو۔ شہر کی عورتوں کے طعنہ کو مکر اس لئے

کہا کہ اگرچہ ظاہر کے لحاظ سے زلیخا کو طعنہ دے کر اپنی خودداری کو جلا رہی تھیں لیکن اندرونی طور پر مقصد یہ تھا کہ زلیخا غصہ میں آ

کر کوئی ایسا اقدام کرے جس کی بدولت ہمیں بھی کسی طرح یوسف کا دیدار ہو جائے۔

مَتَّكَاءَ - لعیف مفروق وکی سے باب افتعال کا طرف کا صیغہ ہے اور یہاں تکیہ مراد ہے اور کھانے سے کنایہ کیا گیا ہے

کیونکہ جن کو کھانے پر مدعو کیا جاتا ہے آرام سے بیٹھنے کے لئے ان کو تکیہ دیا جاتا ہے۔ اور چونکہ کھانے میں میوہ جات اور

پھل شامل تھے جن کو کاٹنے کی ضرورت ہو کرتی ہے پس ہر ایک ہجان عورت کے سامنے اُس نے ایک ایک چھری رکھ دی تھی۔

قَالَتِ اِخْرُجْ - خلاصہ یہ کہ شہر کی عورتوں نے یوسف و زلیخا کی داستان سن کر واویلا کیا اور زلیخا پر زبان طعن کھولی تو زلیخا نے شہر کی

تمام امیر زالیوں کو کھانے پر اپنے ہاں مدعو کر لیا۔ جن کی تعداد بروایت مجمع البیان چالیس تھی۔ بس کھانا دسترخوان پر رکھا اور میوہ جات

أَيْدِيَهُنَّ وَقُلْنَ حَاشَ لِلَّهِ مَا هَذَا بَشَرًا إِنْ هَذَا إِلَّا مَلَكٌ

اپنے ہاتھ جو حیرت ہو کہ کاٹ ڈالے اور کہا معاذ اللہ یہ بشر نہیں بلکہ یہ تو کوئی باکراست فرشتہ

كَرِيمٌ ﴿۳۱﴾ قَالَتْ فذَٰلِكَ الَّذِي كُنتُنِي فِيهِ وَلَقَدْ رَاودَنِي

ہے (زیلخانے) کہا بس یہی تروہ ہے جس کے بارے میں تم نے مجھے طعنہ دیا اور واقعی میں نے ہی اس کو اپنی

عَنْ نَفْسِي فَاسْتَعْصَمْتُ وَلِئِن لَّمْ يَفْعَلْ مَا امْرَأَةٌ يُسَيِّئُ وَلِيَكُونَ

طرف دعوت دی جو اُس نے ٹھکرا دی اور اگر میری خواہش کے لئے میرا حکم نہ مانے گا تو ضرور قید کیا جائے گا اور

بھی لا کر آگے رکھ دئے پھر ایک ایک چھری بھی ہر ایک کے سامنے رکھ دی۔ اور اصران کو کھانے کا حکم دیا اور اصرہ یوسف کو جو الگ کرہ میں بیٹھے تھے اُن کے سامنے آنے کے لئے بلایا۔ چونکہ ظاہری صورت میں وہ زر خرید غلام تھے لہذا تعمیل حکم میں مجبور تھے۔

اَكْبَرُونَ؛ جب آپ عورتوں کے سامنے تشریف لائے اور اُن کی نگاہ پڑی تو ان کے چہرہ نورانی جو مظہر جمال خداوندی تھا کے دیدار کی تاب نہ لا کر دریاے حیرت میں ڈوب گئیں حتیٰ کہ اپنے آپ سے غافل ہو گئیں چھری جو اپنے ہاتھوں میں پکڑے ہوئے تھیں اس قدر کھو گئیں کہ اس سے اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے اور متوجہ نہ ہوئیں کہ ہاتھ کٹا ہے یا پھل۔

اَكْبَرُونَ کا معنی ہے کہ ان کی نظروں میں یوسف کا حسن اس قدر عظیم تھا کہ وہ آپ سے باہر ہو گئیں اور بعض نے کہا ہے اس کا ترجمہ ہے کہ اُن کو اسی وقت حیض جاری ہو گیا۔

حَاشَا لِلَّهِ۔ بعضوں نے اس کو استثنا کا کلمہ قرار دیا ہے۔ یعنی حضرت یوسف کی بشریت کا انکار کر دیا اور انہیں صنعت بشر سے مستثنیٰ قرار دے کر کہنے لگیں یہ تو کوئی معزز فرشتہ ہے۔ اور بعضوں نے اس کی تردید کی ہے کیونکہ لام حرف جر ہے اور

حرف پر داخل نہیں ہو سکتا لہذا حاش فعل ماضی کا صیغہ ہے حَاشِيٌّ يُحَاشِيٌّ مَحَاشَاً سے اور اس کا معنی دوری ہے مقصد یہ کہ حضرت یوسف اس اہتمام و الزام سے دور اور بری الذمہ ہیں جس کی اُن کی طرف نسبت دی گئی ہے۔ لَئِنْ یعنی رضائے رزگار

کے لئے یہی یوسف سے ناشائستہ افعال کا صدور غلط اور بے بنیاد الزام ہے۔ کیونکہ ان کا چہرہ جس پر جمال الہی کا پر تو ہے اور اُن کا وقار جو مظہر جلال ایزدی ہے وہ مانع ہے کہ ان سے عام انسانی و بشری شہوانی و نفسی اور جذباتی و حیوانی افعال کا صدور ہو بلکہ وہ تو سیرت و صورت میں ایک معزز و مقتدر فرشتہ معلوم ہوتا ہے۔

تفسیر مجمع البیان میں بروایت البوسید خذری حضرت رسالت مآب سے منقول ہے کہ میں نے دوسرے آسمان پر ایک شخص کو دیکھا جو حسن و جمال میں چودھویں کے چاند کی مانند تھا۔ میں نے جبریل سے دریافت کیا تو اُس نے بتایا کہ یہ یوسف ہے۔ عورتوں کا حضرت یوسف سے بشریت کی نفی کر کے ملک کریم کہنا اس بات کی دلیل نہیں بن سکتا کہ فرشتے انبیاء سے افضل

ہوا کرتے ہیں۔ جیسا کہ بعض نااہل لوگوں کا شبہا ہوا ہے۔ کیونکہ عورتوں نے الزامات و اتہامات سے حضرت یوسف کی

مِنَ الصَّغِيرِينَ ﴿۳۲﴾ قَالَ رَبِّ السِّجْنُ أَحَبُّ إِلَيَّ مِمَّا يَدْعُونَنِي إِلَيْهِ

ذلیل ہو گا کہا یوسف نے، اے رب مجھے قید محبوب ہے جس کی طرف مجھے یہ بلاتی ہیں اور

وَالَا تَصْرَفُ عَنِّي كَيْدَهُنَّ أَصْبُ إِلَيْهِنَّ وَأَكُنُّ مِنَ الْجَاهِلِينَ ﴿۳۳﴾

اگر تو نہ پھیرے مجھ سے ان کا مکر تو میں ان کی طرف جھک جاؤں گا اور جاہلوں سے ہو جاؤں گا

فَأَسْتَجَابَ لَهُ رَبُّهُ فَصَرَفَ عَنْهُ كَيْدَهُنَّ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ

پس اس کی دعا قبول کی اس کے رب نے پس پھیر دیا اس سے عورتوں کے مکر کو تحقیق وہ سننے جاننے والا

الْعَلِيمُ ﴿۳۴﴾ ثُمَّ بَدَأَ الهمُّ مِنْ بَعْدِ مَا رَأَوْا آيَاتِ لَيْسَ جَنَّةٍ حَتَّىٰ

ہے پھر ان کو خیال آیا بعد اس کے کہ دیکھ چکے نشانیاں یوسف کی پاکدامنی کی، کہ اس کو ایک وقت تک ضرور

پاک دامنی بیان کرنے کے لئے یہ الفاظ کہے ہیں کہ وہ ان آلائشات سے منزہ ہیں۔ جن میں عام انسان و بشر ملوث ہو کرتے ہیں بلکہ یہ تو فرشتہ سیرت انسان ہیں بلکہ اگر وقت نظر سے دیکھا جائے تو اس میں انسان کی ملک سے افضلیت ثابت ہوتی ہے کیونکہ فرشتے آلائشاتِ مادیہ سے الگ ہو کر برائی کا ارتکاب نہیں کرتے اور انسان باوجود جسمانی عوائل اور مادی علائق کے اگر برائی سے دور رہے تو وہ یقیناً فرشتوں سے افضل ہے اور اسی بنا پر عورتوں کے تعجب کی حد نہ رہی کہ ظاہری صورت میں بشر ہونے کے باوجود سیرت کے لحاظ سے یہ بشر نہیں بلکہ فرشتہ خصلت ہے۔ اور ہم نے ملحقہ الانوار میں اس مطلب کو زیادہ واضح کیا ہے۔

قَالَتْ:۔ جب شہر کی محذرات یوسف کے حسن و عظمت کی قائل ہو گئیں۔ اور انہوں نے اہتمام و بہتان کو بھی بے سرو پا قرار دیدیا تو زلیخا کہنے لگی یہی وہ نوجوان ہے جس کے متعلق تم نے مجھے طعنہ دیا ہے۔ اور واقعی اس کا کوئی قصور نہیں ہے۔ میں نے اس کو بدکاری کے لئے دعوت دی تھی لیکن اس نے قبول نہیں کی تم جب ایک دیدار میں اپنا آپ کھو چکی ہو۔ حتیٰ کہ اپنے ہاتھ کاٹنے کے بعد بھی اس کے حسن و جمال نے تمہیں تکلیف و درد سے بے خبر رکھا ہے تو اندازہ کرو میں تو صبح و شام اس کے حسن و جمال کا دیدار کرتی ہوں۔ پھر اس اقدام میں مجھے ملامت کیوں کرتی ہو؟ جب حضرت یوسف نے زلیخا کا یہ ارادہ دیکھا تو دعا مانگی قَالَ رَبِّ:۔ اے پروردگار مجھے اس آزادی سے جس میں مجھے زنا کی دعوت دی جائے قید بہتر ہے۔

يَدْعُونَنِي:۔ یہ لفظ ظاہر کرتے ہیں کہ زلیخا کے دسترخوان پر حاضر ہونے والی محذرات بھی یوسف کے عشق میں کھو گئیں اور انہوں نے بھی یوسف سے وہی مطالبہ کیا جو زلیخا نے کیا تھا۔

أَصْبُ صَبًّا يَضْبُو مَائِلٌ هُوَ نَاصِلٌ فِيهِ أَصْبُو تَحْتَا۔ شرط کی جزا واقع ہونے سے مجزوم ہے اور اس کی جزم حذف لام

حِينَ ۳۵ وَدَخَلَ مَعَهُ السِّجْنَ فَتَيْنِ ۖ قَالَ أَحَدُهُمَا إِنِّي أَرِيتُ

قید کر دیا جائے اور داخل ہوئے اس کے ساتھ قید خانہ میں دو جوان ایک نے کہا میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ شراب

أَعَصِرُ خَمْرًا ۖ وَقَالَ الْآخَرُ إِنِّي أَرِيتُ أَحْمِلُ فَوْقَ رَأْسِي خُبْرًا

کشید کر رہا ہوں اور دوسرے نے کہا میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ اپنے سر پر روٹی اٹھائے ہوئے ہوں کہ

سے ہے۔

اَكُنُّ مِنَ الْجَاهِلِينَ۔ یہ لفظ ظاہر کرتے ہیں کہ جو عالم اپنے مقصدانے علم پر عمل نہ کرے اُسے جاہل کہنا درست ہے۔ مروی ہے کہ شام ہوئی تو تمام مدعوہ عورتوں کی جانب سے حضرت یوسف کو سفیانات پہنچے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ ہر عورت نے زینجا کی سفارش کی۔ بہر کیف حضرت یوسف نے عصمت کا وقار اسی میں سمجھا۔ اور اپنے لئے قید کی دُعا مانگی جو مقبول ہوئی۔

بَدَّ اللَّهُ۔ اگرچہ ظاہری لحاظ سے حضرت یوسف بری الذمہ ثابت ہو گئے۔ بچہ کی گواہی اور قیص کا پیچھے سے پھینکا۔ یہ ایسے قرآن تھے جن کی عقل سلیم کے نزدیک تردید ناممکن تھی لیکن بدنامی کو رفع کرنے کے لئے زینجانے یوسف کو قید کرنا ہی دیا۔ مدت قید، برس یا ۵ برس ہے۔ تفسیر برہان میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے ۱۸ برس مدت قید منقول ہے۔

وَدَخَلَ مَعَهُ۔ خلاصۃ الکلام حضرت یوسف کے لئے قید کا فیصلہ ہوا اور قید خانہ میں ان کو بھیج دیا گیا۔ اور ان کے ساتھ قید خانہ میں دو اور جوان بھی بھیجے گئے۔ کہتے ہیں

رکوع نمبر ۱۵۔ زندان مصر میں

یہ دونوں بادشاہ وقت یعنی فرعون مصر ولید بن ریان کے مخصوص نوکر تھے۔ ایک بیرا تھا اور دوسرا شراب کشید کرنے اور پلانے پر مامور (ساتی تھا) خفیہ نے بادشاہ کو رپورٹ کی کہ بیرا کھانے میں زہر ملا کہ تمہیں قتل کرنے کے ورپے ہے۔ اور دوسرے کے متعلق اس سازش میں شریک ہونے کا شبہ تھا۔ پس مقدمہ زیر سماعت تھا اور ان کو تاحکم ثانی جیل میں بھیجا گیا تھا۔ حضرت یوسف نے زندان میں پہنچتے ہی اعلان کر دیا کہ میں خوابوں کی تعبیروں کا علم رکھتا ہوں۔ ابن سعود کی تفسیر کے مطابق دوسرے دونوں قیدیوں نے باہمی مشورہ کیا کہ یوسف کے دعوے کو آزمانا چاہیے۔ پس انہوں نے اپنے اپنے خواب گھڑے اور حضرت یوسف سے جا کر تعبیر طلب کرنے لگے۔ لیکن تفسیر قمی کی روایت کے مطابق معصومین علیہم السلام سے مروی ہے کہ بیرے کا خواب من گھڑت تھا اور دوسرے کا خواب سچا تھا۔

ساتی نے یہ بیان کیا کہ میں نے خواب میں ایک بیل پر تین غوشے انگوروں کے دیکھے ہیں۔ پس میں نے ان کو توڑا۔ اور ان کا شربت کشید کر کے بادشاہ کی خدمت میں پیش کیا۔ پس آیت میں أَعَصِرُ خَمْرًا کا معنی شراب کو نچوڑنا نہیں بلکہ أَعَصِرُ عِنَبَ خَمْرٍ ہے۔ یعنی مضاف محذوف ہے اور معنی ہے کہ میں خواب میں شراب کشید کرنے کے لئے

تَاكُلُ الطَّيْرُ مِنْهُ طَبَيُّنًا بِتَاوِيلِهِ ۚ اِنَّا نَرٰكَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۳۶﴾

اس سے پرندے کھاتے ہیں اس کی تعبیر سے آگاہ کیجئے تحقیق ہم آپ کو احسان شمار سمجھتے ہیں

قَالَ لَا يَأْتِيكُمَا طَعَامٌ تُرْزَقُنِيْهِ اِلَّا نَبَاً تُكْمَلُنَا بِتَاوِيلِهِ قَبْلَ اَنْ

فرمایا نہیں آئے گا تمہارے پاس کھانا جو تمہیں بھیجا جائے مگر یہ کہ میں اس کی صفت تم کو بتا دوں گا اس کے پہنچنے سے

يَأْتِيكُمَا ذٰلِكَ اِمَّا عَلَمِنِيْ رَبِّيْ ۗ اِنِّيْ تَرَكْتُ مِلَّةَ قَوْمٍ لَا

پہلے یہ چیز اس علم سے ہے جو مجھے اپنے رب نے عطا کی ہے تحقیق میں نے اس قوم کا دین ترک کیا ہے

انگوروں کو پھوڑ رہا ہوں۔ میرے نے بیان کیا کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میرے سر پر تین طبق ہیں جن میں قسم قسم کے کھانے موجود ہیں اور گوشت خور پرندے اس سے نوح نوح کر کھا رہے ہیں۔

مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ - تفسیر مجمع البیان میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے۔ محسن کی تین نشانیاں ہیں (۱) اگر ساتھی کی جگہ تنگ ہو تو اس کے لئے جگہ کھلی کر دے (۲) اگر محتاج ہو تو اس کی اعانت کرے (۳) اگر بیمار ہو تو اس کی تیمارداری کرے اور بعضوں نے کہا ہے مظلوم کی مدد کرنا کر دوسری دستگیری کرنا اور بیمار کی عیادت کرنا محسن کی نشانیاں ہیں۔ ہم خواب کی حقیقت پہلے بیان کر چکے ہیں۔ اور انبیاء کی وحی کے اقسام میں سے ایک قسم خواب بھی ہے۔ اس مقام پر ان کا کہنا کہ ہم آپ کو محسنین میں سے سمجھتے ہیں۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ آپ افعال حسنہ و اوصاف حمیدہ کے مالک ہیں۔ اس لئے ہمیں توقع ہے کہ تعبیر خواب میں غلط بیانی نہیں کریں گے یا یہ مطلب ہے کہ آپ ہمیں خواب کی تعبیر بتادیں۔ یہ آپ کا ہم پر احسان ہوگا۔

قَالَ لَا يَأْتِيكُمَا: اس کے دو ترجمے ہو سکتے ہیں (۱) تمہیں عالم خواب میں اگر کوئی کھانا کھلایا جائے تو میں تم کو اس کی تعبیر بھی بتا سکتا ہوں۔ قبل اس کے کہ وہ تعبیر ظاہر میں کھلے (۲) تعبیر خواب تو بجائے خود اگر تمہارے پاس کہیں سے کھانا بھیجا جائے تو میں اس کی جملہ اوصاف و کیفیات تم پر واضح کر سکتا ہوں قبل اس کے کہ وہ تم تک پہنچے اور یہ سب کچھ میرے اوپر اللہ کا عطیہ ہے۔

بعضوں نے کہا ہے کہ چونکہ تعبیر دریافت کرنے والے دو شخصوں میں سے ایک کی تعبیر موت کی پیشینگوئی تھی لہذا اس کی دل شکنی سے گریز کرتے ہوئے کلام کا رخ حضرت یوسف نے دوسری طرف پھیر دیا اور فروری طور پر ان کے خواب کی تعبیر کو بیان نہ کیا لیکن ربط آیات و سلاست بیان کا جہاں تک تعلق ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یوسف نے جب ان دو شخصوں کو اپنی جانب متوجہ پایا تو ان پر اتمام حجت کرنا ضروری سمجھا اور حجت خدا کا یہی کام ہے کہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے لئے موقع و محل کی تاظر رکھیں۔ کیونکہ نامناسب اوقات میں

طریق تبلیغ

يَوْمَنُونَ بِاللَّهِ وَهُمْ بِالْآخِرَةِ هُمْ كَافِرُونَ ﴿۳۷﴾ وَاتَّبَعَتْ مَلَآئِكَةُ

جو اللہ پر ایمان نہیں رکھتے اور کافر ہیں اور میں نے اتباع کی ہے اس میں

أَبَايَ إِبْرَاهِيمَ وَاسْحَقَ وَيَعْقُوبَ ط مَا كَانَ لَنَا أَنْ نَشْرِكَ بِاللَّهِ

کی جو میرے باپ دادا ابراہیم واسحق و یعقوب کا ہے ہمیں نہ انہیں کہ اللہ کا شریک کریں کسی

مِنْ شَيْءٍ ط ذَلِكَ مِنْ فَضْلِ اللَّهِ عَلَيْنَا وَعَلَى النَّاسِ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ

شے کو یہ اللہ کا فضل ہے ہم پر اور لوگوں پر بھی لیکن اکثر لوگ

تبلیغ بے معنی و بے سود ہونے کے علاوہ بعض دفعہ دوسرے نیکہ جان لیوا بن جایا کرتی ہے۔ اب چونکہ وہ دونوں خواب کی تعبیر سننے کے لئے منتظر تھے۔ لہذا اب ان کی ہر بات کو وہ توجہ سے ہی سنتے۔ پس موقع موزوں سمجھ کر پہلے اپنی حیثیت ان پر واضح کی کہ میں کون ہوں اور تعبیر خواب کا علم مجھے کس نے دیا ہے اور یہ عہدہ مجھے کیونکر ملا ہے؟ پس فرمایا یہ عطیہ پروردگار ہے۔ اس کلمہ سے ان کے اذہان کو ربوبیت و الوہیت کے اعتقاد سے آشنا کیا۔ اور اللہ پر ایمان نہ رکھنے والوں کو کافر کہا۔ اور یہ ساتھ ساتھ واضح ہو گیا کہ خدائی عطیہ کا سزاوار صرف مومن اور خدا پرست ہی ہو سکتا ہے۔ پھر اپنے سلسلہ آباء کا تذکرہ کر کے شرک سے نفرت دلائی اور اپنے عہدہ نبوت کو فضل پروردگار قرار دیا اور یہ بھی ساتھ ساتھ واضح کیا کہ بعثت نبوت جس طرح انبیاء پر نعمت پروردگار ہے۔ اسی طرح لوگوں پر بھی یہ اس کا لطف بے پایاں و فضل بے کراں ہے۔ اور چونکہ احسان کا بدلہ احسان عقلی فرضیہ ہے۔ لہذا پروردگار کے اس احسانِ عظیم و فیضِ عمیم کا شکر ادا کرنا ہی اس کے احسان کا صحیح بدلہ ہے اور اس کا شکر یہ ہے کہ اس کے انبیاء پر ایمان لایا جائے اور ان کی ہدایات کو شعلِ راہ قرار دے کر زندگی کے ہر شعبہ میں پیش قدمی کی جائے اور اس کے بعد فرمایا کہ اکثر لوگ خداوندِ عظیم کے عظیم احسانات کا شکر ادا نہیں کرتے۔ پس اس مختصر سی تقریر میں حضرت یوسف نے توحید و نبوت کی باحسن طریق و صاحت فرمائی۔ اور ان کی اتباع کو نہایت خوش اسلوبی سے باعثِ نجات ہونا بلکہ فطری ہونا ثابت کیا اور یہ وہ انداز تبلیغ ہے جو صرف حجتِ خدا ہی اختیار کر سکتا ہے پس اس تمام حجت کے بعد ان کے خوابوں کی تعبیر کی طرف متوجہ ہوئے۔

يَا صَاحِبِي السِّجْنِ - سابق بیان کو بطور تمہید پیش کرنے اور ان کے اذہان کو اپنی پُر مغز و موثر تقریر سے اپنی جانب پوری طرح متوجہ کرنے کے بعد انہیں اس لب و لہجہ میں سمجھایا کہ دیکھو تم لوگوں نے جو خدا بنا رکھے ہیں کوئی تجھ کا کوئی لکڑی کا، کوئی تانبے کا اور کوئی سٹی کا یہ متفرق بناؤں خدا نفع و نقصان کے مالک اور نہ خیر و شران کے ہاتھ میں ہے بلکہ وہ خود بنانے والے کے محتاج ہیں۔ ان کے نقائص و عیوب ایسے انداز میں بیان کئے کہ سننے والے پر بوجھ نہ ہو اور لطف یہ کہ بعد میں یہ نہ

النَّاسِ لَا يَشْكُرُونَ ﴿۳۸﴾ يَا صَاحِبِي السَّجْنَءَ أَرْبَابٌ مُتَفَرِّقُونَ

شکر نہیں ادا کرتے اے میرے دونوں زندانی ساتھیو! کیا متفرق خدا بہتر ہیں یا

خَيْرٌ أَمِ اللَّهِ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴿۳۹﴾ مَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِهِ إِلَّا

وہ اللہ جہ ایک ہے اور غالب ہے نہیں تم عبادت کرتے اس کے سوا مگر ان کی جو صرف

أَسْمَاءٌ سَمَّيْتُمُوهَا أَنْتُمْ وَآبَاؤُكُمْ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ بِهَا مِنْ

نام ہی نام ہیں جو تجویز کئے تم نے اور تمہارے باپ دادا نے کہ ان کے متعلق خدا حقیقی کی جانب سے کوئی دلیل

سُلْطٰنٍ إِنْ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ ۗ أَمْرًا أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا آيَاتِهِ ط ذَلِكَ

نہیں حکم تو صرف اللہ کے لئے ہی ہے اس نے حکم دیا ہے کہ اس کے علاوہ کسی کی عبادت نہ کرو یہ

الَّذِينَ الْقِيَمُ وَلٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۴۰﴾ يَا صَاحِبِي السَّجْنَءِ

صحیح دین ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے اے میرے دونوں زندانی ساتھیو!

فرمایا کہ ان کو چھڑ دو بلکہ احسن طریق سے ان کو عقلی بیان سے متوجہ کیا کہ دیکھو یہ متفرق خدا جو کچھ نہیں کر سکتے بلکہ محتاج ہیں۔ ان کے مقابلہ میں اس خدا کو دیکھو جو ایک ہے اور تمہارے بس خود ہی موازنہ کر لو کہ ان میں سے کون سا راستہ درست ہے۔ اور کون سا خدا سچا ہے؟ پھر باطل سے مزید نفرت دلانے کے لئے فرمایا یہ متفرق خدا جو تم نے تجویز کئے ہیں وہ تو صرف نام کی حد تک محدود ہیں۔ یعنی ان کا نام خدا ہے۔ ان میں کام کی برکت نہیں بلکہ کھوکھلا اور بے معنی ہیں۔ اور یہ نام بھی صرف تم نے تجویز کئے ہیں جن پر کوئی دلیل ناطق نہیں ہے۔ پس حق اور باطل دونوں پہلوؤں کی وضاحت کے بعد حق سے محبت اور باطل سے نفرت کی دعوت دی کہ کسی باطل کی عبادت نہ کرو بلکہ صرف اللہ ہی کی عبادت کرو۔ اور یہی لا الہ الا اللہ کا مفہوم ہے اور فرمایا کہ بس یہی صحیح دین اور محکم طریق نجات ہے۔

أَمْتًا أَحَدٌ كَمَا:۔ اتمامِ حجت اور دعوتِ دین کے بعد ان کے سوا ان کے جواب کی طرف متوجہ ہوئے۔ پہلے ساتی کے خواب کی تعبیر بیان کی کہ انگوروں کے تین خوشوں کی تعبیر یہ ہے کہ تو تین دن زندان میں رہے گا۔ چوتھے دن تیرے حق میں فیصلہ ہو جائے گا اور تجھے بری الذمہ قرار دیکر ساتھ عمدہ پر بحال کیا جائے گا۔ ان آیات میں رب سے مراد مالک یعنی بادشاہ ہے۔ اور دوسرے یعنی خالصتاً کے خواب کی تعبیر یہ ہے کہ اس کے تین طبقوں سے مراد تین دن قید خانے کے ہیں۔ اور چوتھے دن اس کے جرم کے ثبوت کے بعد اس کے لئے سزائے موت پھانسی کا حکم ہوگا پھر اس کی لاش کو پھینک دیا جائے گا۔ اور طیور وحشی اس کے دماغ کو نوچ نوچ کر کھا لیں گے۔ یہ سن کر وہ شپٹایا اور کہنے لگا میں نے

أَمَّا أَحَدُكُمْ فَتَسْفِي رِبَّهُ ذُمْرًا وَأَمَّا الْآخَرُ فَيُصَلِّبُ فَتَأْكُلُ

لیکن تم میں سے ایک تو پلائیگا اپنے مالک کو شرب اور لیکن دوسرا پس سولی دیا جائیگا پس کھائیں گے

الطَّيْرُ مِنْ رَأْسِهِ ط قَضَى الْأَمْرَ الَّذِي فِيهِ تَسْتَفْتِيَانِ ﴿٢١﴾ وَقَالَ

پرندے اس کے داغ کو فیصلہ ہو گیا اس امر کا جس کے متعلق تم دریافت کر رہے ہو اور اس سے

لِلَّذِي ظَنَّ أَنَّهُ نَاجٍ مِنْهُمَا إِذْ كُرِنِي عِنْدَ رَبِّكَ فَاسَّهَ الشَّيْطَانُ

کہا جس کے متعلق گمان تھا کہ وہ رہائی پانے والا ہے میرا ذکر کرنا اپنے مالک کے نزدیک پس بھلا دیا اس کو شیطان نے اپنے

ذَكَرَ رَبَّهُ فَلَبِثَ فِي السِّجْنِ بِضْعَ سِنِينَ ﴿٢٢﴾ ع ١٥

مالک کے پاس ذکر کرنا تو ٹھہرا (یوسف) زندان میں چند سال

تو جھوٹ بولا تھا اور حقیقت میں کوئی خواب نہیں دیکھا تھا۔ آپ نے فرمایا تو نے خواب دیکھا ہو یا نہ۔ اور تو نے سچ کہا ہو یا غلط قَضَى الْأَمْرَ جو کچھ میں نے کہا ہے وہ ہو کے رہے گا۔

ظَنَّ:۔ وہ علم جس کی جانب مخالف کا احتمال بھی ہو اُسے ظن سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اور حضرت یوسف کو علم اور ملکہ جس کی بدولت وہ تعبیر خواب بیان فرماتے تھے اللہ کا عطیہ تھا لیکن خواب سن کر اس کی تعبیر کا معین کرنا اگرچہ اسی ملکہ کے ماتحت تھا تاہم اُسے ظنتی ہی کہا جاسکتا ہے۔ اسی بنا پر خدا نے یوسف کے فیصلہ کو ظن سے تعبیر فرمایا۔ آپ نے رہائی پانے والے سے فرمایا کہ اپنے مالک سے کہنا کہ یوسف بے گناہ قید ہے۔ تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ چونکہ حضرت یوسف نے اپنی قید سے رہائی پانے کے معاملہ میں بندوں کا سہارا لیا اور مخلوق سے اپیل کی حالانکہ خدا پر توکل کر کے اُس سے دعا مانگنی چاہیے تھی۔ پس نتیجہ یہ ہوا کہ شیطان نے رہائی پانے والے کے دل سے وہ بات بھلا دی اور یوسف کو چند سال مزید قید میں گزارنے پڑے۔

تفسیر صافی میں قہمی سے منقول ہے کہ حضرت یوسف نے قید میں جا کر عرض کی اے پروردگار! مجھے قید میں کیوں ڈالا گیا ہے؟ تو ارشاد ہوا تو نے خود ہی دعا کی ہے کہ عورتوں کے مکرو فریب سے مجھے زندان محبوب ہے۔ اُس وقت اگر کہتا کہ عورتوں کے پھندے سے مجھے عافیت محبوب ہے تو میں عافیت سے تجھے رکھتا۔ عورتوں کے مکر سے بھی بچ جاتا اور قید و بند کی صعوبتیں بھی نہ جھیلنی پڑتیں۔

بروایت مجمع البیان زندان کے دونوں ساتھیوں نے (اور بروایت صافی زندان بان نے) یوسف سے کہا ہماری آپ سے محبت ہے۔ آپ نے فرمایا مجھ سے محبت نہ کرو کیونکہ جس نے میرے ساتھ محبت کی ہے اُس نے مجھے ایک نہ

ایک مصیبت میں مبتلا کیا ہے۔ میرے ساتھ اپنی سگی چھو بھی نے (بروایت صافی خالانے) محبت کی تو مجھے چوری کی طرف منسوب کیا۔ اس کے متعلق مفصل روایت بعد میں آجائے گی۔ اور باپ نے محبت کی تو کنوئیں میں ڈالا گیا اور زلیخا نے محبت کی۔ تو زندان کی زندگی نصیب ہوئی۔

بروایت مجمع البیان حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ زندان میں حضرت یوسف کے پاس جبریل نے آکر دریافت کیا کہ تجھے کس نے دیا ہے؟ جواب دیا کہ پروردگار نے۔ پوچھا۔ تجھے تمام بھائیوں کی نسبت باپ کا محبوب کس نے بنایا؟ جواب دیا کہ پروردگار نے۔ پوچھا کہ رگنذرقافلہ کو تیری طرف کس نے بھیجا؟ جواب دیا کہ پروردگار نے۔ پوچھا تجھ سے پتھروں کا رُخ کس نے پھیرا؟ جواب دیا کہ پروردگار نے۔ پوچھا کہ عورتوں کے مکر و فریب سے کس نے تجھے نجات دی؟ جواب دیا کہ پروردگار نے۔ پوچھا کہ کنوئیں سے کس نے نکالا ہے؟ جواب دیا کہ پروردگار نے۔ پس کہا اب تجھے وہی پروردگار فرماتا ہے کہ کس بنا پر مجھے فراموش کر کے زندان سے رہائی کی اپیل تو نے میری مخلوق سے کی ہے؟ اب اس کے بدلہ میں کئی سال زندان میں رہنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔ مروی ہے کہ یہ سن کر حضرت یوسف زندان میں سخت روئے جتی کہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آپ کے گریہ سے در و دیوار میں گریہ طاری ہے۔ اور تمام اہل زندان اچانک کے رونے سے تنگ آگئے اور ترک گریہ کی درخواست دی گئی۔ چنانچہ فیصلہ یہ ہوا کہ ایک دن روئے اور ایک دن نہ روئے۔ پس جس دن نہ روئے تھے اس دن ان کی حالت ناگفتہ بہ ہو جایا کرتی تھی۔

تفسیر برہان میں ہے جب حضرت یوسف نے رہا ہونے والے سے کہا کہ اپنے مالک کے پاس میری بے گناہی کا ذکر کرنا تو اُس وقت جبریل کا نزول ہوا۔ اُس نے پاؤں کی ٹھوکہ ماری تو ساتویں زمین تک پردے کھل گئے۔ اور کہا اے یوسف دیکھو کیا نظر آتا ہے؟ کہا مجھے ایک چھوٹا سا پتھر نظر آ رہا ہے۔ پس جبریل نے پتھر کو دو حصے کر دیا اور کہا کہ اب کیا دیکھتے ہو؟ کہنے لگے ایک چھوٹا سا کپڑا دیکھ رہا ہوں۔ جبریل نے پوچھا کہ اس کا رازق کون ہے؟ یوسف نے جواب دیا کہ اللہ سبحانہ ہے تو جبریل نے کہا کہ تجھے اپنا پروردگار فرماتا ہے کہ میں ساتویں زمین کی گہرائیوں میں پتھر کے اندر اس چھوٹے سے کپڑے کو بھی نہیں فراموش کرتا تو تجھے کیسے جبریل سکنا ہوں کہ تو نے مجھے چھوڑ کر اپنی رہائی کی درخواست اپنے جیسی ایک مخلوق سے کی ہے۔ پس اس بات کے بدلہ میں چند برس قید میں اور بھی گزارو۔

یہ یاد رکھنا چاہیے کہ مصائب اور شدائد میں مخلوق سے مدد طلب کرنا کوئی گناہ نہیں ہے۔ بنا برصحت روایات تینبیہ حضرت یوسف علیہ السلام کے مخصوص امتحان سے متعلق ہے۔ اور اس کی مصلحت کو سمجھنے اور بال کی کھال اتارنے سے تسلیم بہتر ہے۔ خدا جو کرے اُس سے باز پرس نہیں ہو سکتی۔

بروایت صافی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ پوری کائنات میں سب سے زیادہ رونے والے پانچ ہیں۔ ان میں سے ایک حضرت یوسف ہیں۔ اور روایات میں پانچ زیادہ رونے والے یہ ہیں (۱) حضرت آدمؑ فان حوا

وَقَالَ الْمَلِكُ إِنِّي أَرَى سَبْعَ بَقَرَاتٍ سِمَانٍ يَأْكُلُهُنَّ سَبْعُ عِجَافٍ

اور بادشاہ نے کہا میں نے خواب میں سات موٹی گائیں دیکھی ہیں جن کو کھاری تھیں سات دہلی گائیں اور سات خوشے سبز دیکھے

وَسَبْعُ سُنْبُلَاتٍ خُضْرٍ وَأُخْرَىٰ سَبِيطٍ يَا أَيُّهَا الْمَلَأُ الْأَقْتُونِي فِي

اور دوسرے سات خشک (رجوان پر غالب آئے) اے سردارانِ قوم مجھے تعبیر دو میرے خواب کی

میں اس قدر روئے کہ ان کی آنسو کے پانی سے پرندے سیراب ہوتے تھے (۲) حضرت یعقوب فراق یوسف میں اس قدر روئے کہ آنکھوں کی بینائی کھو بیٹھے (۳) حضرت یوسف زندانِ مصر میں اس قدر روئے کہ اہل زندان تنگ آگئے (۴) جناب بتول معظمہ خاتونِ جنت جناب رسالت مآب کی وفات کے بعد امت کے مظالم سے تنگ آکر اس قدر روئیں کہ اہل مدینہ ان کے رونے سے تنگ آگئے اور حضرت امیر علیہ السلام سے درخواست کی کہ ماورِ حنین کے گریہ سے ہم تنگ ہیں یا دن کو روئیں یا رات کو روئیں۔ پس جنت البقیع میں حضرت علی نے بیت الحزن بنا دیا۔ وہاں جا کر سارا دن رویا کرتی تھیں اور رات کو واپس آجایا کرتی تھیں (۵) حضرت امام زین العابدین علیہ السلام جو واقعہ ہاکہ کہ بلا کے بعد ۳۵ برس متواتر روئے۔

تعبیر برہان میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ آدم یوسف اور داؤد کے برابر کوئی نہیں رہا حضرت آدم فراقِ جنت میں روئے کہ اہل آسمان کو ان کی کثرت بگا سے شکایت پیدا ہوئی۔ حضرت داؤد اس قدر روئے کہ ان کی آنسو کے پانی سے گھاس اُگ آیا۔ اور ان کی سرد آہ سبز لویوں کو جلادیا کرتی تھی۔ اور حضرت یوسف اس قدر روئے کہ زندان والے تنگ آگئے۔

اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ جبریل نے حضرت یوسف کو دعائے فرج تعلیم کی کہ ہر نماز کے بعد پڑھا کریں۔

اللَّهُمَّ اجْعَلْ لِي فَرَجًا وَخَرَجًا وَأَمْرًا زُقْنِي مِنْ حَيْثُ أَحْتَسِبُ وَمِنْ حَيْثُ لَا أَحْتَسِبُ
اور زمین پر رخسارہ رکھ کر یہ پڑھتے تھے۔ اللَّهُمَّ إِنَّ كَانَتْ ذُنُوبِي قَدْ أَخْلَقَتْ وَجْهِي عِنْدَكَ فَإِنِّي أَتُوجَّهُ
إِلَيْكَ بِوَجْهِ ابْنِ الصَّالِحِينَ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ) اور آپ نے فرمایا اس طرح پڑھا کرو۔ إِنَّ كَانَتْ ذُنُوبِي قَدْ أَخْلَقَتْ وَجْهِي عِنْدَكَ فَإِنِّي أَتُوجَّهُ إِلَيْكَ بِوَجْهِ نَبِيِّكَ
نَبِيِّ السَّحْمَةِ وَعَلِيٍّ وَفَاطِمَةَ وَالْحَسَنَ وَالْحُسَيْنَ وَالِدُمَّةً عَلَيْهِمُ السَّلَامُ

رکوع ۱۶۔ بادشاہ کا خواب اور اس کی تعبیر | وقال الملك - خدا کی کرنی یہ ہوئی کہ جب حضرت یوسف کی رہائی کا وقت آیا تو بادشاہ مصر نے ایک خواب دیکھا جس سے وہ سخت گھبرایا اور اس کو کوئی تسلی بخش تعبیر حاصل نہ ہو سکی کہ سات موٹی گائیں کو سات دہلی گائیں نے کھالیا اور سات

رُعْيَا مَيِّ ان كُنْتُمْ لِلرُّعْيَا تَعْبُرُونَ ﴿۴۳﴾ قَالُوا اَصْنَعَاتُ اَحْلَامٍ هِج

اگر تم خواب کی تعبیریں بتا سکتے ہو کہنے لگے بھوٹے خواب ہیں اور ہم (اس قسم کے)

وَمَا خُنُّ بِتَاوِيلِ الْاَحْلَامِ بِلِعْمِيْنَ ﴿۴۴﴾ وَقَالَ الَّذِي نَجَا

خوابوں کی تعبیر کے عالم نہیں ہیں اور کہا اُس نے جس نے وہ میں سے رہائی

مِنْهُمَا وَاذْكُرْ بَعْدَ اُمَّةٍ اَنَّا اَنْبِئْكُمْ بِتَاوِيلِهٖ فَاَمْرٍ سَلُوْنَ ﴿۴۵﴾

پائی تھی اور اس کو یاد ایک عرصہ کے بعد آیا میں اس کی تعبیر بتاتا ہوں پس مجھے (یوسف کی طرف) بھیجو

يُوسُفُ اِيْمًا الصِّدِّيقُ افْتِنَا فِي سَبْعِ بَقَرَاتٍ سِمَانٍ يَّا كَاهِنَ

روہاں پہنچ کر اس نے کہا اے یوسف اے صدیق ہمیں تعبیر دیجئے کہ سات سوٹی گایوں کو کھاتی ہیں

سَبْعُ عِجَافٍ وَسَبْعُ سُنْبُلَاتٍ خُضِرٍ وَاٰخِرُ بَيْتٍ لِّعَلِيٍّ اَرْجِعْ اِلَى

سات دہلی اور سات سبز خوشے اور دوسرے خشک دجران پر غالب ہیں، تاکہ میں لوگوں کی طرف جاؤں

النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۶﴾ قَالَ تَزْرَعُوْنَ سَبْعَ سِنِيْنَ دَابَّاج

تاکہ وہ (بیرے فضل و کمال کو) جان لیں فرمایا کاشت کرو سات سال عادت کے مطابق

سبز خوشوں کو دیکھا کہ سات کٹے اور جلے سٹھے ہوئے خوشے ان کی طرف بڑھے اور آخر کار غالب آگئے۔ سِمَانٍ جمع ہے سین کی یعنی سوٹی تازی عِجَافٍ العجف کی جمع ہے۔ اور افضل کی جمع فعال صرف اسی صیغہ کے علاوہ اور کہیں نہیں ملتی۔ مذکر کو اعجف اور مؤنث کو عَجْفَاء کہا جاتا ہے۔ اس کا معنی ہے وہ بلا پتلا۔

قَالُوا اَصْنَعَاتُ اَحْلَامٍ - تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ خواب کی تین قسمیں ہیں۔ ایک وہ جو خدا کی جانب سے ہو۔ اس کی تاویل و تعبیر ہو کرتی ہے۔ دوسرا وہ جو شیطان کی جانب سے ہو۔ اس کی کوئی تعبیر نہیں ہوتی۔ اور تیسرا وہ جو خواب دیکھنے والے کے اپنے عقائد و رجحانات کے ماتحت ہو۔ پس جب بادشاہ مصر نے خواب بیان کیا تو اس کے درباری تعبیر کے عالم کہنے لگے یہ اصغاثِ احلام ہیں اس کی کوئی تعبیر نہیں ہے۔ یعنی انہوں نے اس کو خواب کی دوسری قسم سے قرار دیا۔ اصغاث جمع ہے صغث کی اور اس کا معنی ہوتا ہے متفرق اشیاء کی گٹھڑی اور بعض نے کہا ہے کہ گھاس کی مسٹی بھر مقدار کا نام صغث ہے۔ جیسے ایک مقام پر ارشاد ہے۔ خَنْدٌ بِيْكَ لَكَ صِغْثًا اور اس مقام پر مراد ہے کہ یہ لے جے خواب ہیں ان کی کوئی تعبیر نہیں ہے۔ احلام جمع ہے حلم کی اور اس کا معنی خواب میں کوئی چیز دیکھنا ہے۔

فَمَا حَصَدْتُمْ فَذَرُوهُ فِي سَبِيلِهِ إِلَّا قَلِيلًا مِمَّا تَأْكُلُونَ ﴿۲۷﴾

پس جو کٹائی کر داسے اپنے خوشوں میں رکھ دو سوائے تھوڑی مقدار کے جو کھانے کے لئے ضرورت ہو

ثُمَّ يَأْتِي مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ سَبْعُ شِدَادٍ يَأْكُلْنَ مَا قَدَّمْتُمْ لَهُنَّ

پھر آئیں گے اس کے بعد سات سال (دقحط کے) سخت کہ کھائیں گے وہ جو تم نے ان کے لئے بچا رکھا ہوگا

وَأَذْكُرُ لَكُمْ بَابَ انْتِقَالٍ ہے اصل میں اِذْ تَكْرَرُ تھا قاعدہ کے مطابق تاکہ وال سے تبدیل کیا گیا اور ذال کو وال بنا کر ادغام کر دیا گیا۔ اِذْ تَكْرَرُ بن گیا۔ اور ہمزہ وصلیہ کے گرنے سے وَاذْكُرُ ہو گیا۔ بادشاہ کا خواب دیکھنا۔ اور درباری لوگوں کا اس کی تعبیر سے عاجز آنا سبب بن گیا کہ حضرت یوسف کے قید کے ساتھی کو حضرت یوسف کا بھولا ہوا پیغام یاد آ گیا۔ پس موقعہ پا کر بادشاہ سے عرض کی کہ جب ہم دونو کو جیل میں بھیجا گیا تھا تو ہم نے اپنے اپنے خواب حضرت یوسف کے سامنے بیان کئے تھے۔ اور انہوں نے جو تعبیریں دیں وہ من و عن صحیح ثابت ہوئیں۔ اگر آپ مجھے اجازت دیں۔ تو میں ان کے پاس حاضر ہو کر آپ کے خواب کی تعبیر لاتا ہوں۔ چنانچہ اس کو بھیجا گیا اور اس نے حضرت یوسف سے بادشاہ کا خواب نقل کیا اور ان سے تعبیر حاصل کر کے واپس آیا۔

تعبیر اس طرح تھی کہ سات موٹی گالیوں اور سات سبز خوشوں سے مراد خوش حالی و سرسبزی کے سات سال ہیں۔ اور سات دبلی گالیوں اور سات خشک خوشوں سے مراد بعد والے سات سال قحط کے ہیں جو پہلے سالوں کی حاصل شدہ پیداوار کو کھا جائیں گے۔ یعنی لوگ ان سالوں میں سابقہ سالوں کی بچت پر اپنا سپرٹ پالیں گے۔ پس اس کا علاج یہ ہے کہ پہلے سات سال اپنی حسب عادت خوب فصل کاشت کرو۔ و اباً کا مطلب عادت ہو کرتا ہے، اور ہر سال کی پیداوار کو اپنے خوشوں میں محفوظ رکھ لو صرف اسی قدر صاف کر کے رکھو جو اس سال کی ضرورت ہو کیونکہ صاف شدہ گندم کو کھڑا یا دوسری بیماری کا خطرہ ہوتا ہے اور اس کے خراب ہونے کا اسکان رہتا ہے۔ لیکن خوشے کے اندر دانہ بالکل محفوظ رہتا ہے۔ خواہ کتنا عرصہ ہی اس پر گذر جائے۔ پھر آٹھواں سال بارش کا ہوگا اور اس میں لوگ خوشحال ہو جائیں گے۔

يُعَاثُ غَيْثٌ سَبْعَ سِنِينَ لَوْ كُنْتُمْ تُعْلَمُونَ ﴿۲۸﴾

دس سالوں کے بعد سات سالوں میں بارش کا ہوگا اور یہ سات سالوں کے صیغے ہیں ان کی ماضی اس مادہ سے نہیں ہوتی۔

سِتْدَادٍ - شدید کی جمع ہے شدت، صلابت اور صعوبت مترادف الفاظ ہیں۔

قَالَ الْمَلِكُ رَبِّ جَبَّ جَبَّ جب حضرت یوسف نے خواب کی تعبیر بیان کی اور ساتی نے بادشاہ کو سنائی تو بادشاہ کے دل میں حضرت یوسف کے علم کا سکہ بٹھ گیا۔ اور یوسف کی محبت دل میں گھر کر گئی۔ فرأَا

رُكُوعًا

الْأَقْلِيلَ مِمَّا تَحْصُونَ ﴿۴۸﴾ ثُمَّ يَأْتِي مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ عَامٌ فِيهِ

سوائے اس کے جو تم بچاؤ گے پھر آئے گا اس کے بعد ایک سال جس میں لوگوں پر بارانِ رحمت

يُغَاثُ النَّاسُ وَفِيهِ يَعْبُرُونَ ﴿۴۹﴾ وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُونِي بِهِ

ہوگی اور وہ قحط سے نجات پائیں گے اور حکم دیا بادشاہ نے کہ آسے میرے پاس لاؤ تو جب

فَلَمَّا جَاءَهُ الرَّسُولُ قَالَ ارْجِعْ إِلَى رَبِّكَ فَسْأَلْهُ مَا بَالُ النِّسْوَةِ

آپ کے پاس تاصدا آیا آپ نے فرمایا جاؤ اپنے مالک کے پاس اور اس سے پوچھو کہ کیا معاملہ تھا عورتوں کا جنہوں نے

الَّتِي قَطَّعْنَ أَيْدِيَهُنَّ إِنَّ رَبِّي بِكَيْدِهِنَّ عَلِيمٌ ﴿۵۰﴾ قَالَ مَا

اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے تھے؟ تحقیق میرا رب ان کے کمد کو جاننے والا ہے (بادشاہ نے) پوچھا تمہارا کیا

خُطْبُكُنَّ إِذْ رَاوَدْتَنِّي يُوَسِّفُ عَنْ نَفْسِهِ ذَلِكُنَّ حَاشَ لِلَّهِ مَا

واقعہ ہے جب کہ تم نے بلایا یوسف کو اپنی طرف؟ کہنے لگیں معاذ اللہ ہم نے نہیں دیکھی اس پر

عَلِمْنَا عَلَيْهِ مِنْ سُوءٍ ط قَالَتِ امْرَأَتُ الْعَزِيزِ النَّحْسُ الْخَنَّاسُ

کئی بُرائی عزیز کی عورت کہنے لگی اب ظاہر ہو گیا ہے حق

حکم دیا کہ یوسف کو میرے دربار میں حاضر کیا جائے۔ چنانچہ غلام نے آکر آپ کو یہ مشورہ سنایا تو حضرت یوسف نے نہایت

مثنائت اور حوصلہ سے جواب دیا کہ میں اُس وقت تک قید خانہ سے باہر آئے کو تیار نہیں ہوں جب تک کہ میرے مقدر

کے متعلق میری پوزیشن صاف نہ ہو جائے۔ اور میرا بری الذمہ ہونا بادشاہ و رعایا پر واضح نہ ہو جائے۔ یعنی میں صرف

شاہی رحم و کرم کی بنا پر آزادی کا متمنی نہیں ہوں بلکہ اپنی بے گناہی کے پیش نظر میں آزادی کا حق رکھتا ہوں لہذا جا کر اپنے

ہاتھوں کو کاٹنے والی جملہ عورتوں سے دریافت کیا جائے کہ واقعہ کی حقیقت کیا ہے۔ اس مقام پر حضرت یوسف کا کس قدر

مساط رو یہ ہے یہ نہیں فرمایا کہ زلیخا سے پوچھا جائے کیونکہ وہ عزیز مصر کی زوجہ تھی۔ اور سوء ادب کا احتمال تھا لیکن گناہ

کے لحاظ سے ضمنی طور پر وہ بھی اس گروہ میں شامل تھیں۔ پس بادشاہ نے عورتوں کو بلا کر دریافت کیا تو سب نے حضرت

یوسف کی پاکدامنی کی گواہی دی اور خود زلیخا نے صریح طور پر اعتراف کیا کہ یہ سراسر میری غلطی تھی اور وہ بالکل حق بجانب ہیں۔

ذَلِكَ لِيَعْلَمَ: یہ حضرت یوسف کے کلام کا جملہ ہے کہ میں نے رہائی سے قبل اپنے مقدر کی تفتیش کا مطالبہ اس لئے کیا

تھا تاکہ بادشاہ کو پتہ چل جائے کہ میں نے پس پشت اس کی خیانت نہیں کی تھی کیونکہ اگر ایسا نہ کیا جاتا تو رہائی کے بعد بھی

أَنَارَ أَوْ دَنَّتْ عَنْ نَفْسِهِ وَإِنَّهُ لَمِنَ الصَّادِقِينَ ﴿٥١﴾ ذَلِكَ لِيَعْلَمَ

میں نے ہی اس کو اپنی طرف بلایا تھا اور تحقیق وہ سچا تھا یہ اس لئے کہ اسے پتہ

أَنِّي لَمُ أَخْنَهُ بِالْغَيْبِ وَأَنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي كَيْدَ الْخَائِنِينَ ﴿٥٢﴾

چل جائے کہ میں نے پس پشت بھی اسکی خیانت نہیں کی اور تحقیق اللہ نہیں انجام بخیر کرتا خیانت کرنے والوں کے مکرو فریب کا

اس کے دل میں یہ احساس رہتا کہ یہ وہ شخص ہے جس نے میری خیانت کی ہے بے شک حضرت یوسف علیہ السلام کا حلم و حوصلہ اور عزم و استقلال قابلِ داد و ستائش ہے کہ باوجودیکہ بے جرم قید تھے اور مظلوم تھے لیکن جب بھی تعبیر خواب کے لئے بادشاہ سائل بن کر پیش ہوا تو انہوں نے بخل سے کام نہیں لیا۔ اور نہ اس شکل کشائی کے بدلہ میں اپنی رہائی کا مطالبہ کیا ورنہ اگر کوئی جلد باز اور جذباتی قسم کا انسان ہوتا تو مسئلہ بیان کرنے میں بخل کرتا اور جواب مسئلہ کو اپنی رہائی سے مشروط کر دیتا۔ نہ انہوں نے پہلے شرط لگائی کہ قید سے آزاد کرو جب بتاؤں گا اور نہ مسئلہ بتانے کے بعد جب کہ وہ ممنون احسان ہو چکے تھے اپنی آزادی کا مطالبہ کیا اور لطف یہ کہ جب انہوں نے اپنی جانب سے پیش کش کی تو نہایت فراخ دلی اور بلند حوصلگی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ان کے رحم و کرم کی پیش کش کو پائے تحقیر سے ٹھکرا دیا اور مقدمہ کی تقدیش اور فیصلہ پر نظر ثانی کا مطالبہ کیا تاکہ رہائی کا حکم رحم و کرم کی بنا پر نہ بجا جائے بلکہ استحقاق کے پیش نظر ہو اور سابق کی قید استحقاق کی بنا پر نہ سمجھی جائے بلکہ مظلومانہ قرار دی جائے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا ورنہ اگر کوئی جذباتی قسم کا بندہ ہوتا تو اپنی قید سے رہائی کی پیش کش کو نعمت غیر مترقبہ بلکہ سلطانِ وقت کا احسانِ عظیم سمجھتا اور اپنے دامن کی آلودگیوں کو نظر انداز کر کے محذوشِ زندگی کو ہی عنایت سمجھتا۔ جیسا کہ کم سمیت لوگوں کا شیوہ ہے۔ اور اسی مطلب کی ایک حدیث بھی جناب رسالت مآب سے مروی ہے جس میں حضور نے حضرت یوسف کے اس بلند کردار کو سراہتے ہوئے اپنی جانب منسوب کیا کہ اگر میں ہوتا تو جواب مسئلہ کو رہائی پر مشروط کرتا یا رہائی کی پیش کش کو فوراً قبول کر لیتا۔ حالانکہ حضور اخلاق و کردار میں یوسف بلکہ جملہ انبیاء کے لئے پیش رو کی حیثیت رکھتے ہیں تو اس مقام پر آپ کا یہ فرمانا کہ میں ہوتا تو ایسا کرتا مثال کے لئے ہے مقصد یہ ہے کہ کوئی عام جلد باز و جذباتی و ناعاقبت اندیش آدمی ہوتا تو ایسا کرتا اور حضور کی یہ عادت تھی کہ اپنے اخلاق کو یہاں کے پیش نظر ایسی باتوں کو بجائے مخاطبین کے اپنی جانب منسوب کر دیا کرتے تھے۔

اور بعض مفسرین نے ذَالِكَ لِيَعْلَمَ کو زلیخا کے کلام کا تمہ قرار دیا ہے۔ یعنی میں یوسف کی عدم موجودگی میں حق و صداقت کی گواہی پیش کر رہی ہوں تاکہ اُسے پتہ چل جائے کہ میں نے پس پشت اس کی خیانت نہیں کی اور میں اپنے نفس کو بالکل بری بھی نہیں قرار دیتی کیونکہ میں نے ہی اس پر الزام لگا کر قید و بند کی صعوبتوں میں اس کو مبتلا کیا ہے۔ جیسا کہ اگلی آیت کا مضمون ہے۔

پاکستان

وَمَا أَبْرَىٰ نَفْسِي ۚ إِنَّ النَّفْسَ لَأَمَّارَةٌ بِالسُّوءِ ۗ إِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّي ۗ

اور میں اپنے نفس کو بری نہیں کرتا تحقیق نفس برائی کا حکم کرتا ہے مگر وہ جس پر میرا رب رحم کرے

إِنَّ رَبِّي غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿۵۳﴾ وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُونِي بِهِ أَسْخَلْتُمُوهُ

تحقیق میرا رب غفور رحیم ہے اور بادشاہ نے کہا اس کو لے آؤ کہ میں اس کو اپنا محض

رکوع ۷
وَمَا أَبْرَىٰ نَفْسِي ۚ - اکثر مفسرین کے نزدیک یہ یوسف کا قول ہے۔ اور بعضوں نے اسے زلیخا کا قول قرار دیا ہے لیکن پہلا قول ہی صحیح معلوم ہوتا ہے۔ اور حضرت یوسف نے کسر نفسی اور تواضع کے طور پر فرمایا کہ میں اپنے نفس کو بری نہیں کرتا کیونکہ فطرۃً النفس شہوانیات کی طرف مائل ہوتا ہے۔ سوائے ان کے جن کو خدا محفوظ رکھے۔ پس اپنی عصمت کو احسان پروردگار بتایا۔

وَقَالَ الْمَلِكُ ۖ - جب بادشاہ پر حضرت یوسف کی پاکدامنی کا راز کھل گیا تو چونکہ وہ آپ کے فضل و کمال کا دلدادہ بھی ہو گیا تھا۔ پس اس نے حضرت یوسف کو تدبیر مملکت میں شریک کرنے کا اپنے دل میں فیصلہ کر لیا۔ اور آپ کو زندان سے رہا کر کے اپنے ہاں مہمان بنا لیا۔ پس غلوت میں کافی دیر تک باہمی گفتگو کا سلسلہ جاری رہا۔ چنانچہ بادشاہ کا دل ہر حیثیت سے حضرت یوسف نے سوا لیا۔ اور ان کا بالکل گرویدہ بن گیا۔

بعض مفسرین نے بیان کیا ہے کہ جب حضرت یوسف کو حکومت کی طرف سے مقدمہ سے برادت کا مشرہ پہنچا۔ تو آپ نے غسل کیا قیدی خانہ کی میل جسم سے دور کی۔ اور نافرہ لباس زیب تن فرما کر دربار شاہی میں تشریف لائے اس وقت آپ کی عمر تیس برس تھی۔ اور مروی ہے کہ قید سے نکلنے ہوئے آپ نے قیدیوں کے لئے یہ دعا کی۔ اے پروردگار اس قوم کی طرف نیک لوگوں کے دلوں کو مائل کر۔ اور ان لوگوں کو دنیاوی حالات سے بے خبر نہ رکھ۔ اور کہتے ہیں یہی وجہ ہے کہ ہر ملک میں ظاہری حالات اور سیاسی واقعات کا علم آزاد لوگوں کی بہ نسبت قیدیوں کو زیادہ ہوا کرتا ہے۔ آپ نے بوقت وداع دروازہ زندان پر چنچن کلمات لکھے جن کا ترجمہ یہ ہے۔

(۱) یہ زندہ لوگوں کا قبرستان ہے (۲) یہ غم کا گھر ہے (۳) یہ دوستوں کے پرکھنے کا مقام ہے (۴) یہ دشمنوں کی شامت کی جگہ ہے۔ جب بادشاہ کے دروازہ پر پہنچے تو یہ کلمات زبان سے جاری فرمائے۔ سَبِّحْ رَبِّي مِنْ دُنْيَايَ وَحَسْبِي رَبِّي مِنْ خَلْقِهِ عَزَّ جَادُهُ وَجَلَّ شَأْنُهُ وَكَأَلَا إِلَهَ غَيْرُهُ اور جب بادشاہ پر نظر پڑی تو یہ کلمات پڑھے۔ اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ بِخَيْرِكَ مِنْ خَيْرِهِ وَاعْوُذُ بِكَ مِنْ شَرِّهِ وَمِنْ شَرِّ غَيْرِهِ۔ جب بادشاہ نے اس کی جانب نظر اٹھائی تو یوسف نے زبان عربی میں اس پر سلام کیا۔ بادشاہ نے پوچھا کہ یہ کونسی زبان ہے تو آپ نے فرمایا یہ میرے چچا حضرت اسمعیل کی بولی ہے۔ پھر عبرانی زبان میں بادشاہ کو دعا کی۔ بادشاہ نے پوچھا یہ کونسی

لِنَفْسِي فَلَمَّا كَلَّمَهُ قَالَ إِنَّكَ الْيَوْمَ لَدَيْنَا مَكِينٌ أَمِينٌ ﴿۵۴﴾

رازدار بناؤں جب اس سے بات کی تو یوسف سے کہا کہ تو اب ہمارے نزدیک ذی وقار امین ہے

قَالَ اجْعَلْنِي عَلَى خَزَائِنِ الْأَرْضِ إِنِّي حَفِيظٌ عَلَيْكُمْ ﴿۵۵﴾ وَكَذَلِكَ

یوسف نے کہا کہ مجھے زمین کے خزانوں پر مامور کر دیجئے کہ میں اس کا باخبر محافظ ہوں اور اسی طرح

زبان ہے تو آپ نے فرمایا یہ میرے باپ دادا کی بولی ہے۔ اور بعضوں نے کہا ہے کہ بادشاہ ستر زبانوں کا ماہر تھا اور وہ جس زبان میں کلام کرتا تھا حضرت اسمعیل اس کو اسی زبان میں جواب دیتے تھے۔ بادشاہ کو آپ کی زبان دانی اور حاضر جوابی پر بہت تعجب ہوا۔ پس بادشاہ نے کہا کہ میں اپنا خواب آپ سے سننا چاہتا ہوں۔ حضرت یوسف نے بادشاہ کا خواب بیان کرنا شروع کیا۔ اسے بادشاہ تو نے سات رنگ برنگی سفید پیشانی والی خوبصورت اور موٹی تازی گائیں دیکھیں جو دریائے نیل سے نکل کر اس کے کنارہ پر آئیں۔ ان کے تھنوں میں دودھ بھرا ہوا تھا تو ان کے حسن میں عجوبت تھا کہ اچانک دریائے نیل خشک ہو گیا۔ اور اس کے بقیہ گرم پانی اور کھیر میں سے سات دہلی تیلی پیکل گائیں برآمد ہوئیں جن کے پیٹ پشت سے طے ہوئے تھے نہ ان کے تھن تھے نہ دودھ۔ البتہ ان کے دانت بڑے تھے۔ ان کے اگلے پیرکتوں کی طرح اور سونڈ زندوں کی طرح تھی ان کو بچاڑ ڈالا۔ ان کے چمڑوں کو کھڑے کیا۔ ان کی بڑیوں کو ٹوڑ دیا۔ ان کا گوشت نوچ نوچ کر کھا لیا اور ان کی چربی کو چاٹ اور چوس لیا ابھی تو یہ ماجرا دیکھ کر دریائے تعجب وحیرت میں ڈوبا ہوا تھا کہ اچانک سات سرسبز خوشے نظر آئے اور ان کے ساتھ سات خشک و سیاہ خوشے بھی نمودار ہوئے جو ایک ہی جگہ کی پیداوار تھے۔ ابھی تو یہ سوچ رہا تھا کہ یہ سبز کیوں ہیں اور وہ خشک و سیاہ کیوں ہیں؟ حالانکہ دونوں کی جڑیں پانی میں ہیں اور ایک جگہ کی پیداوار ہیں کہ اچانک ہوا جلی اور اس نے سیاہ خوشوں میں سے ایک مادہ کو اڑایا جو سرسبز خوشوں پر پڑا۔ پس ان میں آگ بھڑک اٹھی۔ اور ان کو جلا کر کوئلہ کر دیا۔ اور یہ تیرے خواب کا آخری حصہ ہے جس کے بعد تو گھبرا کر بیدار ہو گیا۔ بادشاہ نے سن کر کہا کہ میرا خواب اس قدر تعجب ناک نہیں جتنا کہ آپ کا اس کی تفصیل سے باخبر ہونا تعجب خیز ہے۔ پس اب اس کا حل بتائیے تو آپ نے فرمایا کہ انبار تعمیر کرا دیجئے اور آباد سالوں کی پیداوار جو وقتی ضرورت سے زائد ہو خوشوں سمیت ان میں جمع کراتے جائیے تاکہ خراب نہ ہوں۔ پس ہر قحط کے سال میں حسب ضرورت گندم کا دانہ انسانوں کے کام آتا ہے گا۔ اور جھوسہ حیوانوں کے کام آئے گا اور گرد و نواح کے لوگ آپ سے جنس خرید لیں گے۔ پس تمام اطراف کا سونا کچھ کر تمہارے خزانہ میں آجمع ہو گا۔ بادشاہ نے کہا کہ یہ کام بہت لمبا اور بڑا اہم ہے۔ اس کو انجام دینے کے لئے کوئی مدبر نیک نیت اور امین آدمی چاہیے۔ تو اس کے جواب میں حضرت یوسف نے فرمایا اجْعَلْنِي عَلَى خَزَائِنِ الْأَرْضِ یعنی زمین کے خزانوں کا امین اور مدبر مجھے بنا دیجئے میں اس عہدہ کو اچھی طرح سنبھال سکتا ہوں۔ کیونکہ مختلف ضرورت مند

لوگ جب اطراف و نواح سے آئیں گے تو ان کی زبانیں جدا جدا ہوں گی۔ لہذا یہاں وہ شخص کام کر سکتا ہے جو مختلف زبانوں کا عالم و ماہر ہو۔ پس حضرت یوسف ہی اس عہدہ کے لئے موزوں تر تھے۔ اور انہی کو نامزد کر لیا گیا۔ اس مقام سے علماء نے استدلال کیا ہے کہ جہاں لوگ نہ پہچانتے ہوں۔ انسان اپنا فضل و کمال بیان کر کے اپنا تعارف کرا سکتا ہے تاکہ لوگوں کو فائدہ پہنچ سکے۔ اور یہ چیز خود شنائی کے عیب بد سے مستثنیٰ ہے جیسا کہ فرماتا ہے۔ فَلَا تَزُكُّواَ الْفُسُكُاَ اِنۡنَا نَفۡسُوۡنَ کا ترکیب نہ کرو یعنی خود شنائی نہ کرو۔ اور حضرت یوسف نے لوگوں کے افادہ کے لئے اپنی تعریف کی کہ میں حفیظ اور علیم ہوں۔ اور منقول ہے کہ بادشاہ نے سابق عزیز مصر قطفیر (شوہر زلیخا) کو معزول کر کے اس کی جگہ حضرت یوسف کو مقرر کیا۔ اور بعض کہتے ہیں کہ قطفیر اس سال فوت ہوا اور اس کی جگہ حضرت یوسف نے لی۔ اور اس کے بعد حضرت یوسف کو عزیز مصر کے لقب سے یاد کیا جانے لگا۔

بروایت عیاشی امام رضا علیہ السلام سے مروی ہے کہ حضرت یوسف نے ولایت و حکومت اس لئے طلب کی تھی کہ اللہ کے احکام کی ترویج کرے اور حق کی توسیع کرے۔ اور مجمع البیان میں جناب رسالت مآب سے منقول ہے خدایا میرے بھائی یوسف پر رحم کرے کہ اگر وہ یہ نہ کہتے کہ مجھے اس کے خزانوں پر مقرر کیا جائے تو اس کو اسی وقت سے حکومت سپرد کر دی جاتی لیکن اس وجہ سے دو سال کی تعویق میں پڑ گئے۔ اور دوسرے سال ان کو عنان حکومت سپرد ہوئی

شباب زلیخا تفسیر مجمع البیان میں تفسیر علی بن ابراہیم سے منقول ہے کہ جب عزیز مصر مر گیا اور یہ زمانہ قحط کا تھا میں زلیخا کی کفالت کرنے والا کوئی نہ رہا۔ اور وہ فقرو فنا کا شکار ہو گئی۔ حتیٰ کہ دست سوال دراز کرنے تک اس کی نوبت نہ پہنچی۔ لوگوں نے اس کو شورہ دیا کہ اپنی حالت زار عزیز مصر یوسف سے بیان کرو۔ تو اس نے جواب دیا کہ مجھے شرم آتی ہے۔ لیکن جب لوگوں نے اصرار کیا تو وہ بھی آمادہ ہو گئی اور ایک دن حضرت یوسف کے راستہ میں بیٹھ گئی جب حضرت یوسف اپنی شاہانہ شکوہ کے ساتھ وہاں سے گذرے تو زلیخا نے کھڑے ہو کر نیاز مندانہ طریق سے یہ کلمات کہے سُنَّانَ مَنْ جَعَلَ الْمُلُوكَ بِالْمَعْصِيَةِ عَبِيدًا وَجَعَلَ الْعَبِيدَ بِالطَّاعَةِ مَلُوكًا (پاک ہے وہ اللہ جس نے بادشاہوں کو گناہوں کی سزا میں غلام بنا دیا اور غلاموں کو اطاعت کی جزا میں بادشاہ بنا دیا) حضرت یوسف جگ گئے اور فرمایا تو وہی زلیخا ہے، کہنے لگی۔ ہاں! تو آپ نے فرمایا کیا تجھے میری ضرورت ہے؟ کہنے لگی اس بات کو رہنے دیجئے۔ اب میں بوڑھی یا لٹھ ہو چکی ہوں کیا آپ میرے ساتھ مسخری کرتے ہیں؟ آپ نے فرمایا میں تو سچ کہہ رہا ہوں۔ یہ مسخری نہیں ہے تو کہنے لگی کہ ہاں (یعنی مجھے اب بھی آپ کی ضرورت ہے) پس حضرت یوسف نے اس کو اپنی دولتہا میں بھجوا دیا۔ اس وقت وہ بوڑھی ہو چکی تھی۔ حضرت یوسف نے فرمایا تو نے میرے ساتھ فلاں فلاں بڑناؤ کیا کھتا کہنے لگی۔ اے خدا کے نبی! مجھے سزائش نہ کیجئے میں ایک ایسی مصیبت زدہ ہوں کہ میری طرح شاید کوئی بھی مصیبت میں گرفتار نہ ہوگا۔ آپ نے پوچھا کہ کیسے؟ تو اس نے عرض کی اولاً تو میں آپ کی محبت میں گرفتار ہوں کہ خدا نے بتھے

الْكَيْلُ فَأَرْسِلْ مَعَنَا آخَانًا نَكْتُلُ وَإِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُونَ ﴿٢٣﴾ قَالِ

کیل روک دیا گیا ہے ہیں بھیجئے ہمارے ساتھ ہمارے بھائی کو کہ کیل حاصل کریں اور ہم اس کی حفاظت کریں گے فرمایا نہیں

هَلْ اٰمَنُكُمْ عَلَيْهِ اِلَّا كَمَا اٰمَنُتُمْ عَلٰى اٰخِيهِ مِنْ قَبْلُ ط

میرا تم کو امین سمجھنا اس پر مگر اسی طرح جیسے کہ تم کو امین سمجھا اس کے بھائی پر

نہ رہتے ہیں ترک وطن کر کے جنگلوں میں لسراوقات کرتے اور باپ کی خدمت سے محروم ہو جاتے۔ پس اسی مصلحت کی بنا پر حضرت یوسف نے ان کو سمجھانا مناسب نہ سمجھا۔

قَالَ لَيْفَتِيَانِيَهٗ حضرت یوسف نے اپنے ملازمین کو حکم دیا کہ ان کے غلہ کی بوریوں میں ان کا اپنا لایا ہوا سامان بھی رکھ دو۔ جو بطور قیمت کے انہوں نے ادا کیا ہے۔ اور رومی ہے کہ وہ اپنے ملک سے چمڑے کا سامان لائے تھے۔

لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ :- ان کا سامان ان کی بوریوں میں بند کرنے میں یہ مصلحت تھی کہ وہ اس بہانہ سے ضرور واپس آئیں گے (۱) وہ سمجھیں گے کہ غلہ دے کر ہمارا سامان واپس کرنے والا محسن ہے۔ اور اس کے احسان و اکرام کا تقاضا یہ ہے کہ ہم بطور ایفائے عہد و جزائے احسان واپس جائیں (۲) یا وہ سمجھیں گے کہ غلہ کے ساتھ ہمارے سامان کا واپس آنا ممکن ہے ملازمین کی بے احتیاطی سے ہو۔ لہذا وہ اپنی دیانت و امانت کے پیش نظر اُسے واپس کرنے کے لئے پلٹیں گے۔

بروایت ابو بصیر حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ حضرت یعقوب کو سال میں دو دفعہ مصر سے غلامگوانے کی ضرورت ہوتی تھی۔ پس جب پہلی دفعہ قافلہ کے ساتھ اپنے بیٹوں کو بھیجا تو حضرت یوسف نے ان کو فوراً پہچان لیا۔ اور باقی تمام قافلہوں سے پہلے ان کو غلہ دے کر فارغ کیا اور نہایت خوش اخلاقی سے پیش آئے حتیٰ کہ ان کا اپنا سامان بھی واپس کر دیا قَلَمًا مَرَجَعُوا اَیْسَی حضرت یوسف کے بھائی غلہ لے کر مصر سے روانہ ہوئے اور بعافیت اپنے وطن کنعان پہنچے۔ وہیں لہجہ میں شرماتے ہوئے باپ کا سلام کہا تو انہوں نے دریافت فرمایا اے میرے فرزندو! کیوں وہی آواز سے سلام کر رہے ہو اور تم میں شمعون کی آواز نہیں ہے وہ کہاں گیا؟ کہنے لگے اے پدر نامدار! ہم ایک بہت بڑے شہنشاہ کی جانب سے آئے ہیں کہ حکمت و علم خشوع و فروتنی اور ہیبت و ذنار میں کوئی اُس کا ہم پلہ ہم نے نہیں دیکھا۔ اگر آپ کے ساتھ کسی کو تشبیہ دی جاسکتی تو وہ بلا کم و کاست آپ کی نظیر ہے۔ اور یاسین ہمارا خاندان تو مصائب و آلام کا نشانہ بن چکا ہے۔ بادشاہ موصوف کو چارے اور اعتماد نہیں اور وہ ہماری بیان کردہ سرگذشت پر باور نہیں کرتا۔ آپ ازراہ کرم ایک خط لکھ کر ابن یامین کو ہمارے ہمراہ بھیجیں جس میں اپنی مصیبت کی روداد ٹیٹھا پے کی سرعت اور بدلتائی کے کھوجانے کا سبب درج فرمائیں اور اگر آپ ایسا نہ کریں گے تو وہ بادشاہ ہم سے بائیکاٹ کر لے گا اور دوبارہ ہمارے ساتھ لین دین نہ کرے گا۔

قَالَ هَلْ اٰمَنُكُمْ :- حضرت یعقوب سے جب بیٹوں نے بن یامین کے ہمراہ لے جانے کا مطالبہ کیا تو فرمایا کہ اس معاملہ میں

فَاللَّهُ خَيْرٌ حِفْظًا وَهُوَ أَرْحَمُ الرَّحِيمِينَ ﴿٦٣﴾ وَلَمَّا فَتَحُوا مَتَاعَهُمْ

پس اللہ بہتر حفاظت کرنے والا ہے اور وہ ارحم الراحمین ہے اور جب انہوں نے سامان کھولا تو اپنی

وَجَدُوا بِضَاعَتَهُمْ رَدَّتْ إِلَيْهِمْ ط قَالُوا يَا أَبَانَا مَا نَبْغِي هَذِهِ

پونجی کو دیکھا کہ وہ واپس کی گئی ہے تو کہنے لگے اے بابا جان! ہمیں اور کیا چاہیے؟ یہ

بِضَاعَتُنَا رَدَّتْ إِلَيْنَا وَنَمِيرُ أَهْلِنَا وَنَحْفَظُ أَخَانَنَا وَنَزِدَادُ

ہماری پونجی بھی واپس کی گئی ہے ہم اہل خانہ کے لئے خوراک لائیں گے اور بھائی کی حفاظت کریں گے اور ایک

كَيْلٍ بَعِيرٍ ط ذَلِكَ كَيْلٌ لِّسِيرٍ ﴿٦٤﴾ قَالَ لَنْ أَرْسَلَهُ مَعَكُمْ

اونٹ کا بھار بھی زیادہ لائیں گے کیونکہ یہ کیل (بھاری ضرورت سے) تھڑا ہے فرمایا میں اس کو ہرگز تمہارے ہمراہ نہ بھیجوں گا

تمہارا امین سمجھنا ایسا ہے جس طرح قبل ازیں یوسف کے بارے میں تم کو امین سمجھا گیا۔ اس مرتبہ حضرت یعقوب اگر چہ جانتے تھے کہ سابقہ خیانت کا اعادہ نہیں ہوگا تاہم سرزنش کے طور پر بیٹوں کو حضرت یوسف کا معاملہ بتلایا اور یہ باتیں اونٹوں سے سامان اتارنے سے پہلے ہو رہی تھیں۔ اس محل گفت و شنید کے بعد مفصل بات چیت تک معاملہ پنپا۔ جب سامان اتارا گیا اور قیمت کو واپس پلٹا ہوا دیکھا گیا۔

وَلَمَّا فَتَحُوا۔ جب انہوں نے اپنا سامان کھولا۔ اور اپنی پونجی کو واپس پلٹا دیکھا تو خوشی کی کوئی حد نہ رہی۔ دوڑے ہوئے خوش خوش حضرت یعقوب کی خدمت میں پہنچے اور عرض کی یا ابا نانا ما نبتغی؟ بابا جان ہمیں اور کیا چاہیے؟ دیکھیے وہ بادشاہ کس قدر نیک رحم دل اور احسان شعار ہے کہ ہمیں اپنی ادا کردہ قیمت بھی اس نے واپس کر دی ہے۔ پس اب ہم اپنے بھائی ابن یامین کو ساتھ لے جائیں گے جس سے ہمیں کئی فائدے ہوں گے۔

(۱) ہمارے ساتھ بادشاہ مصر کا معاملہ باقی رہے گا اور وہ ہمیں غلہ دینے سے انکار نہ کرے گا (۲) اس کے احسان و حسن سلوک کا تقاضا بھی یہی ہے کہ ہمیں ایفائے عہد کے طور پر دوبارہ اس کے پاس جانا چاہیے (۳) چونکہ شاہ مصر کا دستور ہے کہ ہر آدمی کو غلہ ایک اونٹ کا بھار دیتا ہے اور اس سے زیادہ نہیں دیتا۔ اس دفعہ ہم دس بھار لائے ہیں جو ہماری ضروریات کے لئے ناکافی ہیں اب بن یامین کے ساتھ جانے میں ایک اونٹ کا بھار بھی زیادہ ہو جائے گا۔ اور بادشاہ بھی خوش ہو جائے گا۔

لَنْ أَرْسَلَهُ۔ حضرت یعقوب نے بیٹوں کی تفصیلی درخواست سماعت فرمانے کے بعد ارشاد فرمایا کہ میں بن یامین کو ہرگز تمہارے ساتھ بھیجنے کے لئے تیار نہیں ہوں جب تک کہ تم میرے ساتھ پختہ عہد نہ کرو کہ اس کو ضرور واپس لاؤ گے یا یہ کہ اس کی حفاظت کی خاطر تم سب کے سب اپنی جان تک قربان کر دو گے۔ اور اس تاکید کا مقصد یہ ہے کہ تمہارا تمہارا واپس آکر کوئی عذر پیش کرنا میرے

حَتَّىٰ تَوْتُونَ مَوْثِقًا مِّنَ اللَّهِ لَتَأْتِنِي بِهِ إِلَّا أَنْ يُحَاطِبَكُمْ فَلَمَّا اتَّوهُ

جب تک کہ تم میرے ساتھ اللہ کی جانب سے پکا عہد نہ کرو کہ اس کو ضرور لاؤ گے مگر یہ کہ تم سب مارے جاؤ تو جب انہوں نے

مَوْثِقَهُمْ قَالَ اللَّهُ عَلَىٰ مَا نَقُولُ وَكِيلٌ ﴿٦٦﴾ وَقَالَ يَبْنَئِي لَا تَدْخُلُوا

پختہ عہد کیا (حضرت یعقوب نے) فرمایا کہ ہماری گفتگو پر اللہ وکیل ہے اور فرمایا اسے بیٹو! ایک دروازہ سے

مِنْ بَابٍ وَاحِدٍ وَّادْخُلُوا مِنْ أَبْوَابٍ مُّتَفَرِّقَةٍ ط وَمَا أُغْنِي عَنْكُمْ

داخل نہ ہونا اور متفرق دروازوں سے داخل ہونا اور میں تمہیں اللہ سے نہیں بچا

مِّنَ اللَّهِ مِنْ شَيْءٍ ط إِنَّ الْحُكْمَ إِلَّا لِلَّهِ ط عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَعَلَيْهِ فَلْيَتَوَكَّلِ

سکتا کچھ بھی نہیں حکم مگر اللہ کا اسی پر توکل کرتا ہوں اور اسی پر ہی توکل کرنیوالوں کو

لئے قابل قبول نہ ہوگا۔

تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ انہوں نے حضرت خاتم الانبیاء کے حق کی قسم کھائی اور عہد کیا کہ ہم اس کو بخیریت واپس لائیں گے سب حضرت یعقوب نے بن یامین کو ساتھ لے جانے کی اجازت مرحمت فرمائی۔

وَقَالَ يَبْنَئِي - جب حضرت یعقوب کے بیٹے مصر جانے کے لئے تیار ہوئے اور بن یامین بھی ان کے ہمراہ آمادہ سفر ہوا تو حضرت یعقوب نے اپنے بیٹوں کو ہدایت کی کہ تم اکٹھے ایک دروازہ سے مت داخل ہونا بلکہ الگ الگ دروازوں سے شہر مصر میں داخل ہونا۔ اُس وقت شہر کے چار دروازے تھے۔ پس باپ کی ہدایت کے ماتحت وہ الگ الگ ان چار دروازوں کے ذریعے شہر میں داخل ہوئے۔ کہتے ہیں کہ حضرت یعقوب کے سارے فرزند حسن و جمال اور غریب و جمال میں یکتائے روزگار تھے اور نہایت متمند اور قد آور اور جاذب نظر حسامت و شہامت کے مالک تھے۔ اگر وہ مل کر ایک دروازہ سے گذرتے اور پوچھنے والا پوچھتا کہ یہ کون ہیں۔ اور پھر جواب ملتا کہ یہ سب ایک ہی گھرانے کے چشم و چراغ اور ایک ہی باپ کا سڑیہ زندگی ہیں تو ممکن ہے کسی کی نظر بد ان کا تعاقب کرتی یا کوئی حاسدان کے درپے آزار ہوتا۔ انہی وجود کی بنا پر آپ نے اپنے بیٹوں کو الگ الگ دروازوں سے داخلے کا حکم صادر فرمایا۔

اکثر محققین نظر بد کے بد اثرات کے قائل ہیں۔ ہمارے ملک و وطن میں نظر بد کی بجا اس قدر عام ہے کہ اس کے اثرات کے لئے دلیل و برہان کی ضرورت نہیں کیونکہ کسی امر کا وقوع اس کے عقلی اسکان کی دلیل سے بے نیا ذکر دیا کرتا ہے۔ تفسیر مجمع البیان میں حضرت رسالت مآب سے مروی ہے۔ اِنَّ الْعَيْنَ حَقٌّ وَالْعَيْنُ تَسْتَوِلُ الْحَسَنَاتِ وَتَخْتَبِئُ نَظْرُهَا بِمَا هُوَ صَاحِبٌ بِهَا كِي چوٹی کو بھی گرا دیا کرتی ہے اور حدیث شریف میں جناب رسالت مآب کا حسین شریفین

کو تعویذ کرنا منقول ہے اَعِيْذُكُمْ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّةِ مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ وَهَامَّةٍ وَمِنْ كُلِّ عَيْنٍ لَّامَّةٍ اور مروی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے دو نو بیٹوں کو یہی تعویذ دیا تھا۔ اور اگر کسی شخص کو نظر بد کا تعویذ دیا جائے تو پہلے لفظ اَعِيْذُكُمْ كَمَا كِيْ بَجَائِ اَعُوْذُ لِكَمَا جَائِ۔ اور ایک روایت میں ہے کہ حضرت جبریل جو تعویذ نظر بد کے لئے حضرت رسالت مآب کی خدمت میں لایا تھا وہ یہ ہے۔ بِسْمِ اللّٰهِ اَدْنٰبِكَ مِنْ كُلِّ عَيْنٍ حَاسِدٍ اللّٰهُ يَشْفِيْكَ اور حضور سے یہ بھی منقول ہے کہ اگر کوئی چیز تقدیر سے سبقت کر سکتی ہوتی تو نظر بد تقدیر سے سبقت کرتی۔

علامہ طبری قدس سرہ نے اس کے متعلق سید رضی اعلی اللہ مقامہ کی جو تحقیق انیق پیش فرمائی ہے وہ یہ ہے کہ خداوند کریم اپنی مصلحت کے پیش نظر بندوں کی خیر و صلاح کا انتظام فرماتا ہے۔ اور ہو سکتا ہے کہ ایک کی نعمت کا زوال دوسرے کی مصلحت کے لئے ہو کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اگر اس سے نعمت سلب نہ کی جائے تو وہ دنیاوی منافع میں مغرور ہو کر آخرت سے پہلوتی کر لے گا۔ اور یہ بھی ہوتا ہے کہ اس سے ایک نعمت اچانک سلب کر لینے کے بعد اس کو اسی قسم کی دوسری نعمت عطا فرمادیتا ہے۔ تاکہ ناامیدی دیاس سے بھی بچ جائے اور دنیاوی اشیاء کی محبت میں گرفتار بھی نہ ہو۔ پس خوف ورجاء کے درمیان زندگی کے لمحات بسر کرتا رہے۔ اسی بنا پر بعض اوقات اس کو نعمت رفتہ لگا بدلہ فوری پڑوینا میں نہیں دیا جاتا بلکہ اس کے صبر و حوصلہ اور رضا و ضبط نفس کا امتحان ہوتا ہے۔ اور اس کا بدلہ آخرت پر چھوڑ دیا جاتا ہے۔ پس جناب رسالت مآب سے منقول ہے کہ نظر بد کا ہونا حق ہے۔ اس کی یہی تاویل درست ہے جو ہم نے ذکر کی ہے۔ نیز مروی ہے جس کا ما حاصل یہ ہے کہ لوگوں کے دلوں میں جس شے کی عظمت آجائے خدا اس کو لپیٹ کر دیتا ہے۔ بنا بریں جب کوئی دیکھنے والا کسی شے کو نظر استخوان دیکھے اور وہ چیز اس کو خوب بھا جائے اور اس کی عظمت اس کے دل میں گھر کر جائے تو خدا فوراً اس کی حالت کو تبدیل کر دیتا ہے اور ہر گالے رازوال کا مقولہ آواز خلق نقارہ خدا کی حیثیت رکھتا ہے کیونکہ خداوند عظیم نے اس علل و اسباب کی دنیا میں ہر شے کی بلندی و عظمت کی ایک حد مقرر کی ہے جس سے آگے بڑھنے کا کسی کو حق حاصل نہیں ہے۔ پس جب چیز بلندی و عظمت کو پہنچ جائے تو پھر اس کا زوال ہی متوقع ہو سکتا ہے۔ اور اس کا اچانک منصدہ شہود پر ظاہر ہونا اگرچہ باعث استعجاب و حیرت کن ہوتا ہے لیکن درحقیقت وہ فطرت کی عادی رفتار سے ہوا کرتا ہے۔ اور جس طرح ظاہر میں کمال کے آظری زمین پر پہنچنے کے بعد پستی کی طرف رجوع فطریات میں سے ہے۔ اسی طرح شخصی انظار و افکار کے نتائج کا بھی یہی عالم ہے کہ جو چیز کسی فرد کی نظروں میں یا اس کے دل و دماغ میں کافی عظمت حاصل کر لیتی ہے۔ خدا اس کے سامنے اس کی عظمت کو ختم کر دیتا ہے۔ اور یہ اس کی قدرت غیر فانیہ کا ادنیٰ کرشمہ ہے۔ اور نظیر بد کے اثرات اسی دستور خداوندی کی واضح مثالیں ہیں۔ اسی بنا پر وارد ہے کہ جب کوئی دیکھنے والا کسی شے کے حسن و خوبی پر فریضت ہو اور کوئی شے اس کو لہجائے تو فوراً عظمت پروردگار کو دل میں لائے۔ اور اس شے کو اللہ کی پناہ میں دے اور محمد و آل محمد پر درود بھیجے تاکہ اس کی نظر بد نظر خیر سے بدل جائے کیونکہ خدا کی عظمت کو جھلا کر کسی شے کی عظمت کو دل میں لانا ہی نتائج بد کا موجب ہوتا ہے ہم نے سید رضی اعلیٰ مقام

لَمَّا دَخَلُوا مِنْ حَيْثُ أَمَرَهُمْ أَبُوهُمَا مَأْتُوا كَمَا كَانُوا (۶۷) وَلَمَّا دَخَلُوا مِنْ حَيْثُ أَمَرَهُمْ أَبُوهُمَا مَأْتُوا

توکل کرنا چاہیے اور داخل ہوئے (مصر میں) جہاں سے ان کو باپ نے حکم دیا تھا (یہ صورت حال، ان

كَانَ يُغْنِي عَنْهُمْ مِنَ اللَّهِ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا حَاجَةً فِي نَفْسِ يَعْقُوبَ

کو نہیں بچا سکتی تھی اللہ کی گرفت، سے (اگر وہ چاہتا) لیکن یہ حضرت یعقوب کے دل میں خواہش تھی جو اس نے

قَضَاهَا وَإِنَّكَ لَذُو عِلْمٍ لِمَا عَلَّمْنَاهُ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا

پوری کی اور تحقیق وہ خود بھی اس بات کو جانتے تھے کیونکہ تم نے اس کو علم دیا تھا لیکن اکثر لوگ نہیں

کی عبارت کا تحت اللفظ ترجمہ نہیں کیا بلکہ اپنے انداز سے اُسے وضاحت کے ساتھ پیش کیا ہے اور نظر بد کی تحقیق میں فلاسفہ یونان اور حکماء کی آراء میں کوئی اتفاق نہیں ہے۔ اجمالی طور پر شیخ ابوعلی سینا نے کتاب الاشارات میں صرف یہ لکھا ہے کہ جس طرح بدن میں نفس کے اثرات موجود ہوتے ہیں۔ اسی طرح بعض نفوس کی اپنے بدن سے باہر بھی روحانی تعلق کی بنا پر تاثیر ہو کرتی ہے۔

مَا كَانُوا :- یعنی حضرت یعقوب کے فرزندوں کا مختلف دروازوں میں داخل ہونا ان کو نظر بد یا حسد سے نہیں بچا سکتا تھا۔ پس اگر خدا چاہتا تو باوجود مختلف دروازوں سے داخل ہونے کے ان کو نظر بد یا حسد کی تاثیر بد کا گدقار بنا دیتا اور حضرت یعقوب نے جیسا کہ گذشتہ آیت میں انہوں نے خود اعتراف کیا ہے کہ میں تم کو اللہ کی تقدیر سے نہیں بچا سکتا۔ پس اپنے بیٹوں کو مختلف دروازوں سے داخلے کا حکم صرف اطمینان قلب کے لئے دیا تھا۔

قصہ :- اب دوسری دفعہ حضرت یعقوب کے دس فرزند مصر میں داخل ہوئے۔ بن یامین ان میں شامل تھا۔ اور شمعون کو پہلے سے حضرت یوسف نے اپنے پاس بٹھرایا تھا۔ حضرت یوسف نے ان سب کو اپنے ہاں مہمان کیا۔ جب یہ سب شاہی دسترخوان پر بیٹھے تو حضرت یوسف نے حکم دیا کہ دو بھائی ایک ایک برتن سے کھائیں۔ چنانچہ مادری دو۔ دو بھائی دسترخوان پر اکٹھے بیٹھے گئے اور آخر میں بن یامین بچ گئے۔ آپ نے فرمایا تو اپنے بھائیوں کے ہمراہ دسترخوان پر نہیں بیٹھتا، تو اس نے جواب دیا ان میں سے میرا مادری بھائی کوئی بھی نہیں ہے۔ حضرت یوسف نے دریافت کیا کہ تیرا مادری بھائی کوئی نہیں ہے؟ تو اس نے جواب دیا کہ ایک تھا جس کے متعلق میرے بھائی کہتے ہیں کہ اس کو بھیرے نے کھا لیا تھا۔ حضرت یوسف نے پوچھا کہ تیرے دل میں اس بھائی کی جدائی کا کتنا درد ہے تو اس نے جواب دیا کہ خدانے مجھے گیارہ لڑکے عطا کئے ہیں۔ اور ہر ایک کا نام میں نے اس کے نام سے مشتق کیا ہے تاکہ اس کی یاد تازہ رہے۔ آپ نے فرمایا اگر تیرے دل میں بھائی کی جدائی کا غم ہوتا تو شادیاں نہ رچاتا۔ اور اولاد کی محبت کو خیر باد کہہ دیتا تو اس نے جواب دیا کہ واقعی مجھے شادی سے کوئی دلچسپی نہیں تھی لیکن میرے والد بزرگوار نیک اور خدا رسیدہ بزرگ ہیں۔ وہ فرماتے ہیں شادیاں

يَعْلَمُونَ ﴿٢٨﴾ وَلَمَّا دَخَلُوا عَلَى يُوسُفَ أَوْسَىٰ إِلَيْهِ أَخَاهُ قَالَ إِنِّي

جانتے اور جب یوسف کے پاس پہنچے تو اس نے اپنے بھائی کو اپنے پاس بٹھایا کہنے لگا کہ

أَنَا أَخُوكَ فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿٢٩﴾ فَلَمَّا جَمَّزَهُمُ

میں تیرا بھائی ہوں پس اس پر غم نہ کھاؤ جو وہ کرتے ہیں پس ان کو مطلوبہ جنس دے کر

بجہازہم جعل السقايه في رحل اخيه ثم اذن مؤذن

رخصت کیا تو گلاس اپنے بھائی کے سامان میں رکھ دیا پھر ایک اعلان کرنے والے نے اعلان کیا کہ

کرو تاکہ تمہاری نسل سے خدا کا نام لینے والے پیدا ہوں۔ پس حضرت یوسف نے کہا کہ تم میرے ہمراہ کھانا کھاؤ۔ جب باقی بھائیوں نے دیکھا تو کہنے لگے کہ یوسف اور یوسف کے بھائی پر خدا کا فضل ہے۔ دیکھو بادشاہ نے اس کو دسترخوان پر اپنے پاس بٹھالیا ہے۔

بروایت قمی منقول ہے کہ کنعان سے روانہ ہوئے تو بن یامین نے کھانا پینا بیٹھنا اور بولنا ان سے ترک کیا ہوا تھا جب مصر میں حضرت یوسف کے پاس پہنچے تو حضرت یوسف نے اپنے بھائی کو پہچان لیا اور دریافت کیا کہ کیا تو انکا بھائی ہے؟ اُس نے جواب دیا کہ ہاں۔ تو یوسف نے پوچھا کہ آپ بھائیوں کے ہمراہ کیوں نہیں بیٹھتے؟ اُس نے جواب دیا کہ وہ میرے مادری بھائی کو ایک دفعہ اپنے ساتھ لے گئے تھے۔ اور واپس اپنے ساتھ نہ لائے تھے یہ بیان کرتے ہوئے کہ اس کو بھیڑ یا کھا گیا ہے۔ میں نے اُس روز سے تم کھالی ہے کہ تازنگی ان سے الگ رہوں گا۔ انہی

لَمَّا دَخَلُوا: جب حضرت یوسف کے پاس پہنچے اور انہوں نے ہر دو مادری بھائیوں کو الگ الگ رکوع ۳ کھانا پیش کیا تو بن یامین کو اپنے ساتھ بٹھالیا کہ اگر ان میں سے تیرا مادری بھائی کوئی نہیں تو چلے میں تیرا بھائی ہوں۔ اور ایسے انداز سے فرمایا کہ وہ اس فقرہ کو حقیقی تعارف پر محمول نہ کر سکے بلکہ دعویٰ برادری کو دہرائی پر ہی محمول کرتا رہے اور راز فاش نہ ہو۔

السقايه: پانی پینے کا گلاس مراد ہے جو ایام قحط میں خرید و فروخت کے لئے وقتی طور پر پیمانہ استعمال ہوتا تھا۔ اس لئے اس کو صواع سے بھی تعبیر کیا گیا ہے۔

موسیٰ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے اشارے سے ملازمین نے وہ چمیانہ بن یامین کے سامان میں رکھ دیا تھا جب وہ سامان لے کر وداع کر کے روانہ ہوئے تو اس چمیانہ کی کم شدگی کا راز کھلا اور ادھر ادھر تلاش شروع ہوئی چنانچہ اسی سلسلہ میں جاتے ہوئے قافلہ کوچی روک لیا گیا۔ قافلہ والوں نے وجہ پوچھی تو کہا گیا کہ شاہی چمیانہ کم ہے۔ اور جو شخص وہ تلاش

آيَتَهَا الْعَيْرُ اِنَّكُمْ لَسَارِقُونَ ﴿٤٠﴾ قَالُوا وَاَقْبَلُوا عَلَيْهِمْ مَاذَا

اے قافلہ والو! تحقیق تم چور ہو انہوں نے ان کی طرف متوجہ ہو کر پوچھا کہ تمہاری کیا چیز

تَفْقِدُونَ ﴿٤١﴾ قَالُوا نَفَقْدُ صَوَاعَ اَمْلِكِ وَلِمَنْ جَاءَ بِهِ

گم ہے؟ تو کہنے لگے کہ بادشاہ کا گلاس، اور جو ڈھونڈ لائے گا اس کو اونٹ کا

حِمْلٌ بَعِيرٌ وَاَنَا بِهِ زَعِيمٌ ﴿٤٢﴾ قَالُوا تَاللّٰهِ

ایک بھار دیا جائے گا اور میں اس کا ضامن ہوں کہنے لگے بخدا

کر کے لائے گا اس کو ایک بھار غلامزید بطور انعام کے دیا جائے گا۔ اور اعلان کرنے والے نے اپنی ضمانت دے دی۔
آيَتَهَا الْعَيْرُ: عیر اصل میں تو اس قافلہ کو کہتے ہیں جس میں بار برداری کا انتظام گھوڑوں کے ذریعے سے ہو لیکن ہر قافلہ پر مجازاً یہ
لفظ بولا جاتا ہے۔ اس مقام پر مناد می محذوف ہے اصل میں اہل العیر تھا یعنی اے قافلہ والو!

اِنَّكُمْ لَسَارِقُونَ: بروایت ہشام بن حکم حضرت امام جعفر صادق سے منقول ہے کہ قافلہ والوں نے چوری نہیں کی تھی۔ اور
حضرت یوسف کی جانب سے ان کو چور کہنے والے بھی دروغ گو نہیں تھے اس لئے کہ گلاس کی وجہ سے نہیں بلکہ باپ سے حضرت

یوسف کو چرانے کے سبب سے ان کو چور کہا جا رہا تھا۔ اور یہی وجہ ہے کہ حضرت یوسف کے ملازمین نے جواب دیا تھا کہ
شاہی پیمانہ گم ہے یہ نہیں کہا تھا کہ تم شاہی پیمانہ کے چور ہو۔ اور یہ فعل اگرچہ بظاہر حضرت یعقوب علیہ السلام کے غم و غم میں اضافہ

کا موجب تھا لیکن درحقیقت وصل و وصال کا بہانہ اور دائمی سرور کا پیش خیمہ تھا۔ اس لئے اس کے جواز بلکہ استجاب میں کوئی
شک نہیں ہے۔ اور تفسیر برہان میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ یہ پیمانہ سونے کا تھا اور جب اس کے

ساتھ غلہ کا ماپ ہوتا تھا تو اس سے نہایت شیریں لہجہ میں یہ کلمہ صادر ہوتا تھا۔ لَعَنَ اللّٰهُ الْخَوَانَ كَا تَخُونُو اَبَد۔
(خیانت کرنے والے پر خدا کی لعنت ہے خیانت نہ کرنا)

جواز تَقِيَّةٍ: تفسیر برہان میں بروایت ابوصیر امام جعفر علیہ السلام سے منقول ہے التقيہ من دين الله
یعنی تقيہ کرنا اللہ کا دین ہے۔ راوی نے پوچھا کیا تقيہ کرنا اللہ کا دین ہے؟ تو آپ نے فرمایا خدا کی قسم اللہ کا دین ہے دیکھو

حضرت یوسف نے کہا اے قافلہ والو! تم چور ہو حالانکہ وہ چور نہ تھے۔

تقيہ اور توریہ دو لفظیں ہیں۔ اور ہر ایک کا مطلب بھی جدا جدا ہے۔ دینی مصلحت کی بنا پر خلافت واقع بات کو ظاہر
کرنا یا یہ کہ دل میں ایمان کی شمع فروزاں ہوتے ہوئے جان و مال و ناموس کی حفاظت کی خاطر کلمہ کفر کہہ دینا جیسا کہ حضرت

عمار کے متعلق تمام تاریخوں میں موجود ہے۔ اور جناب رسالت مآب نے عمار کے اس فعل پر رضامندی کا اظہار فرمایا تھا
بلکہ ایسے مواقع پر آئندہ کے لئے بھی اس عمل کی اجازت دی تھی۔ چنانچہ کتب صحاح اہل سنت میں موجود ہے اور

دنیا میں حسن کے لحاظ سے بے نظیر پیدا کیا ہے۔ اور شانیا یہ کہ شہر مصر میں مجھ جیسی کوئی حسین و جمیل عورت نہیں تھی اور نہ مجھ سے کوئی زیادہ مالدار تھی۔ بائیں ہنر مجھے جو شوہر ملا وہ نامرد تھا۔ حضرت یوسف نے فرمایا اب تیرے دل میں کوئی خواہش ہے؟ تو اس نے جواب دیا۔ ہاں۔ اور وہ یہ کہ آپ خدا سے دعا کریں کہ وہ مجھے جوانی پلٹا دے۔ چنانچہ حضرت یوسف کی دعا سے خدا نے اس کو دوبارہ جوانی پلٹا دی۔ اور حضرت یوسف نے اس سے شادی کر لی۔ اور بعض روایات میں ہے کہ حضرت یوسف کے زلیخا کے بطن سے دو لڑکے پیدا ہوئے ایک کا نام افرائیم اور دوسرے کا نام بلشاش تھا۔

وَكَذَٰلِكَ يُوسُفَٰنَا كَآيَاتِنَا لَعَلَّآ تَعْقِلُونَ
حضرت یوسف کی حکومت
 حُسن کار کردگی اور دیانت سے بادشاہ کے دل و دماغ پر ان کا تسلط ہو گیا تو بروایت ابن عباس سوال ولایت کے پورے ایک سال بعد بادشاہ نے ان کو خود اپنے پاس بلایا اور اپنی روائتوں اور تاج ان کے سپرد کر دیا اور حکم دیا کہ دو دیوتوں سے مرصع سونے کا تخت نصب کیا جائے جس پر ریشم و بخل کافر شش بچھایا جائے اور یوسف سے کہا کہ تاج سر پر رکھ کر تخت شاہی کو رونق دیجئے چنانچہ حضرت یوسف شانہ تاج سر پر رکھ کر تشریف لائے آپ کا چہرہ اس قدر صاف و شفاف و نورانی تھا کہ زیارت کرنے والے کو یوسف کے منہ سے اپنا منہ نظر آتا تھا۔ جس طرح شیشے سے اپنی شکل نظر آتی ہے پس تخت مصر پر جلوہ لگن ہوئے تو اطراف و نواح کے تمام چھوٹے چھوٹے حکمران خود بخود ان کے سامنے سرنگوں ہو گئے اور حکومت عدل و انصاف کو اس طرح قائم کیا کہ رعایا کے تمام زن و مرد ان کے گرد بیٹھ گئے پس بادشاہ سابق خود بھی مسلمان ہو گیا اور رعایا میں بھی اسلام پھیل گیا۔

کتب تفسیر میں ہے کہ حضرت یوسف نے اپنے حسن و تدبیر سے سرسبز و شادابی کے سالوں میں بچت کو جمع کرنا شروع کر دیا۔ انبار اور خزانے تعمیر کرائے جس میں غلہ اور نقدی ہیں انداز کی جاتی تھی۔ حتیٰ کہ سات سال کے عرصہ میں انبار چھڑ گئے۔ اب جو قحط کا زمانہ آیا تو حضرت یوسف نے ہر سال کی بچت کو علی الترتیب بیچنا شروع کر دیا۔ پہلے سال لوگوں نے غلہ خرید کر کے درہم و دینار شاہی خزانہ کے حوالہ کئے۔ حتیٰ کہ مصر کے تمام زیورات و جواہر شاہی خزانہ میں پہنچ گئے۔ پھر تیسرے سال حیوان و مویشی غلہ کے بدلہ میں حضرت یوسف کے قبضہ میں آ گئے۔ اور چوتھے سال غلاموں اور لونڈیوں کے بدلہ میں آپ نے غلہ فروخت کیا حتیٰ کہ کسی کے پاس کوئی غلام و لونڈی نہ بچی۔ پھر پانچویں سال گھروں اور جائیدادوں کو آپ نے غلہ کے بدلہ میں خرید لیا۔ اور چھٹے سال نہریں اور کھیتیاں غلے کے بدلہ میں خرید لیں۔ اور ساتویں سال خود لوگوں نے اپنی گردنیں اور جانیں حضرت یوسف پر غلہ کے عوض میں بیچ دیں۔ اب مصر اور اُس کے گرد و نواح میں تمام آزاد و غلام حضرت یوسف کے غلام بن چکے تھے اور لوگوں میں یہ چرچا تھا کہ ہم نے نہ کوئی بادشاہ دیکھا نہ سنا ہے جو ہمارے بادشاہ کی طرح حکمت و تدبیر اور علم و کمال میں وسعت رکھتا ہو۔ پس حضرت یوسف نے بادشاہ سابق کو اپنے پاس طلب کیا اور فرمایا تم دیکھتے ہو جو خدا نے مجھے ملک مصر اور اس کی اہل حکومت بخشی ہے۔ اب تم مشورہ دو کہ مجھے کیا کرنا چاہیے؟ میں نے ان کی اصلاح اس لئے نہیں کی کہ ان کو نقصان دوں اور ان کو

۴ حتیٰ کہ مصر میں کسی کے پاس درہم ربانہ دینار تو دوسرے سال لوگوں نے زیورات و جواہر کے بدلہ میں گندم خرید کی۔

مَكَانًا لِيُوسَفَ فِي الْأَرْضِ يَتَّبِعُونَ مَا حَيْثُ يَشَاءُ ط نَصِيبٌ

ہم نے حکومت دی یوسف کو زمین میں تاکہ تصرف کریں اس میں جس طرح چاہیں پہنچاتے ہیں

بِرَحْمَتِنَا مَنْ لَشَاءُ وَلَا نَضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ ﴿۵۶﴾ وَ

ہم اپنی رحمت جسے چاہیں اور ہم نہیں ضائع کرتے احسان کرنے والوں کا اجر اور

لَا جُزْءَ الْآخِرَةِ خَيْرٌ لِلَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ ﴿۵۷﴾ ع

آخرت کا اجر بہتر ہے ان لوگوں کے لئے جو ایمان لائیں اور تقویٰ رکھیں

قطع کی صیبت سے اس لئے نہیں چھڑایا کہ خود ان کے لئے وبال بن جاؤں۔ بادشاہ نے جواب دیا کہ اس کے بارے میں آپ خود مختار ہیں جو چاہیں کریں۔ میرا اس میں کوئی دخل نہیں ہے تو آپ نے فرمایا میں اپنے اللہ کو اور تجھے گواہ کرتا ہوں کہ میں نے تمام مصروفیوں کو آزاد کیا ہے اور ان کے مال و غلام سب ان کو واپس کئے ہیں۔ اور تجھے بھی اپنی ٹہنخت و تاج واپس کرتا ہوں اس شرط پر کہ تو میری سیرت پر چلے اور میرے ہی حکم سے فیصلہ کرے۔ بادشاہ نے جواب دیا کہ میرے لئے باعث صداقتیخار اور خوش بختی ہے کہ آپ کی سیرت کو اپنائوں اور آپ کے حکم کو مشعل راہ قرار دوں اور میں یقین کرتا ہوں کہ آپ نہ ہرتے تو میں ان قطع سالیوں کا مقابلہ کرنے سے قاصر ہوتا اور مجھے اس مسئلہ کا حل یقیناً معلوم نہیں ہو سکتا تھا جو آپ نے کیا ہے۔ میں نے آپ کو ہی اپنا حاکم و پیش رو تسلیم کر لیا ہے۔ اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ وحدہ لا شریک ہے اور تو اس کا رسول ہے پس آپ اپنے عہدہ پر قائم رہیں۔ میں آپ کو حاکم و امین سمجھتا ہوں۔ اور منقول ہے کہ حضرت یوسف خود قطع کے ایام میں پٹ بھر کر کھانا نہیں کھاتے تھے جب آپ سے سوال کیا جاتا تھا کہ آپ بھر کے کیوں رہتے ہیں حالانکہ آپ کے ہاتھ میں زمین کے خزانے ہیں؟ تو آپ جواب میں ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ میں ڈرتا ہوں کہیں ایسا نہ ہو کہ خود شکم سیر ہو کر بھوکوں کی خبر گیری سے غافل ہو جاؤں۔

حضرت امام رضا علیہ السلام پر جب مامون کی جانب سے دلی عہدی کو قبول کر لینے پر اعتراضات کئے گئے تو آپ نے جواب میں حضرت یوسف علیہ السلام کا ولایتِ معہ کو قبول کرنا بلکہ خود خواہش کرنا آیتِ قرآنی کی رو سے پیش کر کے ان کو خاموش کیا کہ ضرورت و وقت کے ماتحت رعایا میں عدل و انصاف کو قائم کرنے کے لئے اور مظلوموں کی فریاد رسی اور احکام شرعیہ کے نفاذ کے لئے ایسا کرنا جائز ہے بلکہ بعض اوقات واجب بھی ہو جاتا ہے جب کہ اس کے بغیر جانی و مالی نقصان کا خطرہ ہو۔ بلکہ ایک روایت میں آپ سے منقول ہے کہ مجھے دلی عہدی کے قبول کرنے اور قتل ہونے میں اختیار دیا گیا تھا پس میں نے قتل سے بچنے کے لئے دلی عہدی کو بدلنا خواستہ قبول کر لیا۔

حکومت و سلطنت۔ موقع کی مناسبت اور محل کی موزونیت کے پیش نظر حکومت و ولایت عامہ کے متعلق مختصر اور

جامع بائیں پیش کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ اس میں شک نہیں کہ تمدن کی بقا و ارتقاء کا راز اسی میں مضمر ہے کہ انسان مجموعی طور پر سلطان و رعایا کی حیثیت سے نظام حیات کو قائم کریں۔ پس جس طرح اس سلسلہ میں سلطان و حاکم پر کچھ ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔ اسی طرح رعایا پر بھی اپنی نوعیت سے کچھ ذمہ داریاں ہیں۔ اور جب تک سلطان و رعایا یکساں طور پر اپنے آپ پر عائد شدہ ذمہ داریوں کا احساس نہ کریں۔ اور ان سے عہدہ براہونے کی کوشش نہ کریں تو تمدنی ارتقاء تو بجائے خود اس کی بقا بھی معرض خطر میں پڑ جاتی ہے۔ اگر رعایا بادشاہ سے متنفر اور بادشاہ رعایا سے غیر مطمئن ہو تو ایسی سلطنت و حکومت کی کشتی ہمیشہ گرداب و جھنور میں جھکولے کھاتی رہتی ہے۔ اور سکون و چین کی زندگی کسی کو نصیب نہیں ہوتی۔ اور ان دونوں میں سے اہم ذمہ داری بادشاہ پر عائد ہوتی ہے۔ اور رعایا کی تمام تر ذمہ داریاں سلطان وقت کی اہم ذمہ داری کے نتائج و اثرات کی حیثیت رکھتی ہیں۔ اسی بنا پر کہا جاتا ہے۔ **النَّاسُ عَلَى دِينِ مُلُوكِهِمْ** یعنی لوگ بادشاہوں کے دین کے تابع ہوا کرتے ہیں۔ پس اگر بادشاہ اپنے آپ پر عائد شدہ ذمہ داریوں سے کما حقہ عہدہ براہونے کو کوئی وجہ نہیں کہ رعایا کو اپنی ذمہ داریوں کا احساس نہ ہو۔

دیکھیے اس مقام پر سلطان اور حکمران کے سامنے دو نظریے ہوتے ہیں جو سلطان و رعایا کے درمیان اعتماد قائم رکھنے یا بد اعتمادی کو جنم دینے کے موجب ہیں۔

(۱) قانون کی حکومت کو قائم کرنا اور اس کی بدل و جان پاسداری کرنا (۲) قانون پر حکومت قائم کرنا اور قانون کو اپنے پاؤں کے نیچے کھیل کر رکھنا۔ پہلی صورت میں قانون کی بالادستی کی حفاظت و نگرانی سلطان کا فرضیہ ہے۔ اور دوسری صورت میں قانون پر اپنی بالادستی کو قائم رکھنا سلطان کا نظریہ ہے۔ پس اگر سلطان پہلے نظریہ کا حامی ہو تو اس کے ماتحت جملہ آفسران اور جملہ شعبہ جات حکومت کے عہدہ داران لازمی طور پر اسی نظریہ کے حامی ہوں گے کیونکہ انہیں سلطان وقت کی گرفت کا خطرہ ہوگا اور اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ رعایا کے دلوں سے سلطان و حاکم کی جانب سے خوف و ہراس اٹھ جائے گا۔ وہ از خود قانون کو قانون سمجھنے لگیں گے اور قانون کا احترام ان کے دلوں کی گہرائیوں میں خود بخود اترتا چلا جائے گا۔ اور قانون کا مخالف ان کے نزدیک معاشرہ کا دشمن قرار پائے گا۔ پس امن و سکون کی لہر دلوں کو اطمینان کا شہدہ دے گی۔ اور ملک و قوم کے لئے ارتقائی منازل کی طرف قدم بڑھانا نہایت سہل ہوگا۔ ایسی صورت میں حکمران طبقہ رعایا سے پوری طرح مطمئن ہوگا اور حکومتی منصوبے نہایت تیزی کے ساتھ پایہ تکمیل تک پہنچ سکیں گے جس کے نتیجے میں دوسری اقوام پر اس کے وقار کا سکہ قائم ہوگا اور کوئی قوم اس کی آنکھ میں آنکھ ملانے کی جرأت نہ کر سکے گی لیکن اگر خدا نخواستہ بادشاہ وقت اور کوہی اقتدار سنبھالنے والا دوسرے نظریہ کا علمبردار ہو یعنی یہ کہ اقتدار کو قانون پر بالادستی قائم کرنے کا ذریعہ سمجھے تو اطراف و اکناف مملکت میں جملہ آفسران و عہدہ داران میں یہی رُوح پرورش پائے گی۔ اور ہر شخص جب کسی عہدہ کی طرف لپچائی ہوئی نظروں سے دیکھے گا تو اسی نظریہ کے ماتحت کہ مجھے کسی حد تک قانون پر بالادستی حاصل ہو۔ اور میں قانون کی وجہیں اڑانے پر قادر ہو جاؤں تاکہ عوام کو قانون کے بہانہ سے اپنے استبداد کے شکنجے میں جکڑنے پر یتمکن ہو کر اپنی عیاشیوں کو فروغ دے سکوں۔ اور ملک و قوم کی دولت

پر ہاتھ صاف کر کے اپنی آئینہ نسلوں کے لئے بھی عیاشی کی راہیں ہموار کر لوں۔ تو یقین سمجھئے کہ جب سلطان کا یہ نظریہ ہو اور آئینہ ان وعہدہ داران کا یہ مطمح نظر ہو تو ناممکن ہے کہ رعایا کے دل ان کی طرف سے صاف ہوں بلکہ وہ حاکم وقت کو ایک خوشخوار و زندہ کھین گے۔ اور ہر وقت اس کے ہاتھ سے اقتدار کے چھن جانے کے منتظر رہیں گے۔ ایسی صورت میں نہ حکمران کو چین کی زندگی نصیب ہوگی۔ اور نہ رعایا میں اطمینان و سکون ہوگا نہ کوئی حکومتی منصوبہ پایہ تکمیل کو پہنچے گا۔ نہ ملک و قوم کا وقار بلند ہوگا نہ شاہراہ ترقی پر قدم رکھنے کی کسی کوشش ہوگی اور نہ کسی ملک و قوم میں ان کو عزت کی نگاہ سے دیکھا جائے گا بلکہ بیرونی طاقتیں ان پر اپنی لہجائی ہوئی نظریں ڈالیں گی۔ اور ہو سکتا ہے کہ کسی وقت اقتدار کا تختہ الٹ جائے اور انقلاب کا زبردست سیلاب سب خشک و تر کو اپنے دھارے میں بہا کر لے جائے۔

اس میں شک و شبہ نہیں کہ عدل کمزور حکومتوں کی قوت ضعیف قوموں کی طاقت۔ گننام مالک کی شہرت حکومت عدل | متفرق جماعتوں کی باہمی الفت۔ خوف زدہ فرقوں کی ہمیت۔ نادار اقوام کی ثروت و دولت۔ ذلیل لوگوں کی عزت۔ پس ماندہ قوموں کی علمی خلعت اور وحشی اقوام کی تمدن سے مانوسیت کا واحد ذریعہ ہے۔ چنانچہ جب حضرت داؤد علیہ السلام کو حکومت و خلافت عطا ہوئی تو ارشاد ہوا لوگوں کے درمیان عدل کے فیصلے کرنا۔ اور جملہ سلاطین پر تمام فرائض سے اہم فریضہ عدل ہے۔

کہتے ہیں ایک مرتبہ نو شیردان بادشاہ پر پیاس کا غلبہ ہوا۔ تو ایک باغ میں پہنچا۔ باغبان نے ایک انار کے دانہ کو اس کے لئے پھونچا۔ جس سے پیالہ چر ہو گیا۔ بادشاہ نے سیر ہو کر پیالہ میں خیال آیا کہ اس باغ کی آمدنی زیادہ ہے لہذا اس کے خراج کو بڑھایا جائے تو رخصت ہوتے وقت ایک دوسرے انار کو پھونچنے کا حکم دیا لیکن اس مرتبہ رس بہت تھوڑا نکلا۔ بادشاہ نے اس کا سبب دریافت کیا چونکہ باغبان کو معلوم نہ تھا کہ یہ بادشاہ ہے۔ اس نے جواب دیا کہ شاید بادشاہ نے عدل و انصاف کو ترک کرنے اور ظلم کا رویہ اختیار کرنے کا ارادہ کر لیا ہے جس کی وجہ سے برکت چلی گئی ہے۔

کہتے ہیں ایک دفعہ سلطان سبکتگین نے چین یا ہند کے بادشاہ کو خط لکھا تھا کہ تم لوگ کافر ہو اور ہم مسلمان ہیں۔ لیکن کیا وجہ ہے کہ تمہاری عمریں طویل ہیں اور ہماری زندگیاں کوتاہ ہیں تو کافر بادشاہ نے سلطان کے چھٹی رساں کو قید کر لیا اور کہا کہ میں تجھے اس وقت خط کا جواب دوں گا جب سامنے والا پھیل دار درخت خود بخود اپنی جڑوں سے اکھڑ کر گر جائے۔ وہ شخص سخت پریشان ہوا۔ اور شب و روز اسی فکر میں قید کی زندگی بسر کرتا رہا۔ آخر ایک رات سخت دھماکے کی آواز سنی لوگ ادھر ادھر منتشر ہوئے معلوم ہوا کہ وہی درخت خود بخود جڑوں سے اکھڑ کر زمین پر آگرا ہے۔ وہ خوش ہوا۔ اور بادشاہ نے اسے رہا کر کے سلطان سبکتگین کی طرف یہ پیغام بھیجا کہ دیکھو جب ایک مظلوم کی درو بھری فریاد ایک بڑے ستار دار درخت کو جڑوں سے اکھڑ سکتی ہے تو کثیر التعداد مظلوم رعایا کی سرد آہیں اور ان کی مظلومانہ فریادیں کیوں نہ ظالم حکمرانوں کی عمروں کو کاٹ دیں۔

اس میں شک نہیں کہ جب ایک زمانہ تک عدل کو ترک کیا جائے تو طبیعتوں میں ظلم رچ جاتا ہے اور لوگ ایک دوسرے کے دشمن بن جاتے ہیں۔ حالانکہ وہ بھائی بھائی ہوتے ہیں۔ ایسی صورت میں طاقتور لوگ درندے بن جاتے ہیں اور صاحبان اقتدار خود بخوار بھیتوں کا لباس پہن لیتے ہیں۔ پس کزور رعایا کی حیثیت لاغر بھیتوں یا کمزور اونٹوں کی سی رہ جاتی ہے۔ جس کے ہاتھ میں ڈنڈا ہو۔ ان کو اپنے آگے لگائے۔ ان میں مجال انکار نہیں رہتی۔ پس ہر شخص اقتدار کی متناصف درندہ بننے کے لئے ہی کرتا ہے۔ اور ایسی حالت میں لوگ انسانوں کی سی شکل میں چلتے پھرتے درندے ہی ہوا کرتے ہیں اور ہر کمزور ہر طاقتور سے ہراساں و ترساں ہوا کرتا ہے۔ اور شریف ترین وہی سمجھا جاتا ہے جس میں درندگی کی صفات دوسروں سے زیادہ ہوں۔

اگر باور نہیں سے لے کر سر پر آرائے مملکت تک سب کے سب یکساں طور پر اس مرض کی لپیٹ میں آجائیں تو وہ دن دور نہیں کہ درندہ شیران کی حدود کے آس پاس آکر گونجیں اور طاقت در عقاب دور سے آکر ان کے سروں پر منڈلانے لگیں پس نہ فیصلیں کام آئیں گی۔ اور نہ حفاظتی دستے ساتھ دیں گے۔ کسی کی چالوسی اور بشارت سے دھوکہ نہ کھائیے۔ ممکن ہے وہ موقع کی تاڑ میں ہو۔ قدم میں لغزش آتے ہی وہ گردن پر سوار ہو جائے گا۔

ہر مملکت کے ارباب حل و عقد کو عدل و انصاف کا علم بلند کرنا چاہیے۔ انہیں اقتدار کو قانون کا نگران و محافظ سمجھنا چاہیے نہ کہ قانون پر بالادستی قائم کرنے کا ذریعہ پس اپنے آپ کو بھی قانون کی حدود کا پابند سمجھیں۔ اور تمام عملے کو اس کا پابند کرنا اپنے فرائض میں سے اہم فریضہ سمجھیں۔ اور عدل و انصاف کے تقاضوں پر عمل نہ کرنے والے ظالم اور درندہ صفت افسروں کو برطرف کر کے انہیں عبرت ناک سزائیں دیں کیونکہ زمین میں ظالم کا وجود اس طرح ہے جس طرح بدن میں عضو فاسد۔ اور بہتر یہی ہے کہ وہ عضو فاسد جو ناقابل علاج ہو اسے کاٹ دیا جائے تاکہ دوسرے تندرست اعضاء تک اس کی بیماری سرایت نہ کرنے پائے۔

تک کے لئے اس مقام پر حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام کے کلام سے کوئی دوسرا کلام موزوں تر نہیں ہے۔ آپ نے حقوق الناس کو پوری تفصیل سے بیان کرتے ہوئے اپنے ایک خطبہ میں ارشاد فرمایا

کلام اکامام

ان تمام حقوق میں سے نہایت اہم بادشاہ و رعایا کے ایک دوسرے پر حقوق ہیں جن کو دینی وقار اور باہمی انس کے کلی نظام کو برقرار رکھنے کے لئے خدا نے بندوں پر واجب کیا ہے کیونکہ رعایا کی اصلاح حکام کی اصلاح کے بغیر ناممکن ہے۔ اور حکام کی بہتری رعایا کے تعاون اور ان کی وفاداری کے بغیر ایک ناشدنی امر ہے۔ اور اس میں شک نہیں کہ رعایا کے دلوں میں حکام کے حقوق کا احساس ہو۔ اور حکام رعایا کے حقوق کے پاسبان ہوں تو عدل و انصاف کا علم بلند ہوگا۔ قوم و ملک میں چین و سکون اور امن و اطمینان کی پرہیز اور روح آفرین زندگی کا سماں ہوگا۔ ایسا دور قابل رشک دور ہوگا۔ اور ایسی حکومت بہترین حکومت ہوگی۔ اور ایسی صورت میں حکومت کے بدخواہوں کی ادھی نظریں قعر بایس میں خود بخود دب جائیں گی۔ اور بخلاف اس کے اگر رعایا حکام سے دل برداشتہ ہوں۔ اور حکام رعایا کو زیر پا رکھ کر کھلنا اپنا کمال سمجھیں تو نتیجہ باہم آویزی ہوگی۔ ظلم و جور کے راستے کشادہ ہو جائیں گے۔ خود غرضی کا دور ہوگا۔ احکام معطل ہوں گے۔ دل میلے ہوں گے۔ اور بڑی سے بڑی حق تلفی کا ذرہ بھر احساس نہ رہے گا۔ پس شریف،

ذلیل اور کھینچنے یا وقار ہوں گے۔ آپ نے فرمایا حکمرانوں کی فخر شناری اور تکبر مزاجی عدل و انصاف کے آئینہ میں ایک انتہائی گھٹیا پن کو دار ہے۔

اور مجھے قطعاً خوشامد پسند اور اپنی تعریف کا دلدادہ خیال نہ کرو۔ بالفرض اگر مجھے اپنی ثنا پسند بھی ہوتی تب بھی میں اس کو اللہ کے لئے تو اضع کرتے جوئے چھوڑ دیتا۔ کیونکہ عظمت و کبر بانی صرف ذات اقدس الہیہ کے لئے ہی زیبا ہے۔ بعض لوگ اپنی تعریف سن کر لذت محسوس کرتے ہیں لیکن میں ایسا نہیں ہوں۔ تم لوگ میری تعریفیں نہ کیا کرو۔ تاکہ میں اللہ کی جانب سے اور تمہاری طرف سے اپنے اوپر عائد شدہ ذمہ داریوں سے صحیح طور پر عہدہ برآ ہو سکوں۔ مجھے جابر حکمران نہ سمجھو اور مجھ سے جلد باز و جذباتی قسم کے حکمرانوں کے طرز عمل کی توقع نہ رکھو۔ لہذا نہ میری خوشامد کرو۔ اور نہ مجھ سے خوف و ہراس کرو۔ اور نہ میری طبیعت پر سچی بات کا لوجھ ہوتا ہے اور نہ میں بڑائی کا خواہش مند ہوں۔ جو شخص کلہاڑی سے نہیں سکتا وہ اس پر عمل کیسے کر سکتا ہے۔ لہذا تم لوگ مجھے سچی بات کہنے میں کوئی جھجک محسوس نہ کرو۔ اور نہ مجھے اپنا مشورہ دینے سے گھبرادو۔ کیونکہ میں بذات خود قولی یا فعلی طور پر خطا سے اپنی ذات کو مستثنا نہیں کرتا۔ جب تک کہ اللہ کی جانب سے کفایت نہ ہو (میری عصمت اللہ کا ہی عطیہ اور وہی ہے نہ کہ کسی) میں اور تم اس ایک رب کے عبد و مملوک ہیں جس کے علاوہ کوئی دوسرا رب نہیں۔ ہمارے نفوس کا جس طرح وہ مالک ہے ہم نہیں۔ اس نے ہمیں ناموزوں حالت سے موزوں و مناسب حالت پر پہنچایا ہے۔ انتہی بقدر الحاجت ملخصاً۔

آپ کے بلند پایہ کلمات پر غور کیجئے کس طرح اچھوتے انداز اور نرالے طرز بیان سے آپ نے حکمرانوں کو ایک بہترین دستور العمل عطا فرمایا۔ تاکہ فخر و تکبر خواہش و حبت نفس اور خود غرضی و نفس پرستی کے پیش نظر وہ اپنے تئیں بھول و چوک سے بلند نہ سمجھیں۔ وہ اپنے ہر حکم کو درست، ہر رائے کو صائب اور ہر من مائے تصرف کو جائز اور بر عمل قرار نہ دیں۔ کیونکہ طبع بشری کا مقتضای غلطی کا سرزد ہونا۔ پس مملکت کی تیر خواہی کے لئے ہر چوڑ توڑ میں ایسی مجلس مشاورت کی ضرورت ہے جس کے ممبران با عقل و درائن بلند حوصلہ عالی ہمت اور اغراض صحیحہ کے حامل ہوں۔

نورینک جملہ سلاطین و ملوک بلکہ ہر صاحب اقتدار و با اختیار افسر و عہدہ دار پر لازم ہے کہ حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام کی فرائض کو گوش ہوش سے سُنئے۔ اور چہم بصیرت سے اس کا مطالعہ کرے۔ اور اسی کے مضمون کو اپنا لائحہ عمل قرار دے۔ اسی گھاٹ پر اپنی جہان بینی و حکمرانی کی پیاس بجھائے۔ اور اسی طرز پر ملک رانی کے دستوروں کی تشکیل کرے۔

خدا کی قسم اگر زمین پر اس قسم کی حکومت قائم ہو جائے تو زمین خدا اس کا گوارا نہ بن جائے۔ اور یہ تب ہی ہو سکتا ہے جب صلحان اقتدار اقتدار کو خدمت قوم و ملک کی خاطر قانون کی پاسبانی و نگہداری کا وسیلہ قرار دیں۔ اور رعایا سے پہلے خود اپنے نفسوں کا جائزہ لے کر انہیں قانون کی زنجیروں میں جکڑنے کی کوشش کریں تاکہ رعایا کے دلوں میں ان کی عظمت پیدا ہو۔ اور باہمی انس و محبت ملک و قوم کی فلاح بقا اور ارتقاء کا پیش خیمہ ہو۔ لیکن کیا کیا جائے جب قانون بھی خود ساختہ ہو۔ قانون دان بھی خود ساختہ ہو اور حکمران بھی خود ساختہ ہو تو عدل و انصاف اور خیر خواہی و بھلائی کا تصور خواب پریشان کے سوا اور کیا وقعت رکھتا ہے؟ یہی وجہ ہے کہ

نقانون دان کے دل میں قانون کا احترام ہے۔ اور نہ حکمران کے قلب میں قانون کی وقعت ہے۔ پس قانون صرف تجلیل خواہشات اور عیاشی کی بجالی کے لئے صاحبان اقتدار کے پاس کمزور عوام کے سروں کو کھینچنے کا ہتھیار ہے۔ ایسی صورت میں امن کہاں سے آسکتا ہے؟ ہاں اگر قانون انسانی دسترس سے بالاتر ہو۔ حکام و رعایا سب کے دلوں میں اس کا احترام ہو۔ حکام اپنے آپ کو اس کا پاسبان سمجھیں۔ اور عوام اس کی رعایت کرنا اپنا ایمان سمجھیں تو باہمی انس و محبت کی راہیں بھی ہموار ہو سکتی ہیں۔ اور عدل و انصاف کا علم بھی لہرایا جاسکتا ہے۔ آہ خدا اس دور کو جلد لائے جب عدل کی بساط بچھے اور حاکم عادل مندر حکومت پر جلوہ گر ہو۔ ہائے کس قدر پرکیت ہو گا وہ دور جو کان سننے میں اور کس قدر پُر آشوب ہے یہ دور جس کو آنکھیں دیکھتی ہیں۔

مذہبی اصطلاح میں حکومت جو رسے ہر وہ حکومت مراد ہے جس میں قانون اسلام یعنی قرآنی احکام نافذ نہ ہوں اور اس حکومت پر **حکومت جور** کا سربراہ امام عادل یا اس کا قائم مقام نہ ہو۔ اور ایسی حکومتوں میں حصہ لینا اور ان کی اس سلسلہ میں اعانت کرنا درست نہیں ہے۔ اسی بنا پر تو جب لوگوں نے امام رضا علیہ السلام پر ولی عہدی کے قبول کرنے پر اعتراض کیا تو امام نے جواب میں ایک طرف حضرت یوسف کی حکومت میں شمولیت کو پیش فرمایا کہ لوگوں میں عدل و انصاف قائم کرنے، اللہ تعالیٰ احکام نافذ کرنے اور لوگوں کے حقوق کو محفوظ کرنے کے لئے حکومت جور کی جانب سے پیش کردہ عہدہ قبول کرنا جائز ہے بلکہ از خود کوشش کر کے طلب کرنا بھی جائز ہے۔ جیسا کہ حضرت یوسف نے خود ہی طلب فرمایا تھا۔ اور دوسری طرف مزدورت وقت کو دلیل جواز قرار دیا کہ اگر میں قبول نہ کرتا تو مجھے قتل کر دیا جاتا۔ اسی طرح اگر حکومتی ملازمتوں اور سرکاری عہدوں میں اپنی قوم و ملک کی خیر خواہی و خدمت کا جذبہ لے کر داخل ہو تو بہتر ہے۔ اور اس طرح جواز کی صورت بھی پیدا ہو سکتی ہے۔ لیکن اگر قوم کی خدمت نہ کر سکے بلکہ صرف شکم پرستی کی خاطر قوم کا خون چوسنا مقصود ہو۔ یا آوارگی و عیاشی کا زینہ سمجھ کر ایسا کرے تو یقیناً ناجائز ہے۔ نیز قومی بقا و مجموعی طور پر اگر اسی صورت میں منحصر ہو تو یقیناً حکومت میں حصہ لینا مستحسن بلکہ ضروری ہے۔ لیکن اس بات کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ آگے جا کر مذہب و ملت کی خدمت کو فراموش نہ کر بیٹھے۔ اقتدار و کرسی کی ہولیں اور حکومت اور فرمانروائی کے نشے میں خصوصیات مذہب سے بیگانہ نہ ہونے پائے۔ حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے جب علی بن یقین نے حکومتی عہدہ قبول کرنے کا جواز حاصل کیا تھا تو آپ نے یہ شرط عائد کی تھی کہ اپنے بھائیوں کی خدمت کرنے کے لئے عہدہ کو قبول کرو۔ اور یہ شرط اُس نے قبول کر لی تھی۔ پھر جب ایک شتر بان اپنی کوئی درخواست لے کر حاضر ہوا تو علی بن یقین نے اُس پر غور نہ کیا۔ اور اسی سال حج کے ارادہ سے مکہ گیا اور پھر مدینہ میں زیارت نبوی کے بعد امام عالی مقام کی بارگاہ میں شرف یاب ہوا تو امام نے اپنا رخ پھیر لیا۔ اُس نے وجہ پوچھی تو آپ نے وہی شرط بتلائی اور شتر بان کی درخواست سے بے اعتنائی یا دولائی اور فرمایا جب تک وہ راضی نہ ہو گا میں راضی نہ ہوں گا۔ چنانچہ وہ باعجاز امام مدینہ سے بغداد پہنچا اور رات کے وقت شتر بان کا گھر تلاش کر کے اُس کو دروازہ پر بلا یا وہ خوف زدہ تھا کہ شاید مجھے کوئی سزا دینا چاہتا ہے لیکن دیکھا کہ علی بن یقین نہایت عجز و انکساری سے معافی مانگتا ہے اور زمین پر لیٹ کر عرض کرتا ہے کہ اپنا خاک آلود قدم میرے اس منہ پر رکھیں کہ عذر دے مجھے امام کی بارگاہ میں شرمسار کیا ہے چنانچہ اُس نے اپنا قدم اس کے منہ پر رکھا اور علی بن یقین کو معافی دی۔ پس وہ اسی رات باعجاز امام واپس مدینہ میں پہنچا اور امام کی زیارت

وَجَاءَ إِخْوَةَ يُوسُفَ فَدَخَلُوا عَلَيْهِ فَعَرَفَهُمْ وَهُمْ لَهُ مُنْكَرُونَ ﴿۵۸﴾

اور آئے یوسف کے بھائی اور اس کے پاس پہنچے تو اس نے ان کو پہچان لیا حالانکہ انہوں نے نہ پہچانا

وَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَّازِهِمْ قَالَ أَتُونِي بِأَخٍ لَكُمْ مِمَّنْ أَيْكُمْ ۚ آكَا

اور جب ان کو مطلوبہ جنس دے کر رخصت کیا تو کہا کہ دوسری دفعہ اپنے پدھی بھائی کو ہمراہ لانا کیا تم

تَرُونَ أَنِي أَوْ فِي الْكَيْلِ وَأَنَا خَيْرٌ مِّنْ زُلَيْنٍ ﴿۵۹﴾ فَإِن لَّمْ تَأْتُونِي

دیکھتے نہیں کہ میں ماب کو پورا کرتا ہوں اور بہترین مہمان نوازی کرتا ہوں پس اگر تم اس کو نہ لاؤ گے تو کاشف حاصل کیا اور نام اس پر رضامند ہوئے۔ یہ روایت مذہب آئمہ کا دعویٰ کرنے والوں کے لئے باعث عبرت و نصیحت ہے خداوند کریم صاحبانِ اقتدار کو قانونِ اسلام کی نگہبانی اور ملتِ بیضا کی پاسبانی کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وَجَاءَ إِخْوَةَ يُوسُفَ ۖ حَبِيبٌ مِّنْ مِّمَّنْ

کی دبا عام پھیلی تو حضرت یعقوب کا شہ کنگان بھی اس

مَرْكُوعٌ ۚ حَضْرَتِ يُوسُفَ كِي اِپْنِي بھائیوں سے ملاقات

کی لپیٹ میں آیا تو آپ نے اپنے بیٹوں کو جمع کر کے فرمایا کہ مصر میں میں نے سنا ہے غلہ فروخت ہوتا ہے۔ اور اس جگہ کا بادشاہ ایک نیک دل اور صالح مرد ہے پس تم وہاں جاؤ۔ انشاء اللہ وہ تمہارے ساتھ احسان کرے گا۔ چنانچہ بن یامین جو یوسف کا مادری بھائی تھا وہاں رہا اور باقی دس بھائی طعام خریدنے کے لئے روانہ ہو کر مصر پہنچے۔ یوسف کے کنوئیں میں پھینکنے کے بقولے چالیس برس بعد کا یہ واقعہ ہے۔ اب وہ یوسف کو کیسے پہچانتے۔ وہ سچپنہ تھا۔ اب بھر پور جوان ہیں۔ وہ غریبی کی حالت تھی۔ اب وہ ملک کے شہنشاہ ہیں۔ اُس وقت پھٹا پرا نایا سا وہ لباس تھا۔ اب شاہی لباس میں ملبوس سہری تخت پر مسند آرا ہیں۔ ان کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہ تھی۔ لیکن حضرت یوسف قحط پڑتے ہی منتظر تھے کہ کنگان والے بھی اناج خریدنے کے لئے آئیں گے۔

پس جب وہ دربار شاہی میں پہنچے اور عبرانی زبان میں گویا ہوئے تو یوسف نے عبرانی زبان میں پوچھا تم کون ہو؟ کہنے لگے ہم ملک شام سے غلہ خریدنے کے لئے آئے ہیں کیونکہ قحط بہت زیادہ ہے۔ آپ نے فرمایا کہ تم لوگ جاسوس تو نہیں۔ مجھے تمہاری شکلیں اوپری لگتی ہیں۔ کہنے لگے نہیں۔ خدا کی قسم۔ ہم ایک باپ یعقوب بن اسحق بن ابراہیم کی اولاد ہیں۔ اگر ہمارے باپ کو پہچانتے ہوتے تو ضرور ہماری تعظیم کرتے کیونکہ وہ نبی اور نبی زادہ ہے۔ اور ایک غم میں مبتلا ہے۔ آپ نے فرمایا وہ کیا غم ہے۔ جس میں وہ مبتلا ہے۔ کہیں اس کا غم تمہاری بیوقوفی و غلطی کی باعث تو نہیں؟ کہنے لگے اے بادشاہ ہم نہ بیوقوف ہیں اور نہ جاہل و غلط کار اور نہ اس کا غم داندوہ ہماری وجہ سے ہے بلکہ بات یہ ہے کہ اس کا ایک فرزند تھا جو ہم سے سن و سال میں چھوٹا تھا وہ ایک دن شکار کے لئے ہمارے ساتھ نکلا۔ پس اُس کو جنگل کے بھیروں نے کھا لیا۔ اسی دن سے ہمارا باپ غمزدہ رہتا ہے اور ہمیشہ رونے کے سوا اس کا کوئی کام نہیں۔ آپ نے فرمایا تم سب بھائیوں کی ماں بھی ایک ہے۔ کہنے لگے نہیں بلکہ باپ ایک اور ماںیں الگ الگ

قرآن مجید میں بھی اَلَا اَنْ تَتَّقُوا مِنْهُمْ تُقَاةً کا استثناء کھلے لفظوں میں موجود ہے اس کا نام ہے تقيہ اور عملی طور پر کوئی مسلمان اس کے جواز کو چیلنج نہیں کرتا بلکہ نہ ہی قیود سے قطع نظر عقلی و فطری فیصلہ بھی یہی ہے کہ دروغ مصالحت آمیز بہ از راستی فتنہ انگیز۔ اور اس کا انکار وہی کرتا ہے جو عقل کا اندھا اور فطری تقاضوں سے بے بہرہ ہو۔ تقيہ کا بیان اور حضرت عمار کا واقعہ تفسیر کی اسی جلد میں سورہ نخل کی آیت ۱۰۶ پر ملاحظہ فرمائیں۔

تفسیر برہان میں بروایت کلینی امام محمد یا قرظ علیہ السلام سے مروی ہے کہ خدا دو چیزوں کو محبوب رکھتا ہے اور دو چیزوں کو ناپسند فرماتا ہے۔ وہ دو چیزیں جن کو پسند کرتا ہے یہ ہیں۔ (۱) میدان جنگ میں صف آرانی کے بعد صفوں کے درمیان ناز و ادا سے چلنا (۲) اصلاح کی خاطر جھوٹ بولنا۔ اور وہ دو چیزیں جن کو خدا ناپسند کرتا ہے (۱) گلیوں اور راستوں میں ناز و ادا سے چلنا پھرنا (۲) بغیر اصلاح کے جھوٹ بولنا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جو یہ کہا تھا بَلْ فَعَلْتَهُ كَبِيرٌهُمْ۔ یعنی بتوں کو اس بڑے بت نے توڑا ہے یہ محض اصلاح کی خاطر تھا کہ وہ اپنے عقول و افکار کی طرف دھیان کریں اور سوچیں کہ جب یہ بت اتنا معمری کام کرنے کی قدرت نہیں رکھتے تو کسی دوسرے نفع و نقصان کی ان سے کیا توقع ہو سکتی ہے۔ پس وہ لائق عبادت و پرستش کیونکر ہو سکتے ہیں؟ اسی طرح حضرت یوسف علیہ السلام کا کہنا کہ تم چور ہو ایک مصالحت کی بنا پر تھا کہ اس بہانہ سے بن یا مین کر روک لیا جائے اور انجام کار یہ فعل حضرت یعقوب علیہ السلام کی ملاقات کا بہانہ بن جائے۔

اگر ایک لفظ کے دو معنی ہوں ان میں سے ایک ذہن کے زیادہ قریب اور دوسرا بعید ہو پس اس لفظ کو استعمال کر کے مخاطب کے ذہن میں معنی قریب بٹھا دینا اور اپنے دل میں معنی بعید کا ارادہ رکھنا اس کو توریہ کہتے ہیں۔ مثلاً مجھ سے کوئی شخص ایک سو روپیہ طلب کرے اور میرے پاس روپیہ موجود بھی ہو لیکن دینے کا ارادہ نہ ہو پس کہ دوں کہ میرے پاس نہیں ہے۔ اور اس کی کئی تاویلیں ہو سکتی ہیں جن کی بنا پر میرے اوپر جھوٹ کا الزام عائد نہیں ہو سکتا۔ مثلاً میرے پاس نوکر نہیں جو گھر سے لائے یا میرے پاس گنجائش نہیں کہ تم کو دے دوں یا یہ کہ میری جیب میں اس وقت نہیں ہے و علیٰ ہذا القیاس۔ اور توریہ پر مجازاً تقيہ کا اطلاق بھی ہو کرتا ہے بنا بریں حضرت یوسف یا ان کے ملازمین کا کہنا کہ تم چور ہو گلاس اور پیادہ کے متعلق نہیں تھا جیسا کہ قافلہ والے سمجھ رہے تھے بلکہ ان کا مقصد باب سے حضرت یوسف کو چرالینا مقصود تھا۔ اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق اہل سنت کی کتب صحاح میں تین جھوٹوں کی نسبت موجود ہے (العیاذ باللہ) (۱) اپنی زوجہ کے متعلق فرمایا (یہ میری بہن ہے) (۲) عید کے دن اپنے متعلق فرمایا اِنِّي سَفِيحٌ۔ میں بیچارہ ہوں۔ اور فرمایا (۳) بَلْ فَعَلْتَهُ كَبِيرٌهُمْ بت توڑنے کا کام بڑے نے کیا ہے۔ یہ تینوں فقرے یا ترقیہ کی بنا پر ہیں جو عقل و فطرت کا تقاضا ہے۔ اور یا توریہ کی بنا پر ہیں۔ پس بہن سے مراد دینی بہن ہے نہ کہ نسبتی یا رضاعی۔ اور اپنی بیاری کے اعتراف کا مقصد یہ ہے کہ اگر تمہارے ساتھ بتوں کی پوجا میں شریک ہو جاؤ تو روحانی بیاری میں مبتلا ہو جاؤ گا۔ اور بت شکنی کی نسبت بڑے بت کی طرف مشروط تھی کہ ان سے پوچھو اگر وہ بولتے ہیں۔ توریہ کام بڑے کا ہے ورنہ نہیں۔ بہر کیف تقيہ کے موقع پر تقيہ کرنا واجب ہوتا ہے۔ بلکہ تقيہ احکام خمسہ سے متصف ہوتا ہے۔

لَقَدْ عَلِمْتُمْ مَا جِئْنَا لِنُفِيسَ فِي الْأَرْضِ وَمَا كُنَّا سِرْقِينَ ﴿۴۳﴾ قَالُوا

تم جانتے ہو کہ ہم زمین میں فساد کرنے کے لئے نہیں آئے اور نہ ہم چور ہیں انہوں نے کہا

فَمَا جَزَاءُ هَٰؤُلَاءِ إِنْ كُنْتُمْ كَذِبِينَ ﴿۴۴﴾ قَالُوا جَزَاءُ هَٰؤُلَاءِ مَنْ وُجِدَ

کیا بدلہ ہو گا اگر تم جھوٹے ثابت ہوئے ؟ کہنے لگے بدلہ یہ ہے کہ جن کے سامان میں مل جائے

واجب محب مباح مکروہ اور حرام اور تقیہ کے وجوب استیجاب اباحت کراہت اور حرمت کے مواقع الگ الگ ہیں۔ جو صاحبان عقول سے مخفی نہیں۔ البتہ تقیہ سے پہلے اگر تو یہ سے کام نکل سکتا ہو تو اس کا استعمال بہ صورت بہتر ہے۔ حمل بعبور۔ حمل اور حمل میں یہ فرق کیا گیا ہے کہ اگر اونٹ پر لا دیا جا چکا ہو تو وہ حمل ہے اور اگر اونٹ کے بھار کے برابر چیز موجود ہے جو لدی نہیں جا سکتی لیکن لدی جا سکتی ہے تو اس کو حمل کہا جائے گا۔

لَقَدْ عَلِمْتُمْ۔ کہتے ہیں کہ پہلی دفعہ جب غلے کے گھروں کو پلٹے تھے اور وہاں جا کر دیکھا کہ اپنا مال بھی ان کا واپس آ گیا ہے تو اس کو انہوں نے اپنے ہاں بطور امانت رکھ لیا تھا۔ اور دوبارہ جب آئے تو آتے ہی اس کو شاہی خزانہ میں جمع کر دیا کہ شاید یہ مصر کے ملازمین کی غلطی کی وجہ سے ایسا ہوا ہے۔ اب جو گلاس یا پیمانہ کی تقیہ شروع ہوئی تو انہوں نے جرات سے کہا کہ تم ہماری سیرت و کردار کو جانتے ہو کہ ہم فساد نہیں اور حرام خور نہیں ہیں کیونکہ جب قبضہ میں آیا ہوا مال جس کے حلال ہونے پر ہمیں شک تھا ہم نے واپس کر دیا ہے تو چوری اور یقیناً حرام ہے ہم سے کیسے متوقع ہو سکتی ہے۔ یہ نیز کہتے ہیں کہ یہ لوگ جب مصر کے علاقہ کی آبادیوں میں داخل ہوئے تو اپنے حیوانوں کے منہ باندھ لئے تھے تاکہ کسی کھیتی کا نقصان نہ ہو۔ بنا بریں اپنی دیانت داری کی دہائی دی کہ جب ہمارا کردار تمہیں معلوم ہے کہ ہم فساد نہیں تو یہ چوری کا الزام کیونکہ صحیح ہو سکتا ہے ؟

إِنْ كُنْتُمْ كَاذِبِينَ۔ اگرچہ وہ لوگ اس موجودہ الزام سے بری الذمہ تھے اور ان کا دعویٰ بالکل سچا تھا لیکن لحاظ تو یہ جس بنا پر ان کو چور کہا گیا تھا۔ اسی لحاظ سے جھوٹ کی نسبت بھی ان کی جانب دی گئی یا یہ کہ ان کے سابق انکار کا لازمہ یہ تھا کہ گلاس یا پیمانہ ہمارے سامان میں نہیں ہے پس اس دعویٰ میں ان کی طرف جھوٹ کو منسوب کیا گیا۔

قَالُوا جَزَاءُ هَٰؤُلَاءِ۔ چور کی سزا حکومت مصر میں یہ تھی کہ چور کو بدنی سزا کے ساتھ ساتھ اس سے تادان وصول کیا جاتا تھا۔ اور بنی اسرائیل میں چور کی سزا یہ تھی کہ جس کی چوری کرتا بطور سزا وہ اس کا غلام و عبد بن جایا کرتا تھا۔ اس مقام حضرت یوسف نے ان سے دریافت کیا کہ اگر پیمانہ تمہارے سامان سے مل جائے تو اس کی سزا کیا ہونی چاہیے۔ یعنی حکومت مصر کے دستور کی مطابقت پر یا تمہارے دستور کے موافق ہو تو انہوں نے جواب دیا کہ ہمارے دستور کے مطابق سزا اس کی یہی ہوگی کہ جس کے سامان سے مال سرورہ برآمد ہو اس کو غلامی میں روک لیا جائے پس اونٹوں پر لدے ہوئے مال اتارے گئے اور پہلے باقی قافلہ کی تلاشی ہوتی رہی۔ آخر میں جب بن یامین کے سامان کو کھولا گیا تو وہ پیمانہ مل گیا۔ پس سزا کے طور پر اس کو عزیز مصر کا غلام بنا پڑا۔

فِي رَحْلِهِ فَهُوَ جَزَاؤُهُ ط كَذَلِكَ نَجْزِي الظَّالِمِينَ ﴿٤٥﴾ فَبَدَأَ

وہی خود اس کا بدلہ ہے ہم ظلم کرنے والوں کو اسی طرح بدلہ دیتے ہیں پس ان کے

بِأَوْعِيَّتِهِمْ قَبْلَ وِعَاءِ أَخِيهِ ثُمَّ اسْتَخْرَجَهَا مِنْ وِعَاءِ أَخِيهِ

سامان کی تفتیش شروع کی اپنے بھائی کے سامان سے پہلے پھر وہ پیانہ نکال لیا اپنے بھائی کے سامان سے

كَذَلِكَ كِدْنَا لِيُوسُفَ ط مَا كَانَ لِيَأْخُذَ أَخَاهُ فِي دِينِ

اسی طرح ہم نے تجویز سکھائی یوسف کو کہ وہ نہیں روک سکتے تھے اپنے بھائی کو بادشاہ کے قانون میں

الْمَلِكِ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ ط نَرْفَعُ دَرَجَاتٍ مِّنْ نَّسَاءٍ ط وَفَوْقَ كُلِّ

مگر یہ کہ خدا چاہے ہم درجے بلند کرتے ہیں جن کے چاہیں اور ہر صاحب علم کے اوپر

ذِي عِلْمٍ عَلِيمٌ ﴿٤٦﴾ قَالُوا إِنْ يَسْرِقْ فَقَدْ سَرَقَ أَخٌ لَّهُ مِنْ قَبْلُ

جاننے والا ہے کہنے لگے اگر اس نے چوری کی ہے تو اس سے پہلے اس کا بھائی بھی چوری کر چکا ہے

(اس وقت عزیز مصر خود حضرت یوسف ہی تھے)

جب بھائیوں نے دیکھا تو ان کی حیرت کی حد نہ رہی۔ برافروختہ ہو کر بن یامین کے پاس آئے اور ڈانٹ ڈپٹ کر کہنے لگے کہ تو نے ہم سب کا وقار خاک میں ملا دیا۔ ہماری دیانت کی ناؤ کو ڈبو کر رکھ دیا۔ اور ہمیں اس قدر ذلیل کیا ہے کہ اب ہم مصریوں کے سامنے منہ اور پٹانہ نہیں کر سکتے۔ ذرا سوچو تو سہی کہ شاہی پیانہ چرا کر کس قدر سبکی کا تم نے مظاہرہ کیا ہے؟ جب بھائی غصہ کی بھڑاس نکال چکے تو بن یامین نے صرف اتنا کہا کہ پہلی مرتبہ جب تم غلے کے ردائیں گئے تھے تو تمہاری بوریوں میں تمہارا ذاتی مال کس نے ڈال دیا تھا میں جس نے تمہارا مال تمہاری بوریوں میں ڈالا تھا اسی نے یہ سامان میرے سامان میں ڈالا ہے۔ اس کا نہ مجھے کوئی علم ہے اور نہ میں تصور دار ہوں۔

کِدْنَا: کید سے ہے یعنی ہم نے بذریعہ الہام حضرت یوسف کو یہ تجویز بتلائی۔ کیونکہ شاہی قانون کے لحاظ سے بن یامین کو اپنے پاس نہیں رکھ سکتے تھے۔ اب حضرت یوسف کو بن یامین کے اپنے پاس بٹھرانے کا بیان مل گیا۔ اور حضرت یعقوب کی طرف پیغام اور مزوہ مسرت بھیجے گا ذریعہ دستیاب ہو گیا۔

قَالُوا إِنْ يَسْرِقْ: ظاہری لحاظ سے اپنے آبائی دستور کو وہ ٹھکانہ سکتے تھے۔ لہذا بن یامین کی سفارش کی جرأت نہ کر سکے۔ اور چونکہ اہل مصر کے نزدیک ان کی سبکی ظاہر ہو چکی تھی۔ پس عزیز مصر حضرت یوسف کے سامنے اپنی خفت کو مٹانے کے لئے بگائے معذرت گویا ہوئے کہ اے بادشاہ! یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ فَقَدْ سَرَقَ أَخٌ لَّهُ مِنْ قَبْلُ: تحقیق اس کا بھائی بھی

فَأَسْرَهَا يُّوسُفُ فِي نَفْسِهِ وَلَمْ يُبْدِهَا لَهُمْ ۚ قَالَ أَنْتُمْ شَرُّ مَكَانٍ

پس یوسف نے یہ بات اپنے دل میں رکھی اور ان پر ظاہر نہ کی (دل میں) کہا تم نے جُرا کیا ہے

وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا تَصِفُونَ ﴿۴۷﴾ قَالُوا يَا أَيُّهَا الْعَزِيزُ إِنَّ لَهُ أَبًا شَيْخًا

اور اللہ جانتا ہے جو تم کہتے ہو کہنے لگے اے عزیز تحقیق اس کا باپ بڑھا

كَبِيرًا فَخُذْ أَحَدَنَا مَكَانَهُ ۚ إِنَّا نُرِيكَ مِنَ الْمَحْسِنِينَ ﴿۴۸﴾ قَالَ

بزرگ ہے پس ہم میں سے ایک کو اس کی جگہ لے لو تحقیق ہم تم کو محسن سمجھتے ہیں فرمایا

مَعَاذَ اللَّهِ أَنْ نَأْخُذَ إِلَّا مَنْ وَجَدْنَا مَتَاعِنَا عِنْدَهُ ۚ إِنَّا إِذَا

سوا اللہ ہم نہیں لیں گے مگر اُسے جس سے ہمارا برتن برآمد ہوا ہے ورنہ ہم ظالم

اس سے قبل چوری کا مرتکب ہو چکا ہے۔ اور حضرت یوسف کی طرف چوری کی نسبت کا واقعہ یوں مرقوم ہے کہ حضرت یوسف کی ماں کا انتقال ہوا تو حضرت یوسف کی تربیت ان کی پھوپھی کے سپرد تھی۔ اور حضرت یوسف اپنی پھوپھی کو بہت پیارے تھے۔ حتیٰ کہ وہ ایک لمحہ کے لئے بھی یوسف کا فراق گوارا نہ کر سکتی تھی۔ جب حضرت یوسف بڑے ہوئے تو حضرت یعقوب نے اپنی بہن سے اس کو لینا چاہا اور وہ حضرت اسمٰعیٰ کی ساری اولاد میں سے بزرگ ترین تھیں۔ چنانچہ اسی بنا پر حضرت اسمٰعیٰ کا کمر بند بھی انہی کے پاس تھا جو دستور کے مطابق اولاد میں سے بڑے کے حصہ میں آتا تھا۔ جب انہوں نے دیکھا کہ یوسف کو مجھ سے لیا جا رہا ہے تو یہ حیلہ کیا کہ کمر بند کو یوسف کی کمر سے باندھ کر اوپر لباس پہنا دیا۔ اور باپ کے پاس بھیجا اور کچھ دیر بعد خود تعاقب کرتی ہوئی پیچھے سے آپہنچی۔ حضرت یعقوب نے وجہ دریافت کی تو جواب دیا کہ میرا کمر بند چوری ہو گیا ہے اور تلاشی لینے پر وہ حضرت یوسف کی کمر پر بندھا ہوا پایا گیا۔ پس اولاد اسرائیل میں چوری کے قانون کے مطابق حضرت یوسف کو دوبارہ اپنی پھوپھی کے حوالہ کیا گیا۔ اب بن یامین سے گلاس برآمد ہوا تو بھائیوں نے فوراً کہا کہ اس کا بھائی قبل ازیں اس جرم کا مرتکب ہو چکا ہے۔ انہیں یہ تو معلوم نہیں تھا کہ جس سے ہماری بات ہو رہی ہے۔ یہی حضرت یوسف ہیں۔ پس حضرت یوسف نے یہ بات دل میں رکھ لی کہ تم بدترین انسان ہو۔ کیونکہ تمہارا جرم یوسف کے بارے میں اس سے سنگین تر ہے۔ قاتلوا۔ جب بن یامین کو حضرت یوسف نے اپنے پاس پابند کر لیا تو باقی بھائیوں نے مشنت سماجت شروع کی۔ جب کسی کی نہ چلی تو کہنے لگے کہ ہمارا باپ سن رسیدہ بزرگ ہے اور وہ اس کے بغیر زندگی نہیں گزار سکتا۔ اتنی ہیرا پنی ضرور کرو کہ ہم میں سے ایک کو اس کے عوض میں رکھ لو۔ اور اس کو جانے دو یہ آپ کا ہم پر بڑا احسان ہوگا۔ اور اس مشنت سماجت اور لے دے میں کافی وقت لگا۔

الظالمون ﴿۶۹﴾ فَلَمَّا اسْتَيْسُوا مِنْهُ خَلَصُوا نَجِيًّا ۗ قَالَ كَبِيرُهُمْ

ہوں گے پس جب یایوس ہوئے اس سے تو آپس میں الگ مشورہ کیا ان میں سے بڑے نے کہا

الْم تَعْلَمُوا أَنَّ أَبَاكُمْ قَدْ أَخَذَ عَلَيْكُمْ مَوْثِقًا مِنَ اللَّهِ وَمِنْ قَبْلُ

تم کو خبر نہیں کہ تحقیق تمہارے باپ نے تم سے اللہ کا عہد و پیمانہ لیا ہے اور اس سے پہلے بھی

مَا فَرَّطْتُمْ فِي يُوسُفَ ۚ فَلَنْ أْبْرَحَ الْأَرْضَ حَتَّىٰ يَأْذَنَ لِي أَبِي

تم یوسف کے بارے میں کوتاہی کر چکے ہو پس میں تو اس زمین کو نہ چھوڑوں گا یہاں تک کہ والد اجازت دے یا

أَوْيَحِكُمُ اللَّهُ لِي ۖ وَهُوَ خَيْرُ الْحَاكِمِينَ ﴿۷۰﴾ اِرْجِعُوا إِلَىٰ آبَائِكُمْ

اللہ میرے حق میں فیصلہ کرے اور وہ اچھا فیصلہ کرنے والا ہے۔ تم واپس جاؤ اپنے باپ کے پاس

تمہی کی روایت کے مطابق سارے بھائی حضرت یوسف کے ارد گرد جمع ہو گئے۔ اور غصہ کے مارے ان کے بدن سے زرد رنگ کا خون ٹپکتا تھا کیونکہ اولاد یعقوب کی یہ علامت تھی کہ جب ان کو غصہ آتا تھا تو ان کے جسم کے بال کھڑے ہو جاتے تھے اور ان کے سرے کپڑوں سے باہر نکل آتے تھے اور ان سے خون زرد رنگ کا ٹپکنے لگ جاتا تھا حضرت یوسف نے ان کی طبیعتوں کے آثار چڑھاؤ سے ذرہ بھر بھی اثر نہ لیا اور اپنی بات پر پکے رہے کہ بن یاہن کو میرے پاس ہی رہنا ہوگا۔

رَكْعَتَيْنِ ۗ خَلَصُوا نَجِيًّا: - خَلَصَ یعنی الگ ہو گیا۔ نَجِيًّا حال واقع ہے مقصد یہ ہے کہ وہ باہمی مشورہ کے لئے الگ ہو گئے اور مجلس مشاورت میں یہ طے پایا کہ جو ان میں سے سن و سال کے لحاظ سے یا علم و عقل کے اعتبار سے بزرگ تھا اس نے باقی بھائیوں کو واپس چلے جانے کا مشورہ دیا۔ اور خود زمین مصر میں رہنے کا عہد کر لیا۔ اس کے نام میں اختلاف ہے۔ اکثر روایات میں یہود کا ذکر ہے۔ پس جب باقی بھائی روانہ ہو گئے تو یہود نے حضرت یوسف کے پاس آکر کافی منت سماجت کی لیکن حضرت یوسف نے ایک نہ مانی۔ پس یہود کو غصہ آیا اور کندھے کے بال کھڑے ہو گئے۔ اور ان سے زرد رنگ کا خون ٹپکنے لگا۔ نیز اولاد یعقوب کی یہ عادت بھی تھی کہ غصہ کی حالت میں اگر اولاد یعقوب کا کوئی دوسرا فرد اس کو چھو لیتا تھا تو اس کا غصہ فرو ہو جاتا تھا۔ حضرت یوسف کا ایک شہزادہ وہاں موجود تھا جس کے پاس انار کے برابر سونے کی ایک گیند تھی جس کو زمین پر لٹھکاتا تھا پس جب یہود کو غصہ آیا تو حضرت یوسف نے اپنے فرزند سے گیند لی اور یہود کی طرف لٹھکا لی پس بچہ گیند کے پیچھے دوڑا اور اس کا ہاتھ یہود کے جسم سے مس ہوا پس فرزند یہود کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا۔ اور شش و پنج ہو کر دیارے حیرت میں ڈوب گیا بچہ گیند اٹھا کر

فَقُولُوا يَا بَانَانِ ابْنِكَ سَرَقَ ۚ وَمَا شَهِدْنَا إِلَّا بِمَا عَلَّمْنَا وَمَا

اور کہو اے باباجان! تحقیق تیرے فرزند نے چوری کی اور ہم نہیں گواہی دیتے مگر جو کچھ ہمیں معلوم ہے اور نہیں

كُنَّا لِلْغَيْبِ حَافِظِينَ ﴿٨١﴾ وَسئِلِ الْقَرِيَةَ الَّتِي كُنَّا فِيهَا

تھے ہم غیب کے حافظ اور اس بستی والوں سے پوچھئے جس میں ہم تھے

وَالْعِيرَ الَّتِي أَقْبَلْنَا فِيهَا وَإِنَّ الصَّدِيقُونَ ﴿٨٢﴾ قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ

اور قافلہ والوں سے پوچھئے جس میں ہم واپس آئے اور ہم یقیناً سچے ہیں فرمایا بلکہ زینت دی تمہارے لئے تمہارے

واپس آگیا۔

پھر باہمی گفتگو میں یہود کو غصہ آیا تو حضرت یوسف نے گیند کو لٹھکایا اور بچہ کا ہاتھ لگتے ہی یہود کا غصہ فرو ہو گیا پھر تیسری بار بھی ایسا ہوا تو یہود اچانک گیا کہ یہاں حضرت یعقوب کے خون کا اثر ہے۔

تفسیر صافی میں بروایت قہمی منقول ہے کہ تمام بھائیوں کی دعوت کے بعد جب وہ سب کھانا کھا چکے تو حضرت یوسف نے باقی بھائیوں کو رخصت کر کے بن یاہین سے فرمایا کہ میں تجھے اپنے پاس رکھنا چاہتا ہوں بنیاہین نے جواب دیا کہ میرے باپ نے میرے بھائیوں سے سخت عہد و پیمانہ لیا ہے لہذا وہ مجھے کسی قیمت پر چھوڑ کر نہ جائیں گے۔ آپ نے فرمایا اگر کوئی حیلہ تلاش کر لوں تو تو خاموش رہنا۔ چنانچہ حیلہ مذکورہ کو اختیار کیا گیا۔ بعض لوگ حضرت یعقوب کے تمام فرزندوں کو نبی مانتے ہیں لیکن شیعوہ اصول کی رو سے ان کو نبی نہیں مانا جاسکتا۔ کیونکہ ہمارے نزدیک نبی وہ ہے جس سے زندگی کے کسی دور میں فعلی بیع کا صدور نہ ہو۔ پس ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ وہ نبی نہیں تھے البتہ اپنی غلطی سے انہوں نے توبہ کر لی تھی اور حضرت یوسف نے بھی ان کو سعادت کر دیا تھا لہذا وہ اللہ کے نیک بندے ہو کر دنیا سے رخصت ہوئے۔

قُولُوا يَا بَانَانِ: یہود نے باقی بھائیوں کو پیغام دے کر روانہ کیا اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بھائیوں کو بھی بنیاہین کی چوری کا یقین نہیں تھا۔ اسی لئے تو کہا کہ ہم ظاہری علم کی بنا پر گواہی دے رہے ہیں۔ غیب کا ہمیں کوئی پتہ نہیں۔ اور ممکن ہے حضرت یعقوب نے اعتراض کیا ہو کہ شاہ مصر کو کیسے معلوم ہوا کہ چوری کے بدلہ میں چور کو غلام بنا لیا جاتا ہے تو انہوں نے جواب میں کہا کہ ہم نے وہی بات بتائی جس کا ہمیں علم تھا کہ اولاد اسرائیل کا دستور ہے چور کو چوری کے بدلہ میں صاحب مال کا غلام بنا دیا جائے۔ ہمیں کیا خبر تھی کہ حالات اس طرح پلٹا کھائیں گے اور بنیاہین چوری کے الزام میں گرفتار ہو گا۔ پس بن یاہین کے واپس بخیریت لانے کا عہد و پیمانہ علم غیب نہ رکھنے کی بنا پر تھا۔

وَأَسئِلِ الْقَرِيَةَ: اس مقام پر عبارت کافی مخدوف ہے۔ مقصد یہ ہے کہ پس وہ واپس کنعان میں باپ کے پاس پہنچے اور سارا ماجرا بیان کیا۔ اور کہا کہ اگر آپ کو ہماری بات پر یقین نہ آئے تو اس بستی والوں سے دریافت کر لو۔ جہاں ہم تھے کہتے

أَنْفُسِكُمْ أَمْراً فَبِصَبْرٍ جَمِيلٍ ۝ عَسَى اللَّهُ أَنْ يَأْتِيَنِي بِهِمْ جَمِيعًا ۝

نفسوں نے ایک بات پس صبر جمیل (خوب ہے) امید ہے کہ اللہ ان سب کو میرے پاس لائے گا

إِنَّهُ هُوَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ ۝ ۸۳ ۝ وَتَوَلَّى عَنْهُمْ وَقَالَ يَا أَسْفَىٰ عَلَىٰ

تحقیق وہ علیم و حکیم ہے اور ان سے منہ پھیر لیا اور فرمایا اے ارمان یوسف

يُوسُفَ وَأَبْيَضَّتْ عَيْنَاهُ مِنَ الْحُزْنِ فَهُوَ كَظِيمٌ ۝ ۸۴ ۝ قَالُوا تَاللَّهِ تَفْسُو تَذَكَّرُ

پر اور سفید ہو گئیں ان کی آنکھیں غم سے پس وہ غم کو ضبط کرنے والے تھے کہنے لگے خدا کی قسم آپ ہمیشہ یوسف کو یاد کرتے ہیں۔

ہیں کہ مصر کے کچھ لوگ اس علاقہ میں آئے ہوئے تھے جن سے بطور شہادت پوچھنے کا انہوں نے کہا کہ قافلہ کے دوسرے لوگوں سے دریافت کر لو جو ہمارے ہمراہ تھے اور اب آپ کے ہمسایہ میں ہیں تاکہ آپ کو ہماری سچائی کا یقین ہو جائے۔

فَصَبْرٌ جَمِيلٌ ۝ حضرت یعقوب علیہ السلام کا حضرت یوسف علیہ السلام کے فراق میں رونا کیا رونابے صبری ہے اور آہ و فغاں کرنا عیاں راچہ بیان کا مصداق ہے۔ بایں ہمہ حضرت یعقوب کا اپنے آپ کو

صبر جمیل کی صفت سے متصف کرنا ارباب فکر و صاحبان دانش کے لئے غور طلب ہے۔ قرآن حکیم کا یہ انداز و اسلوب اور خاصان خدا کا طرز عمل صرف صبری سیر نظر کے لئے نہیں بلکہ اسے تازیاۓ فطرت اور ہمیں عقل تصور کرنا چاہیئے تاکہ طبیعت میں اُلجھے ہوئے مسائل کا ان کی روشنی میں صحیح حل تلاش کیا جاسکے۔ پس گریہ و بکا کو خلاف صبر کہنے والے قرآن کے ارشادات و انبیاء کے اس جیسے واقعات سے سبق حاصل کریں۔ خدا کا برگزیدہ نبی انتہائی غم و اندوہ اور آہ و بکا کے باوجود اپنے تئیں صبر جمیل سے متصف کر رہا ہے۔ اور خدا بھی اس کو صابر کہہ رہا ہے تو معلوم ہوا کہ کسی مصیبت میں صرف رونا اور غم زدہ ہونا منافی صبر نہیں بلکہ عین فطرت اور محبوب پروردگار ہے۔ ہاں اللہ کے فیصلہ کو رو کرنا۔ اور اس کا شکوہ کرنا خواہ گریہ نہ بھی ہو بے صبری اور منافی فطرت ہے اور مغویں پروردگار بھی ہے۔

قوم شیوعہ کا حضرت سید الشہداء امام حسین علیہ السلام کے مصائب پر بلکہ جملہ خاندان رسول کے بے گناہ اُجڑ جانے پر ماتم کرنا رونا پٹینا کسی دنیاوی مفاد کی خاطر نہیں بلکہ محبت خدا و رسول کا تقاضا یہی ہے کہ خاصان خدا اور اقربا پر پیغمبر پر امتیت نامہ بھار کے مظالم کی داستان دہرائی جائے اور ان کے ظلم و حوصلہ اور صبر و ضبط کی یاد تازہ کی جاتی ہے تاکہ مظلوم کے غم میں بتے ہوئے آنسو رونے والے کے دل و دماغ سے ظلم و جور و استبداد بلکہ تمام گناہوں کے اُبھرتے ہوئے نقوش کو دھو دیں۔ اور اُسوۂ حسنہ مظلوم سے صحیفہ قلب پر جنم لینے والے اچھے اثرات کے لئے یہی آنسو آب بقا کا کام دیں کیونکہ ظالم اور اس کی جملہ بد عادات سے نفرت نہ مظلوم اور اس کی جملہ خوبیوں سے محبت قصہ پارینہ کی صورت میں صد ابصر سے زیادہ

وقت نہیں رکھتی لیکن جب اُسے بار بار ڈھرایا جائے اور خلوص بھی کارفرما ہو تو ظالم کی برائیوں سے نفرت اور ظلم کی اچھائیوں سے محبت جہاد نفس میں فتح و کامرانی کا علم بن کر ابھرتی ہے جس کی بدولت انسان مفا انسان حقیقی انسانیت کی دولت سے مالا مال ہوتا ہے۔ اور اپنے شاہی کردار سے قوم و ملک و ملت کی صحیح خدمت کرنے کے اہل ہوتا ہے اور دین و دنیا کی بھلائی اس کے لئے فرس راہ ہوتی ہے۔

عَسَى اللّٰهُ ا۔ صافی و برہان و مجمع البیان میں معصومین علیہم السلام سے مروی ہے کہ حضرت یعقوب نے خدا سے دعا مانگی تھی کہ وہ ملک الموت کو بھیجے چنانچہ دعا مقبول ہوئی اور ملک الموت حضرت یعقوب کے پاس پہنچے تو آپ نے دریافت کیا کہ یوسف کی روح بھی تیرے پاس پہنچی ہے؟ تو اُس نے جواب دیا کہ نہیں۔ پس آپ کو یوسف کی زندگی کا علم ہو گیا۔ نیز تفسیر برہان و صافی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ ایک مرتبہ ایک دیہاتی عرب نے حضرت یوسف سے غلہ خریدا جب وہ روانہ ہونے لگا تو آپ نے فرمایا کہ جب فلاں وادی کے قریب پہنچنا تو ٹھہر جانا اور یعقوب کے نام آواز دینا پس ایک خوبصورت عظیم الشان آدمی باہر آئے گا۔ اس سے کہنا کہ مہر میں ایک آدمی تجھے سلام کہتا تھا اور عرض کرتا تھا کہ میں تیری امانت ہوں اور اللہ تیری امانت کو ضائع نہیں کرتا پس وہ عرب پیغام لے کر روانہ ہوا۔ جب اُس مقام پر پہنچا تو اپنے ملازمین سے کہا تم اس جگہ ٹھہر جاؤ میں پیغام پہنچا کر ابھی واپس آتا ہوں۔ چنانچہ اُس نے گھروں کے قریب پہنچ کر یعقوب کے نام آواز دی تو خوب رُوقد اور نورانی چہرے والا ایک آدمی نکلا جو آنکھوں سے معذور تھا اور دیوار کا سہارا لے کر ادھر آ رہا تھا اُس نے پوچھا کیا یعقوب آپ ہیں؟ تو انہوں نے فرمایا ہاں! پس اُس نے یوسف کا پیغام پہنچایا جس کے سنتے ہی حضرت یعقوب پر غشی طاری ہو گئی۔ جب افاقہ ہوا تو اعرابی سے فرمایا کیا تیرے دل میں کوئی خواہش ہے؟ اُس نے جواب دیا۔ ہاں! میری عورت میری چچا زاد ہے۔ اور میری کوئی اولاد نہیں ہے۔ خدا سے دعا کیجئے کہ وہ مجھے اولاد عطا فرمائے۔ پس حضرت یعقوب نے وضو کر کے دو رکعت نماز ادا کی اور خدا سے اس کے لئے دعا کی جو مقبول ہوئی۔ اس کی عورت کو چار وضعیا چھ دفعہ حمل ہوا اور ہر حمل میں دو دو لڑکے پیدا ہوئے۔ بہر کیف حضرت یعقوب کو حضرت یوسف کی زندگی کا علم تھا اور خداوند کریم نے بھی بذریعہ وحی کے جلا دیا تھا کہ ایک طولانی غیبت کے بعد تجھے ملاؤں گا۔ اسی بنا پر بیٹوں کو فرماتے تھے کہ جو کچھ میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے اور اس آیت مجیدہ میں جو توقع آپ نے ظاہر فرمائی ہے کہ امید ہے شاید خدا ان سب کو میرے پاس لے آئے اسی علم کی بنا پر ہی ہے۔

نیز تفسیر برہان میں ہے عزیز مہر نے حضرت یعقوب کو ایک خط لکھا تھا کہ تیرے لڑکے یوسف کو میں نے خرید لیا ہے اور تیرے بیٹے بنیامین کو چوری کے جرم میں پانچ غلام بنا لیا ہے۔ جب حضرت یعقوب نے یہ خط پڑھا تو آنکھوں کے سامنے دنیا تاریک ہو گئی اور غوراً جواب لکھا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ یہ خط یعقوب اسرائیل اللہ بن اسحق بن ابراہیم خلیل اللہ کی جانب سے ہے۔ انا بعد! میں نے

تیرے خط کا مطلب سمجھا ہے کہ تو نے میرے فرزند کو خرید کر غلام بنا لیا ہے۔ تحقیق انسان پر مصائب آیا کرتے ہیں۔ دنیا کے بادشاہ نے میرے جد ابراہیم کو آگ میں ڈالا تھا تو خدا نے اس کو بروہ سلام کر دیا۔ اور میرے باپ اسمعیل کے ذبح کا حکم ہوا تو خدا نے اس کے بدلہ میں ذبیحہ بھیج کر اسے بچا لیا۔ روایات میں ذبیحہ اللہ کے متعلق اختلاف ہے کہ وہ اسمعیل تھے یا اسمعیل۔ اس روایت میں حضرت اسمعیل کا ذکر ہے۔ واللہ اعلم اور میرا فرزند جو مجھے نہایت عزیز تھا بلکہ میری آنکھ کی ٹھنڈک اور دل کا روبرو تھا۔ بھائی اس کو لے گئے اور بہانہ بنا کر پلٹے کہ اس کو بھڑیا لکھا گیا ہے۔ اس کے غم میں میری پشت ٹیڑھی اور بینائی ختم ہو گئی ہے۔ پھر اس کا ایک بھائی تھا جس کے ساتھ میں اپنا دل بہلا لیا کرتا تھا۔ بھائی اس کو تیرے شہر میں غلہ خریدنے کے لئے لے گئے اور واپس آ کر انہوں نے بیان کیا کہ اُس نے بادشاہ کا چیمانہ یا گلاس چرایا ہے۔ جس کی پاداش میں غلام بنا لیا گیا ہے۔ حالانکہ چوری اور گناہ کی واردات ہماری خاندانی روایات کے منافی ہیں۔ میں ابراہیم واسمعیل و یعقوب کے معبود کا واسطہ دے کر تجھ سے خواہش کرتا ہوں کہ میرے اوپر احسان کر اور بیٹے کو مجھے واپس کر دے۔ جب یہ خط حضرت یوسف کے پاس پہنچا تو انہوں نے اُس کو آنکھوں پر رکھا اور اس کو بوسہ دیا اور سخت روئے اور چونکہ خط لے جانے والے بھائی تھے لہذا ان سے فرمایا اھل علمتہ ما فعلتہ۔ الایۃ۔ جو بعد میں آئے گا۔

اس تفصیل سے روز روشن کی طرح چند باتیں واضح ہو جاتی ہیں۔

- ۱۔ حضرت یعقوب کو حضرت یوسف کی زندگی کا علم تھا صرف فراق یوسف میں گریہ فرماتے تھے۔
- ۲۔ حضرت یعقوب کی یوسف سے پوری محبت تھی جو حضرت یعقوب کے گریہ کی محرک تھی۔
- ۳۔ حضرت یوسف پر ظلم و تشدد بھائیوں کی جانب سے تھا اسی لئے تو بعض مظالم بعض بھائیوں کو گوارا نہیں ہوتے تھے اور برابرانہ محبت آڑے آجاتی تھی جیسا کہ کنوئیں میں ہیودا کا خوراک پہنچانا بھی منقول ہے۔
- ۴۔ حضرت یعقوب اس قدر روئے کہ ان کی آنکھیں سفید ہو گئیں یعنی بینائی ختم ہو گئی۔
- ۵۔ حضرت یعقوب نے کثرت گریہ کے باوجود اپنے آپ کو صبر جمیل کی صفت سے متصف کیا۔
- ۶۔ حضرت یعقوب کا گریہ خداوند کریم کو محبوب تھا۔ اسی لئے تو آزمائش کو طول دیدیا اور قرآن میں اس کو سراہا۔
- ۷۔ حضرت یعقوب کا گریہ علم و حوصلہ کے منافی نہیں تھا کیونکہ باوجود گریہ کے خدا نے اس کو حلیم کی صفت سے یاد فرمایا ہے۔

۸۔ خدا کے فیصلہ کو ٹھکرانا اور اس کا شکوہ کرنا ہی بے صبری ہے۔

ان نتائج کی روشنی میں آل محمد کے مصائب پر قوم شیعہ کا رونا اور ماتم کرنا عین سنت انبیاء اور اسوہ صلحاء ہے بلکہ قوم شیعہ کا ماتم کسی پیری و پادری یا خوئی رشتہ کی بنا پر نہیں۔ یہاں تو صرف خدا و رسول کی محبت کا جذبہ ہی کارفرما ہوتا ہے اور خوشنودی خدا و رسول ہی مطلوب ہوا کرتی ہے۔

یَا آسْفٰی :- تفسیر مجمع البیان میں سعید بن جبیر سے مروی ہے کہ مصیبت کے وقت اُمتِ اسلامیہ کو جو فقرہ عطا کیا گیا ہے وہ اس سے قبل انبیاء کو نہیں دیا گیا۔ اُوْر وہ ہے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ۔ اگر یہ فقرہ پہلے نبیوں کو عطا ہوتا۔ تو حضرت یعقوب علیہ السلام یا آسفیٰ کی بجائے یہی فقرہ پڑھتے۔

وَابْیَضَتْ :- آنکھ کا سفید ہونا کنایہ ہے۔ بصارت کے ختم ہو جانے سے۔ اور مروی ہے کہ چھ سال حضرت یعقوب بصارت سے محروم رہے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ نابینا نہیں ہوئے تھے بلکہ اس قدر ان کی بصارت کمزور ہو گئی تھی کہ نابینا ہونے کے قریب تھے۔ حُزن اور ہٹ میں عام و خاص مطلق کی نسبت ہے۔ چنانچہ ہٹ اس غم کو کہتے ہیں جو چھپایا نہ جاسکے اور غم زدہ آدمی اس کے اظہار پر مجبور ہو۔ بنا بریں اگلی آیت میں حُزن کا ہٹ پر عطف کرنا عطفِ عام علی الخاص ہے حضرت یعقوب فراقِ یوسف میں اس قدر روئے کہ عالم میں سب سے زیادہ گریہ کرنے والے پانچ میں سے ایک یہ ہیں۔ جیسے کہ احادیث میں وارد ہے۔ اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے دریافت کیا گیا کہ حضرت یعقوب کا یوسف کے فراق میں گریہ کس قدر تھا۔ تو آپ نے فرمایا کہ وہ ماں جن کا اکلو تا بیٹا مر جائے۔ ایسی ستر ماؤں کے غم کے برابر صرف ایک یعقوب کا غم تھا۔

تنبیہ :- قرم شیعہ کے غم حسین میں رونے کو بدعت اور حرام کہنے والے حضرت یعقوب کے غم داندوہ اور گریہ و بکا پر قرآن کی روشنی میں غور کریں۔ شہید ہونے والے کے غم میں گریہ کرنا دیکھنا ہو تو حضرت آدم کا ہابیل کے غم میں گریہ کرنا بلکہ سر میں خاک ڈالنا معارج النبوتہ میں دیکھیں۔ اور زندہ جدا ہونے والے کی جدائی میں رونے کے جواز کا فتویٰ قرآن مجید کی سورہ یوسف سے دریافت کر کے تسلی کر لیں۔

آلِ مُحَمَّدٍ کے مصائب پر رونا اس لئے بدعت قرار دیا جاتا ہے کہ اس سے بعض صحابہ کے حق میں نفرت کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ جیسا کہ ابن حجر کی نے صواعقِ محرقہ میں بعض علماء اسلام کا قول نقل کیا ہے (علیٰ مایرویٰ عنہ) چور کی ڈاڑھی میں تینکا۔ گریا یہ لوگ دبی زبان سے اعتراف کر رہے ہیں کہ آلِ محمد کے ستانے رُلانے اور ذبح کرنے میں ان لوگوں کا ہاتھ تھا جن کے متعلق نفرت پھیلنے کا اندیشہ ہے۔ حق وہ ہے جس کی دشمنی بھی گواہی دے اور غم حسین کی کرامات کا سلسلہ آج تک جاری و ساری رہ کر دنیا والوں کے لئے دعوتِ فکر کی حیثیت رکھتا ہے۔

۱۔ ہر غم دل کو کمزور کرتا ہے اور غم حسین دل کو طاقتور بناتا ہے۔

۲۔ ہر غم داندوہ بزدلی کا باعث بنتا ہے اور غم حسین جرات کا درس دیتا ہے۔

۳۔ غم حسین میں رونے والا آشوبِ چشم سے محفوظ رہتا ہے۔

۴۔ ہر غم تھکان بڑھاتا ہے اور غم حسین ٹھکے ماندے انسان کو تازہ دم کر دیتا ہے۔

۵۔ ہر غم سے دل اکتا جاتا ہے اور غم حسین سے دل کبھی نہیں اکتاتا بلکہ عزیزوں کی موت ایک وقت کے بعد قصہ پارینہ

يُوسُفَ حَتَّىٰ تَكُونَ حَرَضًا أَوْ تَكُونَ مِنَ الْهَالِكِينَ ﴿٨٥﴾ قَالَ

یہاں تک کہ بہت لاغر ہو جائیں یا مرنے والوں سے ہو جائیں فرمایا

إِنَّمَا أَشْكُوا بَثِّي وَحُزْنِي إِلَى اللَّهِ وَأَعْلَمُ مِنَ اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿٨٦﴾

سوائے اس کے نہیں کہ میں اپنے غم و اندوہ کی شکایت اللہ کو کرونگا اور اللہ کی طرف سے میں وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے

بن جاتی ہے۔ لیکن بچنے سے لے کر بڑھاپے کی آخر تک منزل تک غم حسین میں رونے والا اس غم کو سرورِ قلب بلکہ رگِ حیات خیال کرتا ہے۔ اے اللہ ہمیں آل محمد کے عزاداروں میں محشور فرماتا۔

بَثِّي وَحُزْنِي :- تفسیر برہان میں بروایت جابر حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے۔ ایک مرتبہ حضرت یعقوب اپنے کسی کام میں بادشاہ وقت کے پاس گئے تو بادشاہ نے دریافت کیا کیا آپ ابراہیم ہیں؟ تو جواب دیا کہ نہیں۔ پھر اُس نے پوچھا کیا آپ اسحق ہیں؟ تو آپ نے نفی میں جواب دیا۔ پھر اُس نے پوچھا کہ آپ کون ہیں؟ تو فرمایا میں یعقوب بن اسحق بن ابراہیم ہوں۔ بادشاہ نے ازراہ استعجاب پوچھا۔ آپ تو نوجوان ہیں پھر یہ آثارِ صنعیٰ کیسے؟ تو جواب دیا کہ یہ یوسف بیٹے کے فراق کے غم کے نتیجے میں ہے۔ بہر کیف جس کام کے لئے گئے تھے وہ ہو گیا۔ واپسی پر ابھی تک دہلیز میں ہی تھے کہ جبریل نے کہا خدا تجھے سلام کہتا ہے اور فرماتا ہے کہ تو نے میرے بندوں کے سامنے میرا شکوہ کیا ہے۔ پس حضرت یعقوب نے وہاں سرسجدہ میں رکھ کر عاجزی و زاری کی اور معافی مانگی۔ پس جبریل نے مزوہ سنایا کہ خدا نے تجھے معاف کر دیا ہے اور وہ سلام کے بعد فرماتا ہے آئندہ میرا شکوہ میری مخلوق کے سامنے نہ کرنا۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ جب بیٹوں نے باپ سے کہا کہ آپ رور و کر ٹڈھال ہو رہے ہیں۔ اور قریب ہے کہ یہ گریہ آپ کے لئے موجبِ ہلاکت بن جائے۔ تو ان کے جواب میں فرمایا اِنَّمَا أَشْكُوا بَثِّي وَحُزْنِي إِلَى اللَّهِ۔ کہ میں اپنے غم و اندوہ کا شکوہ اپنے اللہ کی طرف ہی کرتا ہوں۔ اور خدا کی طرف سے وہ کچھ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔

بروایت مجمع البیان حضرت رسالت مآب سے مروی ہے کہ جبریل نے حضرت یعقوب کو یہ بشارت سنائی تھی کہ خدا بعد سلام کے فرماتا ہے۔ اپنے دل میں اطمینان رکھو مجھے اپنی عزت کی قسم اگر تیرے دونوں بیٹے مر بھی گئے تب بھی میں ان دونوں کو زندہ کر کے تجھے ملاؤں گا۔ پس تم مساکین کو کھانا کھلاتے رہو۔ کیونکہ مجھے سب بندوں میں سے مساکین زیادہ عزیز تر ہیں۔ اور تجھے معلوم ہونا چاہیے کہ میں نے تیری بنیائی سلب کر لی اور بیٹھ کو کبڑا کر دیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تم نے بچا ذبح کیا اور روزہ دار مسکین نے تمہارے دروازہ پر صدایٰ لیکن تم نے اس کو کچھ نہ دیا۔ پس اس کے بعد جب بھی حضرت یعقوب صبح کا کھانا کھاتے تھے ایک منادی ان کی طرف سے ندا کرتا تھا کہ جس مسکین نے صبح کا کھانا کھانا ہو تو یعقوب کے دسترخوان پر آجائے اور جو کوئی روزہ دار ہو اگر یعقوب کے دسترخوان پر روزہ افطار کرے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَكْحَسِبُوْا مِنْ يُّوسُفَ وَاٰخِيْهِ وَاَلَا يَسُوْا مِنْ رُّوْحِ اللّٰهِ

بیٹو! جاؤ پس یوسف اور اس کے بھائی کی تلاش کرو اور مایوس نہ ہو اللہ کی رحمت سے

اِنَّهٗ لَا يٰۤاِسُ مِنْ رُّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۸۷﴾ فَلَمَّا دَخَلُوْا

تحقیق اللہ کی رحمت سے نہیں مایوس ہوتے مگر کافر لوگ پس جب وہاں پہنچے

عَلَيْهِ قَالُوْا يَاۤ اَيُّهَا الْعَزِيْزُ مَسْنَا وَاَهْلُنَا الضَّرُّ وَجِنَابِضَاعَةٍ

تر کہنے لگے اے عزیز! ہم اور ہمارا خاندان تکلیف میں ہیں اور ہم تھوڑی سی پرہیزی لائے ہیں

تفسیر یہاں میں بروایت عیاشی حضرت یعقوب کا بادشاہ وقت کے پاس جانا حضرت ابراہیم کے کہنے سے ہے یعنی حضرت ابراہیم نے حضرت یعقوب کو بادشاہ کے پاس کسی مطلب کے لئے بھیجا تھا۔ باقی روایت مثل سابق ہے باختلاف بعض الفاظ۔ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس واقعہ تک حضرت ابراہیم زندہ تھے (واللہ اعلم) فَتَحَسَّبُوْا۔ تحسب اور تحسب مراد لفظ ہیں ان کا معنی ہے تلاش کرنا۔ چنانچہ حدیث میں تحسب اور تحسب دونوں سے منع کیا گیا ہے۔ اور بعض لوگوں نے ان دونوں میں فرق بھی بیان کیا ہے۔ (۱) تحسب کا معنی ہے بڑوں کے عیوب کی ٹوہ لگانا اور تحسب کا معنی ہے چھپ کر لوگوں کی باتیں سننا (۲) تحسب کا معنی ہے بڑی باتوں کی جستجو کرنا اور تحسب کا معنی اچھی خبروں کا تلاش کرنا ہے۔

قصہ :- بہر کیف حضرت یعقوب نے اپنے باقی فرزندوں کو حکم دیا کہ یوسف اور بنیامین کی تلاش میں کوئی دقیقہ فرود نہ کریں۔ چنانچہ فرمایا کہ جاؤ اور مصر کے بادشاہ وقت کا نام دریافت کرو۔ اور اس کے دین و مذہب کا سراغ لگاؤ۔ کیونکہ میرے دل میں یہ بات کھٹکتی ہے کہ جس نے بنیامین کو روک لیا ہے وہ شاید یوسف ہی ہے اور اس نے بنیامین کو اپنے پاس رکھنے کے لئے گلاس کے گم ہونے کا بہانہ بنایا ہے۔

وَاَلَا يٰۤاِسُوْا۔ خدا کی رحمت سے مایوس ہونا گناہان کبیرہ میں سے ہے۔ اور روایات میں معصومین سے منقول ہے کہ مومن کا ایمان خوف اوررجا کے درمیان ہوا کرتا ہے۔ پس محض خوف ہی خوف کفر کی نشانی ہے۔ اور اسی طرح محض امید ہی امید بھی ایمان سے دوری کی نشانی ہے۔ بلکہ مومن وہ ہے کہ اللہ کے عذاب اور اس کی سخت گرفت سے خوف زدہ ہو۔ اور اس کی بخشش کا امیدوار ہو۔ اگر وزن کیا جائے تو اس کا خوف اور امید برابر برابر ہوں۔ ابن عباس سے منقول ہے کہ مومن سختی اور شدت میں اللہ سے خیر کی امید رکھتا ہے اور خوش حالی میں اس کا شکر گزار رہتا ہے۔ اور کافر کی یہ شان نہیں ہے آیت مجیدہ میں ہے کہ اللہ کی رحمت سے مایوس ہونا کافروں کا فعل ہے۔

مَرْجَاةٍ فَأَوْفِ لَنَا الْكَيْلَ وَتَصَدَّقْ عَلَيْنَا إِنَّ اللَّهَ يَجْزِي

ہمیں غلہ پورا دے اور ہم پر تصدق کر تحقیق اللہ تصدق کرنے والوں کو

اَلْمُتَصَدِّقِينَ ﴿۸۸﴾ قَالَ هَلْ عَلِمْتُمْ مَا فَعَلْتُمْ بِيُوسُفَ وَأَخِيهِ إِذْ

اچھا بدلہ دیتا ہے کہا کیا تم کو خبر ہے جو تم نے یوسف اور اس کے بھائی کے ساتھ کیا جبکہ

أَنْتُمْ جَاهِلُونَ ﴿۸۹﴾ قَالُوا إِنَّكَ لَأَنْتَ يُوسُفُ قَالَ أَنَا يُوسُفُ

تم جاہل تھے کہنے لگے کیا آپ ہی یوسف ہیں ؟ فرمایا ہاں میں یوسف ہوں

قِصَّةٌ ۖ - بہ کیف حضرت یعقوب نے اپنے باقی بیٹوں کو تیار کر کے پھر مصر کی طرف روانہ فرمایا۔ اور تفسیر برہان

میں ہے کہ اس دفعہ اُن کو ایک خط بھی لکھ دیا۔ جس میں اپنے مصائب خصوصاً یوسف کا فراق اور اس کے بعد بنیامین کی

جدائی کا تذکرہ بھی کیا۔ اور غلہ کے لین دین میں حُسنِ سلوک کی سفارش بھی فرمائی۔ چنانچہ یہ لوگ کنعان سے روانہ ہو کر مصر میں

پہنچے اور باپ کا خط پیش کیا۔ حضرت یوسف نے باپ کے خط کو آنکھوں پر رکھا اور اس کو بوسہ دیا پھر اس قدر روئے کہ

آنسوؤں سے گریبان تر ہو گیا۔ یہ اولادِ یعقوب کا تیسرا سفر ہے۔

مَرْجَاةٍ - اَزْجِي - يَزْجِي - اَزْجَاءٌ - باب افعال سے ہے اس کا معنی ہے آہستہ آہستہ چلانا۔ قرآن مجید میں ہوا

کے متعلق ہے۔ يَزْجِي سَحَابًا - یعنی وہ ہوا بادل کو آہستہ آہستہ چلاتی ہے۔ فَلَا تَزْجِي الْعَيْشُ - یعنی فلاں آدمی زندگی

کو تھوڑی آمدنی سے چلا رہا ہے۔ اس مقام پر بَصَاعَةٌ مَرْجَاةٍ سے مراد وہ تھوڑی رقم یا مختصر سامان ہے جس کو

نہایت محتاط انداز سے بھٹوڑا بھٹوڑا خرچ کر کے قحط سالی کے ایام میں گذراوقات کا ذریعہ بنایا جائے۔ پس اولادِ

یعقوب نے اپنی لمبا اوقات اور معمولی گذران کا تذکرہ کر کے غلہ طلب کیا۔ اور درخواست کی کہ ہماری تھوڑی پونجی کو قبول

کیجئے اور اس کے بدلہ میں ہمیں جو غلہ عنایت ہو وہ پچھلے سالوں کی طرح فی آدمی ایک بجا شتر پورا ہو۔ ہماری پونجی کی کمی

کو مد نظر رکھ کر اس میں کمی نہ کی جائے۔ اور اس رواداری کو صدقہ سے تعبیر کیا۔ اور مقصد یہ ہے کہ آپ کی کرم گسٹری۔ اور

احسان شکاری ہوگی۔ جس کی جزا اللہ ہی دے گا۔ اور بعض مفسرین نے تصدق سے مراد بنیامین کی واپسی لکھی ہے۔ اور

حضرت یعقوب کی سفارش کا مقصد بھی یہی تھا۔

قَالَ هَلْ عَلِمْتُمْ ۖ - حضرت یوسف نے بھائیوں کی درخواست کی سماعت کی اور باپ کے خط کا بار بار مطالعہ کیا

دل بھر آیا اور آخر کار ضبط نہ کر سکے۔ پس اندر گئے اور آنکھوں سے آنسوؤں کو پونچھ کر منہ دھو کر باہر تشریف لائے۔ اور

طبیعت پر قابو پا کر فرمایا کیا تمہیں خبر ہے جو تم نے یوسف سے سلوک کیا اُسے باپ سے جدا کیا۔ اُس کے قتل کا ارادہ

کیا اور کھوٹے پیسوں میں اس کو بیچ ڈالا اور اس کے مادری بھائی کو ذلیل سمجھتے رہے وغیرہ۔

وَهَذَا آخِي قَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَيْنَا إِنَّهُ مَنْ يَتَّقِ وَيَصْبِرْ فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُضِيعُ

اور یہ میرا بھائی ہے تحقیق اللہ نے ہم پر احسان فرمایا تحقیق جو تقویٰ کرے اور صبر کرے پس تحقیق اللہ نیک لوگوں کا اجر

أَجْرَ الْحَسَنِينَ ﴿٩٠﴾ قَالُوا تَاللَّهِ لَقَدْ أَثَرْنَا اللَّهَ عَلَيْنَا وَإِنْ كُنَّا

ضائع نہیں کرتا کہنے لگے خدا کی قسم یقیناً آپ کو اللہ نے ہم پر فضیلت دی اور تحقیق ہم غلطی

لَخَطِئِينَ ﴿٩١﴾ قَالَ لَا تَثْرِبَ عَلَيْكُمْ الْيَوْمَ يُعْفِرُ اللَّهُ لَكُمْ وَهُوَ

پر تھے فرمایا میں تمہیں آج سزائش نہیں کرتا خدا تمہیں بخش دے اور وہ

جَاهِلُونَ : حضرت یوسفؑ کے اخلاق کریمانہ کو دیکھئے کہ جن بھائیوں نے آپ کو انتہائی مصائب کے مزہ میں دھکیل دیا تھا

وقت آنے پر برابر اقتدار ہوتے ہوئے انتقام سے درگزر کرنا تو درکنار بھائیوں سے سخت کلامی کو گوارا نہ فرمایا حتیٰ کہ ان کی

طرف جہالت کی نسبت دینا بھی پسند نہ کیا۔ چنانچہ فرمایا کہ تم نے یوسف اور اس کے بھائی کے ساتھ جو سلوک روا رکھا۔ وہ

تمہاری اس وقت کی نادانی کا نتیجہ تھا نہ کہ اب جاہل ہو گیا ان کو معذرت کرنے کا راستہ بھی معافی کے ساتھ ساتھ بتا دیا

اور کہتے ہیں یہ بات کہتے ہوئے حضرت یوسف نے مسکرایا اور آپ کے چکلے خوبصورت دانت جو تابناک موتیوں

کی طرح دک رہے تھے جب ظاہر ہوئے تو بھائیوں کو یوسف کا شہر ہوا بعض کہتے ہیں سر سے آپ نے تاج علیہ کیا

تو ان کو شک ہوا پس فوراً شک کے لہجے میں گویا ہوئے وَأَنْتَ لَا تَدْرِي لِيَوْمَ يُعْطَى الْمَوْلَىٰ وَجْهًا مُّسْتَبْرَأًا لِّئَلَّا تُصِيبَهُ الْعَذَابُ مِنْ شَيْءٍ

مقام پر انا ہوں نہیں فرمایا بلکہ اپنے نام کو دہرایا۔ جس کا مقصد یہ ہے کہ میں وہی یوسف ہوں جس کے ساتھ تم بھائیوں

نے زمان جہالت میں ظلم و تشدد کیا تھا۔

وَإِنْ كُنَّا لَمِنَ الْكٰفِرِيْنَ : یہ ان کا مخفف ہے۔ اس مقام پر حضرت یوسف کے بھائیوں کا اعتراف موجود ہے کہ ہم خطا کار

تھے۔ اور آپ ہی ہم سے افضل و اشرف ہیں۔ پس حضرت یوسف نے کھلے لفظوں میں ان کی معافی کا اظہار فرمایا کہ۔ لَا

تَثْرِبْ عَلَيْكُمْ الْيَوْمَ۔ یعنی آج کرسی اقتدار سنبھالنے کے باوجود میں تم سے انتقام نہیں لینا چاہتا بلکہ تمہارے لئے

اللہ سے بخشش طلب کرتا ہوں۔ آئمہ طاہرین علیہم السلام نے اپنے شیعوں کو انہی اخلاق کریمانہ کا قوی و عملی درس دیا ہے

چنانچہ امام زین العابدین علیہ السلام کو جب ایک شخص نے ناسزا لفظا کہے تو آپ چل کر اس کے گھر پہنچے وہ شرمسار ہوا آپ

نے فرمایا میں اس لئے حاضر ہوا ہوں کہ جن الفاظ سے تو نے مجھے خطاب کیا تھا اگر میں واقعی ان کا مستحق ہوں تو اپنے لئے

اللہ سے معافی مانگتا ہوں۔ اور اگر تجھے غلط فہمی تھی تو میں تیرے لئے اللہ سے بخشش طلب کرتا ہوں۔ پس وہ شخص آپ کے

حسن اخلاق سے متاثر ہو کر فوراً تائب ہو گیا۔

اِذْ هَبُوا : تفسیر برہان میں بروایت مفضل بن عمر و امام جعفر صادق علیہ السلام نے پوچھا کہ تم یوسف کی قمیص کی حقیقت کو

أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ ﴿۹۲﴾ اذْهَبُوا بِقِمِيصِي هَذَا فَإِنَّ الْقُوَّةَ عَلَى وَجْهِ أَبِي

وہ سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے میری یہ قمیص لے جاؤ اور میرے باپ کے منہ پر ڈال دو وہ بینا

يَأْتِ بِصِرَاجٍ وَأَتُونِي بِأَهْلِكُمْ أَجْمَعِينَ ﴿۹۳﴾ وَلَمَّا

ہو جائے گا پھر سارا خاندان لے کر واپس میرے پاس آ جاؤ اور جب

جانتے ہو؟ راوی نے عرض کی کہ نہیں مرلا۔ آپ نے فرمایا۔ جب حضرت ابراہیم کو آتش فرودی میں ڈالا گیا تھا تو جبریل نے جنت سے لاکر یہ قمیص ان کو پہنائی تھی۔ اس کی خاصیت یہ تھی کہ گرمی دسروں کا اس پر اثر نہیں ہوتا تھا۔ پس حضرت ابراہیم نے بوقتِ اخیر بطور تعویذ یہی قمیص حضرت اسمعیٰ کے گلے میں ڈال دی تھی۔ پھر حضرت اسمعیٰ نے حضرت یعقوب کے گلے میں ڈالی اور جب یوسف پیدا ہوئے تو حضرت یعقوب نے بطور تعویذ چاندی کی تختی میں بند کر کے اس کو یوسف کے بازو سے باندھ دیا تھا لہذا جب یوسف نے وہی قمیص تعویذ سے نکالی تو فوراً اس کی خوشبو حضرت یعقوب کے مشام میں پہنچی اور فرمایا مجھے خوشبو آرہی ہے (چونکہ یہ قمیص جنت کی تھی اور عقیق لباس کی خوشبو مومن کو ایک ہزار سال کی مسافرت سے محسوس ہو سکتی ہے) راوی نے پوچھا پھر وہ قمیص کہاں گئی؟ آپ نے فرمایا اپنے اہل کے پاس رہی۔ حتیٰ کہ یکے بعد دیگرے انبیاء سے منتقل ہو کر حضرت محمد مصطفیٰ تک پہنچی۔ یہ روایت کافی اور بصائر الدرجات سے منقول ہے۔ روایت علی بن ابراہیم آپ نے فرمایا وہ قمیص اب ہمارے پاس محفوظ ہے۔ جب قمیص لے کر قافلہ مصر سے روانہ ہوا تھا اُس وقت حضرت یعقوب فلسطین میں تھے۔

میں نے کسی کتاب میں دیکھا ہے کہ جب حضرت یوسف کو بھائیوں نے کوئٹھ میں ڈالا تھا اور قمیص اتاری تھی تو حضرت جبریل نے یہی قمیص جنت جو بطور تعویذ ان کے گلے میں لٹکی ہوئی تھی کھول کر ان کو پہنا دی تھی اور تفسیر صافی میں قمی سے منقول ہے کہ حضرت قائم آل محمد جب خروج کریں گے تو ان کے پاس وہ قمیص ہوگی۔

تفسیر برہان میں بروایت علی بن ابراہیم امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت صاحب الامر کو حضرت یوسف کے واقعات سے مشابہت حاصل ہے۔ راوی کے استفسار پر آپ نے فرمایا کہ حضرت یوسف کے بھائی اسباط اور اولاد انبیاء تھے۔ انہوں نے اپنے ہاتھوں یوسف کو سچا لیکن بوقتِ ملاقات نہ پہچان سکے جب تک یوسف نے اپنے منہ سے نہ کہا کہ میں ہی یوسف ہوں۔ اُس وقت حضرت یوسف مصر کے بادشاہ تھے۔ ان کے اور ان کے والد کے درمیان اٹھارہ روز کا سفر تھا جس کو خوشخبری ملنے پر حضرت یعقوب نے نودن میں طے کیا۔ اگر ظاہری اسباب کو استعمال کرتے تو اتنی دیر تک فراق کی مصیبتیں نہ جھیلتے تو کیا عجب ہے کہ خداوند کریم حضرت صاحب الامر کے لئے بھی ویسی ہی صورت پیدا کرے کہ وہ بازاروں میں سڑکوں پر چلتے پھرتے رہیں اور لوگ ان کو پہچان نہ سکیں۔ پس جس طرح مشیتِ ایزدی کے ماتحت ایک طویل عرصہ کے بعد یوسف و یعقوب کے درمیان سے جدائی کے پردے ہٹے۔ اسی طرح اسی کی مشیت کے ماتحت اس کی

غیبت کا پردہ ہٹے گا۔

علامہ طبری قدس سرہ مجمع البیان میں فرماتے ہیں کہ حضرت یوسف کا یہ فرمانا کہ یہ تمہیں لے جاؤ اور میرے باپ کے منہ پر رکھ دو وہ بینا ہو جائے گا۔ معجزہ ہے۔ کیونکہ حضرت یوسف کو کیا خبر تھی کہ اس قمیص کے ڈالنے سے وہ بینا ہو جائیں گے (تاکہ اس کو پیشین گوئی کہا جاسکے۔ پس اس اعتبار سے معجزہ ہے کہ انہوں نے چاہا اور خدا نے اس میں یہ اثر ڈالی دیا کہ حضرت یعقوب کی جملہ تکالیف و مصائب کا مداوا ہو گیا۔ کہ سیدھی ہو گئی۔ بینائی پلٹ کر آگئی۔ اور ضعف و ناتوانی کی جگہ تندرستی و توانائی نے لے لی، لیکن میرے خیال میں معجزہ کی بہ نسبت اس کو پیشین گوئی کہنا زیادہ اہم ہے۔ کیونکہ یہ قمیص جب تھیں جنت تھی تو جس طرح اس کی خاصیت ہے کہ اس کی خوشبو مومن کافی دور سے محسوس کر سکتا ہے۔ اسی طرح شاید یہ بھی اس کے خاص میں سے ہو کہ جس بدن سے مس ہو جائے اس کی جملہ بیماریوں، مصیبتوں اور کمزوریوں کو ختم کر دے۔ ضعیف کو جوان کرنے، کمزور کو توانا کر دے۔ نابینا کو بینا ختم کر دے۔ مغموم کو مسرور کر دے۔ اور بے دم کو تازہ کر دے۔ و علیٰ ہذا القیاس۔ البتہ اس قسم کی اخبار غیبیہ بھی۔ چونکہ عام بشری طاقت سے باہر ہیں۔ لہذا اس کو معجزہ کہنا بھی بے جا نہیں ہے بلکہ پیشین گوئی بھی معجزہ کی ایک قسم ہے۔ اور مردی ہے کہ جبریل نے کہا تھا کہ باپ کی طرف جنت کی قمیص روانہ کر دو۔ کیونکہ اس میں جنت کی خوشبو ہے جس کا خاصہ یہ ہے کہ مصیبت زدہ کی مصیبت دور کرے۔ اور بیمار کو شفا یاب کرے۔

کہتے ہیں حضرت یوسف نے قمیص دیتے وقت یہ فرمایا تھا کہ میری قمیص کو وہی لے جائے جو پہلی دفعہ خون میں ملخ کر کے لے گیا تھا۔ پس یہودانے کہا کہ وہ میں ہی تھا۔ آپ نے فرمایا اب یہ قمیص بھی تم ہی لے جاؤ۔ کیونکہ جس طرح تم پہلی دفعہ ان کے غمزہ کرنے کے سبب بنے تھے۔ اب ان کے خوش کرنے کے بھی تم ہی موجب بنو۔ چنانچہ اس خوشی میں یہودانے سر و پا برہنہ مسافت کو بڑی تیزی سے طے کیا۔ انٹی فرسخ کا راستہ تھا اور اپنے دامن میں سات روٹیاں باندھ کر روانہ ہوا۔ ابھی تک روٹیاں ختم نہیں ہوئی تھیں اور وہ منزل مقصود پر جا پہنچا۔

تفسیر برہان و صافی میں منقول ہے کہ جب عزیز مصر نے آپ کو خط لکھا تھا کہ تیرے ایک بیٹے کو میں نے خرید لیا ہے اور دوسرے بیٹے کو چوری کے الزام میں اپنے پاس قید کر لیا ہے تو آپ کو یہ تحریر بڑی شاق گذری اور اس کا مناسب جواب لکھا جس کا مضمون گذر چکا ہے۔ جب خط روانہ کر چکے تو حضرت جبریل کا نزول ہوا اور انہوں نے یہ دعا تعلیم کی۔ یَا مَنّٰی کَا یَعْلَمُ اَحَدٌ کَيْفَ هُوَ وَحَيْثُ هُوَ وَقَدَدَتْهُ الْاَهْوِیَا مِنْ سَدِّ الْهَوَاۗءِ بِالسَّمَاۗءِ وَکَبَسَ الْاَرْضَ صَ عَلٰی الْمَاۗءِ وَ اَخْتَمَ لِنَفْسِہٖ اَحْسَنَ الْاَسْمَاۗءِ اِیْتِنِیْ بِرُوحٍ مِّنْکَ وَفَرِّجْ مِّنْ عِنْدِکَ۔

چنانچہ آپ نے اس دعا کو روز بان کیا اور ابھی تک سفیدی صبح نمودار نہیں ہوئی تھی کہ یوسف کی قمیص پہنچ گئی (حضرت یعقوب کے خط روانہ کرنے اور پھر مصر سے قافلہ کے خوش خبری لے کر آنے میں کافی دن خرچ ہوئے۔ پس روایت کا مقصد غالباً یہ ہے کہ جس شام کو جبریل نے دعا تعلیم کی۔ اسی رات طلوع صبح سے قبل بشارت پہنچ گئی (واللہ اعلم)

فَصَلَّتِ الْعِيرُ قَالَ أَبُو هَرَانِي لَا جَدْرِيحُ يَوْسُفَ لَوْ لَا أَنْ لَفِدُونَ

قافلہ (معرستے) نکلا باپ نے (اولاد سے) کہا تحقیق میں یوسف کی خوشبو محسوس کر رہا ہوں اگر تم مجھے دیوانہ نہ سمجھو

۹۴) قَالُوا تَاللّٰهِ اِنَّكَ لَفِي ضَلٰلِكَ الْقَدِيْمِ ﴿۹۵﴾ فَلَمَّا اَنَّ جَاءَ

کہنے لگے بخدا آپ اپنی پرانی غلطی پر قائم ہیں پس جب بشر آیا اور

الْبَشِيرِ الْقُدُّ عَلَى وَجْهِهِ فَاَرْتَدَّ بِصِيْرًا قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَكُمْ اِنِّي

اس (قبیلے) کو اُس کے منہ پر ڈالا تو وہ بیٹا ہو گئے فرمایا میں کہتا نہیں تھا تمہیں کہ میں اللہ کی

اَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿۹۶﴾ قَالُوا يَا اَبَانَا اسْتَغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا

جانب سے وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے ؟ کہنے لگے اے ابا جان! ہمارے لئے بخشش کی دعا کرو

اِنَّآ كُنَّا خٰطِئِيْنَ ﴿۹۷﴾ قَالَ سَوْفَ اَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَبِّيْ ط اِنَّهٗ

گناہوں کی کہ ہم خطاکار ہیں فرمایا عنقریب تمہاری بخشش کی اللہ سے دعا کروں گا کہ تحقیق

قصہ پر حضرت یوسف نے بھائیوں کو قہقہے دے کر روانہ فرمایا اور چہنی حضرت یوسف نے چاندی کی تختی سے تعویذ کو باہر نکالا تو اس کی خوشبو حضرت یعقوب کے مشام میں پہنچ گئی

کیونکہ جنت کی خوشبو دنیا میں وہی پاسکتے تھے۔ اور ان کو ہی معلوم تھا کہ قبیلے جنت یوسف کے پاس ہے پس فوراً فرمایا کہ

مجھے یوسف کی خوشبو آرہی ہے۔ اس وقت حضرت یعقوب کے پاس پوتے۔ پڑ پوتے اور نواسے وغیرہ موجود تھے

جن سے آپ کلام فرما رہے تھے۔ اور چونکہ ان کو ابتدا ہی سے یہی بات ذہن نشین کرادی گئی تھی کہ حضرت یوسف کو دوران

شکار میں بھیڑ یا کھا گیا تھا۔ لہذا وہ حضرت یوسف کی زندگی کا تصور تک بند کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت یعقوب نے فرمایا

کہ مجھے یوسف کی خوشبو آرہی ہے تو فوراً انہوں نے جواب دیا کہ یہ آپ کا غلط خیال ہے۔ اور منقول ہے کہ باوصبا نے پروردگار

سے اذن طلب کیا تھا کہ بشیر کے پیچھے سے پہلے میں یوسف کی خوشبو کو یعقوب تک پہنچا دوں۔ چنانچہ اس کو اجازت مل گئی اور

یہی وجہ ہے کہ باوصبا ہر غمزہ و مرہن کے لئے پیغام سرور و شفا ہوا کرتی ہے۔

الْبَشِيرُ :- اس میں اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ یہود تھا۔ اور بعض نے مالک بن ذعر لکھا ہے۔ قصہ خوان لوگوں میں ایک

بات مشہور ہے اور وہ یہ کہ حضرت یوسف کی ماں کا انتقال ہو گیا تو بشیر کی ماں نے یوسف کی رضاعت اپنے ذمہ لی تھی چنانچہ

یہ دونو ہم سن اور رضاعتی بھائی تھے۔ پھر بشیر ماں سے جدا ہو گیا اور اس کے بعد حضرت یوسف بھی باپ سے جدا ہو گئے۔ تو

جس طرح حضرت یعقوب فراق یوسف میں نالا کرتے تھے اسی طرح وہ بھی فراق بشیر میں پریشان حال تھی اور پھر بزبان

نبی یا بذریعہ الہام خدا کا اس سے وعدہ تھا کہ یوسف باپ سے بعد میں ملے گا۔ اور تجھے بشر پہلے ملے گا۔ چنانچہ جب بشر خوش خبری لے کر کنعان سے باہر پہنچا تو دیکھا ایک ضعیفہ تالاب پر کپڑے صاف کر رہی ہے۔ اُس نے حضرت یعقوب کے گھر کا پتہ دریافت کیا۔ بڑھیا نے پوچھا کہ تو کون ہے تو اُس نے جواب دیا میں حضرت یعقوب کے لئے اس کے بیٹے یوسف کی بشارت لایا ہوں۔ پس فوراً اُس ضعیفہ نے سر واہ کھینچی اور کہا اے پروردگار! تیرا وعدہ سچا ہے۔ یعقوب کو تو یوسف مل گیا لیکن مجھے بشر نہ ملا۔ یہ سن کر فوراً بشر نے سچان لیا اور قدموں پر گر کر عرض کی کہ تیرا بشر میں ہوں۔ اور خدا نے یعقوب کے فراق کو دور کرنے سے پہلے تیرا فراق دور کر دیا ہے۔ ہمارے ذاکرین کی زبانوں پر بھی یہ قصہ عام ہے۔ لیکن اس وقت جو تفاسیر میرے پاس موجود ہیں ان میں اس کا ذکر موجود نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔

تفسیر صفائی میں ہے کہ جب بشر نے وہ تھیں حضرت یعقوب کے منہ پر رکھی تو وہ فوراً بینا ہو گئے۔ اپنے دریافت کیا بن یا میں کہاں ہے؟ تو اُس نے جواب دیا کہ وہ صحیح و سالم اپنے بھائی یوسف کے پاس موجود ہے۔ پس حضرت یعقوب نے شکر پروردگار ادا کیا اور سجدہ شکر بجالائے چنانچہ بصارت ٹھیک ہو گئی۔ کبڑا پختہ ہوا۔ اور کمر سیدھی ہو گئی بچے اور پوتے جو اس سے پہلے آپ کو غلطی کی طرف منسوب کر رہے تھے۔ انہوں نے فوراً معافی مانگ لی اور توبہ کر لی۔

حضرت یعقوب نے بیٹے کی خوش خبری سننے ہی حکم دیا کہ آج ہی مصر کی طرف روانگی کا بندوبست کیا جائے۔ چنانچہ پورا خاندان فراتیا رہ گیا۔ مستورات میں حضرت یوسف کی خالہ بھی موجود تھی۔ جو حضرت یوسف کی والدہ کے انتقال کے بعد حضرت یعقوب کے نکاح میں تھی۔ خوشی و شادمانی سے یہ سفر انتہائی تیزی سے طے کیا گیا۔ حتیٰ کہ مصر پہنچنے میں نو دن صرف ہوئے۔ تفاسیر میں حضرت یوسف کی بہنوں کا تذکرہ میں نے نہیں دیکھا۔ ماں اس قدر ہے کہ مصر میں داخل ہوئی والا حضرت یعقوب کا خاندان ۳ نفوس پر مشتمل تھا جن کی تعداد حضرت موسیٰ کے زمانہ تک ۶ لاکھ سے بھی کچھ زائد ہو گئی۔ اور یعقوب کا نام ہی اسرائیل تھا لہذا ان کی اولاد بنی اسرائیل کہلائی۔

قَالَ اٰیَا بَنٰی اٰدَمَ : حضرت یعقوب کے بیٹوں نے باپ سے درخواست کی کہ ہمارے لئے اللہ سے بخشش طلب کیجئے۔ آپ نے فرمایا۔ میں دعا مانگوں گا۔ اس سے مَراد وقتِ سحر یا شبِ جمعہ کا وعدہ تھا۔ چنانچہ آپ نے دعا کی۔ اے پروردگار! ان کا گناہ ان کے اور میرے درمیان محدود ہے۔ ان کو بخش دے تو خدا کی وحی ہوئی کہ میں نے ان کو بخش دیا ہے۔ (اور حضرت یوسف اس سے پہلے معاف کر چکے تھے)۔

اور تفسیر مجمع البیان میں منقول ہے کہ بیس برس سے زیادہ عرصہ تک حضرت یعقوب ہر شبِ جمعہ اولاد کی بخشش کی دعا مانگتے رہے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ آپ قیام فرماتے تھے۔ اور سب فرزند صفت بستہ چھپے کھڑے ہو جاتے تھے۔ پس آپ دعا کرتے تھے اور ساری صفت آمین کہتی تھی۔ اور بیس سال تک یہ استغفار و دعا کا سلسلہ جاری رہا۔ تب ان کی توبہ کی مقبولیت کی اطلاع آئی۔

هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ﴿۹۸﴾ فَلَمَّا دَخَلُوا عَلَىٰ يَوْسُفَ

وہ بخشنے والا مہربان ہے پس جب وہ یوسف کے پاس پہنچے تو اس نے

مصر میں داخلہ تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ حضرت یوسف نے جب بشیر کو روانہ کیا تھا تو دوسرا دنٹ اور سفر کے لئے دیگر ہر قسم کا ضروری سامان بھی ساتھ بھیجا تھا تاکہ آتے ہوئے انہیں کسی قسم کی تکلیف نہ ہو۔ اور یہ عرض کیا تھا کہ آپ خاندان کے جمیع افراد کے ساتھ تشریف لائیں۔ چنانچہ جس دن بشیر پہنچا اسی دن واپسی ہوئی۔ اور حضرت یعقوب بعد خاندان روانہ ہوئے۔ طے منازل کے بعد نویں دن جب قریب مصر پہنچے اور حضرت یوسف کو اطلاع ملی تو لاؤشکر سمیت حضرت یوسف استقبال کے لئے باہر تشریف لائے۔ اُس وقت آپ شاہانہ لباس میں ملبوس شاہانہ تاج سر پر رکھے ہوئے شاہانہ سواریوں پر سوار شاہانہ سح دھج شاہانہ شان و شوکت سے شاہی فرج کے ہمراہ برآمد ہوئے۔ حُسنِ واقعی کے ساتھ حُسنِ ظاہری بھی ہم کاب تھا یعنی حُسنِ بخت و راج اور حُسنِ تخت و تاج بھی حُسنِ یوسف کے مصاحبین میں سے تھے۔ گویا جمالِ یوسف اپنی بھرپور جوانی کے ساتھ جلالِ حکومت کے سنگار میں خوب نکھرا ہوا تھا یا یوں سمجھئے کہ حُسنِ یوسف کو حُسنِ ظاہری کے چار چاند لگے ہوئے تھے۔ باپ کی نظر اٹھی۔ پر شکوہ پر کیفیت اور پر حُسنِ منظر دیکھ کر ہشاش بشاش چہرہ کے ساتھ بیٹوں کی طرف دیکھا اور پوچھا اے یوسف کیا یہ فرعونِ مصر ہے؟ در مصر کے بادشاہ کا لقب فرعون ہوا کرتا تھا (یہود نے جواب دیا یہ آپ کا نور نظر نخت جگر یوسف ہے جو آپ کے استقبال کے لئے حاضر ہوا ہے۔) اندازہ کیجئے فراق کتنا درد تھا اور وصال کتنا پر کیفیت ہے، پس حضرت یعقوب کے مصائب کا وسیع و عریض سمندر انتہائی ڈراؤنی پر خطر اور پُر پیچ طوفانی لہروں کے ساتھ ختم ہوا۔ اور پر لطف و پر کیفیت ساحلِ وصال پر حضرت یعقوب نے نہایت سرور و انبساط کے ساتھ قدم رکھا۔ خدا جانے گردابِ مصائب میں آیا ہوا آلِ محمدؐ کا سفینہ ظلم و تشدد کی طوفانی موجوں اور ظلماتی تھپیڑوں سے کب نکلے۔ یقیناً جب آلِ محمدؐ کا قائم آئے گا۔ اور حجت اللہ ظہور فرمائے گا تو جو رواج و استبداد کا دور ختم ہوگا اور ظلماتی تلاطم کے بعد نورانی ساحل پر آلِ محمدؐ کی کشتی پہنچے گی پس مومن خوشی کی سانس لیں گے اور دشمنانِ دین و مومن خود ہو کر بے دم ہوں گے۔

جب حضرت یوسف قریب پہنچے سواری سے اترنے کا ارادہ کیا لیکن شاہانہ آن بان کو برقرار رکھتے ہوئے نہ اترے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ حضرت یعقوب سواری سے اتر پڑے تھے۔ اور بوقت ملاقات سلام کی ابتداء بھی حضرت یعقوب نے فرمائی تھی۔

تفسیر صافی میں بروایت علل منقول ہے باپ بیٹا ایک دوسرے کے گلے ملے اور ابھی تک حضرت یوسف الگ نہیں ہوئے کہ جبریل نے پہنچ کر کہا تیرے لئے صدیق باپ سواری سے پیدل ہوا ہے اور تم اس کی عزت افزائی کے لئے پیدل نہیں ہوئے ہاتھ نکالو۔ چنانچہ جب انہوں نے ہاتھ باہر کیا تو ایک نور ساطع ہوا جو آسمان کی طرف چلا گیا۔ حضرت

اَوْسَىٰ اِلَيْهِ اَبُوَيْهِ وَقَالَ ادْخُلُوا مِصْرًا ۗ اِنَّ لَكُمْ فِيهَا مَنَازِلٌ ۗ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿٩٩﴾

اپنے پاس ٹھہرایا اپنے ماں باپ کو اور کہا دشمن ہیں داخل ہونے سے پہلے کہ داخل ہو مصر میں اگر اللہ چاہے۔ باسن ہو کر یوسف نے پوچھا اے جبریل یہ نور کیا تھا تو جواب دیا کہ یہ نور نبوت تھا جو تجھ سے لے لیا گیا ہے۔ اب تیری نسل میں قیامت تک کوئی نبی نہیں ہوگا کیونکہ تم باپ کی تعظیم کے لئے سواری سے نہیں اترے۔ اور مروی ہے کہ اسی وجہ سے نبوت کا نور لادوی کی پشت میں رکھا گیا۔ جس نے بھائیوں کو حضرت یوسف کے قتل سے منع کیا تھا۔ پس خدا کو اس کا یہ فعل پسند آیا چنانچہ بنی اسرائیل کے سب انبیاء اسی لادوی کی نسل سے ہیں۔ اور حضرت موسیٰ بھی اسی لادوی کی اولاد سے ہیں۔ موسیٰ بن عمران بن یصہر بن واہب بن لادوی اور حضرت یوسف کے پیدل نہ ہونے کی یہ وجہ ہے کہ آپ نے دل میں خیال کیا کہ لمبے فراق اور طویل جدائی کے صدمات بھیلنے کے بعد جب مجھے وہ شاہانہ شکوہ کے ساتھ دیکھیں گے تو ان کا دل زیادہ غرش ہوگا۔ اور زخم الم بہت جلد مندمل ہوگا اور بعض روایات میں اس امر کی جانب اشارہ بھی موجود ہے۔ ورنہ ناممکن ہے کہ ازراہ غرور و تکبر سواری سے نہ اترے ہوں کیونکہ یہ چیز عام لوگوں کے لئے ناقابل برداشت غلطی ہے چہ جائیکہ نبی معصوم ایسی گری ہوئی باتوں کا مظاہرہ کریں۔ حاشا وکلا۔ اور اگر یہ بات ازراہ تکبر ہوتی تو صرف نور نبوت پشت سے سلب نہ ہوتا بلکہ خود بھی نبی نہ بنتے اور ایسے حالات میں حضرت یعقوب بھی ان کو پسندیدہ نگاہوں سے نہ دیکھتے پس یہ ترک اولیٰ تھا۔

کتب تفاسیر میں مجمع البیان و برہان وغیرہ میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا بیٹا! مجھے سناؤ کہ بھائیوں نے تیرے ساتھ کیا سلوک کیا۔ حضرت یوسف نے عرض کی اباجان! مجھے اس بات سے معاف کیجئے تو حضرت یعقوب نے قسم دے کر کہا کہ تم کو سنا نا پڑے گا۔ پس حضرت یوسف نے اپنا ماجرا دہرایا جب کنوئیں کے ذکر تک پہنچے اور کہا کہ مجھے بھائیوں نے کنوئیں کے کنارہ پر بٹھا کر قمیص اتارنے کو کہا تھا اور میں نے معذرت چاہی تھی اور باپ یعقوب کی ذات کا واسطہ دیا تھا کہ مجھے ننگا نہ کرو تو فلاں بھائی نے پھر ابلند کر کے دھکی دے کہ قمیص اتارنے کو کہا تھا پس ان الفاظ کا سننا تھا کہ حضرت یعقوب کی چیخ نکلی اور غش کھا کر گئے۔ پھر افاقہ ہوا تو فرمایا ہاں بیٹے سناؤ پھر کیا ہوا؟ آخر کار حضرت یوسف نے اسمعیل واسحق و ابراہیم کے پروردگار کا واسطہ دے کر معافی چاہی اور حضرت یعقوب نے اصرار ترک کیا۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت یوسف نے عرض کی کہ باباجان مجھ سے بھائیوں کا سلوک نہ پوچھئے بلکہ رحمت پروردگار کا سلوک دریافت کیجئے۔

اَوْسَىٰ اِلَيْهِ اَبُوَيْهِ :- یعنی جب حضرت یعقوب پہنچے تو حضرت یوسف نے اپنے والدین کو اپنے ہاں ٹھہرایا۔ حضرت یوسف کی والدہ کا چونکہ انتقال ہو چکا تھا لہذا ثننیہ کے استعمال کی کئی وجوہ بیان کی گئی ہیں۔

۱۔ خالہ پر ماں کا اطلاق کیا گیا جس طرح اس کی نظیر چچا پر باپ کا اطلاق ہوا کرتا تھا۔

۲۔ چونکہ حضرت یعقوب کے نکاح میں تھی اس لئے وہ سوتیلی ماں تھی لہذا مجازاً اس پر ماں کا اطلاق درست ہے۔

وَمَرَّفَعَ أَبُو يَهُدَى عَلَى الْعَرْشِ وَخَرُّوَالَهُ سُجَّدًا ۚ وَقَالَ يَا بَتِ هَذَا

اور اپنے ماں باپ کو تخت پر بلند کیا اور وہ اس کی تنظیم کے لئے جھکے اور کہاے باباجان! یہ تعبیر ہے

تَأْوِيلٌ رَّعِيَايَ مِنْ قَبْلُ قَدْ جَعَلَهُ رَبِّي حَقًّا وَقَدْ أَحْسَنَ بِي

میرے پہلے خواب کی تحقیق اُس کو پروردگار نے سچا کیا اور مجھ پر احسان فرمایا جب اس نے مجھے قید خانہ سے

إِذَا أَخْرَجَنِي مِنَ السِّجْنِ وَجَاءَ بِكُمْ مِنَ الْبَدْوِ مِنْ بَعْدِ أَنْ

نکالا اور آپ کو دیہات سے یہاں لایا بعد اس کے کہ کہو پڑا

نَزَعَ الشَّيْطَانُ بَيْنِي وَبَيْنَ إِخْوَتِي ط إِنَّ رَبِّي لَطِيفٌ لِمَا يَشَاءُ ط إِنَّهُ

شیطان میرے اور میرے بھائیوں کے درمیان تحقیق میرا پروردگار لطف کرتا ہے جیسا چاہے اور تحقیق

۳۔ بعض کہتے ہیں کہ حقیقی ماں زندہ تھی لہذا والدین کا اطلاق صحیح ہے۔

۴۔ حضرت یوسف کے خواب کی صحیح تعبیر کے لئے اس کی ماں کو دوبارہ زندہ کر دیا گیا تھا (مجمع البیان)

أَدْخَلُوا مِصْرًا۔ یہ لفظ حضرت یوسف نے داخلہ مصر سے پہلے کہے تھے۔ لہذا آیت میں تقدیم و تاخیر ہے۔ اور اس کی قید اس لئے زیادہ کی گئی ہے کہ اس زمانہ میں فراعنہ مصر کا گروہ و فواج کی حکومتوں پر رعب چھایا ہوا تھا۔ لہذا مصری حکومت ہی کسی فریاد یا خاندان کے امن کو چیلنج کر سکتی تھی۔ اور جو مصری حکومت کی طرف سے اس حاصل کر لیتا تھا اُس کو کسی دوسری حکومت کا خطرہ نہ رہتا تھا۔

منقول ہے کہ حضرت یعقوبؑ کی کل عمر ۷۴ برس تھی۔ مصر میں جب آئے تو اُس وقت ۱۳۰ برس عمر تھی۔ پس ۷۴ برس حضرت یوسف کے پاس رہ کر وارفانی سے عالم جاودانی کی جانب رحلت فرمائی۔ بعض کہتے ہیں کہ ۲۴ برس مصر میں رہ کر فوت ہوئے۔ اور زمینِ شام میں دفن کئے گئے۔ ساگون کے صندوق میں رکھ کر ان کو بیت المقدس کی طرف نقل کیا گیا۔ ان کے بھائی عیصو کا بھی اسی دن انتقال ہوا۔ یہ دونوں ایک ہی دن جوڑے پیدا ہوئے تھے اور ایک ہی روز فوت ہوئے اور ایک جگہ دفن کئے گئے۔ اور اسی لئے یہودی لوگ کوشش کر کے اپنے مردوں کو بیت المقدس کی طرف لے جا کر وہاں دفن کرتے ہیں۔ حضرت یوسف باپ کی وصیت کے ماتحت حضرت یعقوبؑ کو بیت المقدس میں دفن کر کے واپس مصر تشریف لائے اور ۲۳ برس بعد زندہ رہ کر فوت ہوئے۔ اور یہ بنی اسرائیل کے پہلے نبی ہیں۔ اور انہوں نے بھی وصیت کی تھی کہ مجھے اپنے آباء طاہرین علیہم السلام کے پہلو میں دفن کیا جائے۔ چنانچہ وہاں دفن ہوئے۔ اور بعض لوگ ان کے مصر میں دفن ہونے کے قائل ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بحکم پروردگار ان کی میت کو نکال کر بیت المقدس میں حضرت یعقوبؑ کے پہلو میں دفن کیا (مجمع البیان)

ایک روایت میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے آپ ۱۲ برس کی عمر میں قید ہوئے۔ ۱۸ برس کے بعد ۳۰ برس کی عمر میں رہا ہوئے۔ پھر ۸۰ برس زندہ رہ کر ۱۱ برس کی عمر میں فوت ہوئے (مجمع)

سجدہ تعظیمی وَخَشَرُوا لَهٗ: تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ اس زمانہ میں لوگوں کا باہمی سلام سجدہ کرنا یا جھکنا، یا سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو جانا تھا۔ چنانچہ فتاویٰ سے یہی مروی ہے۔ اور ان کی شریعت میں غیر اللہ کے لئے سجدہ تعظیمی ممنوع نہیں تھا۔ لیکن خداوند کریم نے امت اسلامیہ کو سجدہ تعظیمی کرنے بھجنے اور ہاتھ باندھنے کے عوض میں سلام عطا فرمایا اور یہی اہل جنت کا طریقہ ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ اس زمانہ کا سجدہ رکوع کی مثل ہو کر تا تھا جیسا کہ ایرانیوں کا بادشاہوں کے لئے بھجنے کا دستور چلا آ رہا ہے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ خدا نے ان کے فراق کو نعمت وصال سے بدل دیا۔ پس اس نعمتِ عظمیٰ کے لئے پر یعقوب و اولاد یعقوب سب نے مل کر سجدہ شکر پروردگار ادا کیا۔ اور کہہ میں ضمیر غائب کا مرجع اللہ ہے (مجمع البیان) نیز اسی تفسیر میں مروی ہے۔ ایک دفعہ یحییٰ بن اکثم نے حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کے شہزادے حضرت موسیٰ بن محمد سے چند مسائل پوچھے جن کو انہوں نے اپنے بھائی امام علی نقی علیہ السلام سے دریافت کیا اور آپ نے جوابات عنایت فرمائے ان میں سے ایک مسئلہ یہ بھی تھا کہ یعقوب اور اولاد یعقوب کا سجدہ کیسا تھا؟ حالانکہ وہ انبیاء تھے؟ آپ نے فرمایا یہ یوسف کا سجدہ نہیں تھا بلکہ اللہ کا سجدہ تھا اور یوسف کا وقار ظاہر کرنا مقصود تھا۔ جیسا کہ فرشتوں کا سجدہ اللہ کے لئے تھا۔ اور حضرت آدم کا وقار ظاہر کرنا مقصود تھا۔ پس حضرت یعقوب اور اس کی جملہ اولاد حتیٰ کہ حضرت یوسف نے بھی وصال کی نعمتِ عظمیٰ پر پروردگار کا شکر ادا کرتے ہوئے سجدہ ادا کیا۔

بعض جاہل لوگ نادانانہ طور پر اپنے غلط سلط عقائد کو عوام پر مسلط کرنے کے لئے آیاتِ تشابہات کا سہارا لیتے ہیں چنانچہ اہل بیت طاہرین علیہم السلام کے لئے سجدہ تعظیمی کو جائز کہہ کر یعقوب و اولاد یعقوب کا سجدہ یوسف کے لئے اور ملائکہ کا سجدہ آدم کے لئے بطور استنباط پیش کرتے ہیں۔ پس اس طریقہ سے لوگوں کو شرک کی تعلیم دیتے ہیں۔ اور خداوند کریم قرآن مجید میں ہی کسی مقام پر ارشاد فرماتا ہے کہ شرک کے علاوہ جملہ گناہ بخشے جاسکتے ہیں لیکن اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُشْرَكَ بِهٖ تَحْقِيقًا خدا شرک کے گناہ کو برگزیدہ نہیں بخشتا۔ دوسرے مقام پر فرمایا اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ تحقیق شرک بہت بڑا ظلم ہے۔ میرے بیان سے اس شبہ کا صحیح حل معلوم ہو چکا ہے کہ فرشتوں اور یعقوب و اولاد یعقوب کا سجدہ اللہ کے لئے ہی تھا۔ جس طرح تمام مسلمانوں کو کعبہ بیت اللہ کی طرف منہ کر کے سجدہ کرنے کا حکم ہے حالانکہ سجدہ کعبہ کا نہیں ہوتا بلکہ سجدہ اللہ کا ہوتا ہے اور کعبہ بحیثیت قبلہ کے تصور کیا جاتا ہے ورنہ اگر کوئی شخص کعبہ کی طرف منہ کر کے کعبہ کا ہی سجدہ کرے تو وہ مشرک ہوگا۔

اور مروی ہے کہ جناب رسالت مآب نے ارشاد فرمایا اگر کسی کے لئے سجدہ تعظیمی جائز ہوتا تو سب سے پہلے میں عورتوں کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہروں کو سجدہ کریں۔

اسی بنا پر عقباتِ عالیات کی زیارت کا شرف حاصل کرنے کے بعد دو رکعت نماز بدیہ یا کوئی دوسری نماز دہائیں یا بائیں ہو کر پڑھنی مستحب ہے تاکہ قبور کی طرف منہ کر کے سجدہ کرنے سے غیر اللہ کے سجدہ کا شبہ تک پیدا نہ ہو۔ اب اندازہ کیجئے کس قدر وریدہ دہن ہیں وہ لوگ جو ائمہ معصومین علیہم السلام کی تعلیمات سے کنارہ کشی کر کے عوام الناس کو اپنے دامِ تزویر میں پھنسا کر اہلسنی کی نیابت کرتے ہوئے لوگوں کو شرک کی تعلیم دیتے ہیں۔ اور پھر اس قسم کی آیات کا سہارا لیتے ہیں جن کی آئمہ نے تشریح و وضاحت فرمائی ہے کہ یہاں غیر اللہ کا سجدہ مراد نہیں ہے اور ہم نے اپنی کتاب لعمۃ الانوار فی عقائد الابرار میں بھی اس موضوع پر حسبِ ضرورت روشنی ڈالی ہے۔

یہ لوگ اہل بیتِ عظام علیہم السلام کو خوشامد پسند خیالی کرتے ہیں حالانکہ ایسی فضول اور بیہودہ باتوں سے آئمہ قطعاً خوش نہیں ہوتے۔ ان کی خوشی و رضامندی اس میں ہے کہ ان کی اطاعت کی جائے۔ اور ان کے احکام کی صحیح طور پر پاسداری کی جائے۔ مشرکانہ عقائد کی ترویج نہ دین کی خدمت ہے اور نہ آئمہ دین کی خوشنودی کا ذریعہ ہے۔ پس اللہ کے علاوہ کسی کا سجدہ جائز نہیں ہے نہ عبادتی نہ تعظیمی اور یقیناً غیر اللہ کا سجدہ خواہ نبی کے لئے ہو خواہ ولی کے لئے ہو۔ شرک ہے۔ خداوند کریم تمام مومنین کو اس سے محفوظ رکھے۔

ہذا تاویلِ رؤیائی - لحد و بے دین لوگ جو وجود باری کے قائل نہیں اور کائنات ظاہری کو صرف تعبیرِ خواب | مادہ و طبیعت کی پیداوار سمجھتے ہیں۔ پھر اس عالم کے علاوہ کسی دوسرے عالم کو تسلیم نہیں کرتے حقیقتِ خواب اور تعبیرِ خواب پر نظر غائر ڈالنے سے ان کے دہل و فریب اور مکر و عذر کی قلعی خوب کھلتی ہے۔ پس عالم کے مدبر حکیم اور خالقِ عظیم پروردگارِ عالمین کے وجود اور اس کی قدرت و حکمت و صنعت کا اعتراف کئے بغیر کوئی ذی ہوش نہیں رہ سکتا دیکھیے خواب کا وجود اور اس کی تعبیر کا اس کے مطابق ہونا اس بات کا غماز ہے کہ اس عالم ظاہری و مادی کے پس پشت ایک عالمِ باطنی و روحانی موجود ہے۔ اور جس طرح اس عالم ظاہری میں اشیاء کے حقائق موجود ہیں اُس عالمِ باطنی و روحانی میں بھی انہی حقائق کی تصاویر موجود ہیں۔

عالمِ خواب میں جب روحِ انسانی قفسِ عنصری کی قید سے تھوڑا سا آزاد ہوتا ہے تو عام بیہودہ تخیلاتی شہواتی جذباتی و خواہشات کی سیر کرتے کرتے بعض اوقات مذکورہ بالا عالمِ باطنی و روحانی کی سیر پر بھی موقف ہو جاتا ہے۔ پس بے ہودہ و لاابالی قسم کے لوگ بالعموم بیہودہ تخیلات و بے حقیقت مناسبات میں اُلجھے رہتے ہیں اور کجا کبھی ان کو عالمِ روحانی کی سیر کا اتفاق ہوتا ہے لیکن سلجھے ہوئے نیک و صالح لوگوں کی حالت اس کے برعکس ہوتی ہے وہ بالعموم عالمِ روحانی کے مناظر کی تصاویر دیکھتے ہیں۔ اور شاذ و نادر قسم اول کے بے ہودہ خیالات کا منظر بھی ان کے سامنے آتا ہے جن کو اضغاثِ احلام سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے۔ بڑے خیالات لے کر اور پیٹ بھر کر نیز جس و گندے جسمِ غلیظ بستر و لباس اور ناپاک جگہ میں سونا بالعموم خواب میں بیہودہ خیالات کے مناظر کا باعث ہوتا ہے اور اس کے برخلاف کم کھانا پاک صاف

جسم اچھا بستر ستھر لباس پاکیزہ مکان و ماحول اور اچھے خیالات و جذبات عالم باطنی و روحانی کی سیر کے موجبات میں سے ہیں۔ اسی بنا پر حدیث نبوی میں بھی وارد ہے کہ مومن کا خواب نبوت کا پہلہ حصہ ہے۔ اس سلسلہ کی متعدد احادیث ہم نے تفسیر کی دوسری جلد میں یا علی مدد کے تحت باحوالہ درج کی ہیں۔

میں نے عرض کیا ہے کہ عالم باطنی اسی عالم ظاہری کا عکس ہے اور اس کے حقائق اس عالم ظاہری کے حقائق کی تصاویر کی حیثیت رکھتے ہیں۔ پس نفوس قدسیہ کے سامنے وہ تصاویر بالکل صاف و شفاف ہوتی ہیں جن کی بدولت خواب دیکھنے والا خود بڑی آسانی سے اُس مطلب و مقصد کو سمجھ سکتا ہے اور جو نفوس علائق شہویہ و نفسیہ میں کسی قدر مبتلا ہوں۔ ان کے سامنے حقائق ظاہریہ کی تصاویر دھندلی شکل میں ظاہر ہوتی ہیں جس کا مقصد وہ خود نہیں سمجھ سکتا۔ پس مقصد جاننے سمجھنے کے لئے کسی باخبر سے دریافت کیا جاتا ہے مثلاً حضرت ابراہیمؑ کا خواب اِنِّیْ اٰدٰی فِی الْاٰمِلٰتِمْ اِنِّیْ اَدْبِحٰکَ یعنی اے بیٹا میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ تجھے ذبح کر رہا ہوں۔ یہ عالم واقعی کی بالکل صاف تصویر تھی اور اس کی تفسیر یہی تھی کہ بیٹے کو ذبح کرنا ہے اور ایسا خواب وحی الہی سے تعبیر ہوتا ہے۔ اسی طرح حضرت یوسفؑ کا خواب کہ سورج چاند اور گیارہ ستارے میرے سامنے سجدہ ریز ہیں یہ بھی تقریباً تقریباً واقع کی صاف تصویر ہے جس کی تعبیر ہر ذی فہم معلوم کر سکتا ہے۔ اسی بنا پر حضرت یعقوبؑ نے فرمایا بیٹا یہ خواب بھائیوں کے سامنے بیان نہ کرنا لَا تَقْصُصْ دُوٰیكَ عَلٰی اِخْوَتِكَ۔ یعنی خواب کی تصویر اس قدر صاف ہے کہ بھائی سُننے ہی اس کی تعبیر جانتے ہوئے تجھ سے حسد کرنے لگیں گے۔ اب ان خوابوں کے مقابلہ میں زندان کے دو نو قیدیوں کا خواب دیکھیے۔ ایک نے کہا میں خواب میں انگر کا شراب کشید کر رہا ہوں اور دوسرے نے کہا میں سر پر روٹی کا طبق اٹھائے ہوئے ہوں کہ اس سے پرندے بھی کھا رہے ہیں۔ یہ واقع کی دھندلی تصویریں ہیں جن کا صحیح مقصد حضرت یوسفؑ کے علاوہ کوئی نہ جان سکتا تھا۔ اسی طرح بادشاہ کا خواب کہ سات موٹی گائیں کو دہلی گائیں نے کھا لیا۔ اور سات سرسبز خوشوں پر خشک خوشے غالب آگئے۔ یہ بھی واقع کی دھندلی تصویر تھی جس کو صرف حضرت یوسفؑ ہی حل کر سکتے تھے۔

چونکہ خواب کے مناظر عالم ظاہری کی تصاویر ہیں لہذا بعض اوقات گذشتہ واقعات کا فوٹو سامنے آتا ہے جس کی تعبیر کا انتظار بے کار ہے۔ اور بعض اوقات زمان حال کی تصویر کشی ہوتی ہے جس کی تعبیر فری ظاہر ہو کر تھی ہے اور تعبیر ظاہر ہونے کے بعد انسان خود ملتفت ہوتا ہے کہ یہ وہی ہے جو میں خواب میں دیکھ چکا ہوں۔ چنانچہ میری والدہ ماجدہ سلمیٰ اللہ نے خواب میں دیکھا کہ میرے بھتیجے اپنے باپ کی قبر کو کھودتے ہیں۔ پس فلق و اضطراب سے بیدار ہوئیں دن ہوا تو معلوم ہوا کہ باپ نے بڑی محنت شاقہ اور کم و کاوش سے جو مکان بنایا تھا بیٹے اُس مکان کی چھت اُگھڑنے کے لئے آگئے اور ملبہ اُتار کر لے گئے۔ انہوں نے فوراً سمجھ لیا کہ یہ میرے رات دانے خواب کی تعبیر ہے۔ اور بعض اوقات خواب میں زمان مستقبل کے حقائق کی تصویریں سامنے آتی ہیں خواہ مستقبل قریب ہو یا بعید۔ نیز بعض خوابوں میں مستقبل زمانہ کی حدود

کی طرف بھی اشارہ ہوتا ہے۔ جیسے سات موٹی گائیوں میں سات کا عدد سات سال بتاتا ہے۔ وعلیٰ بذالقیاس۔ لیکن بعض اوقات زمانہ مستقبل کی تحدید کی طرف کوئی اشارہ نہیں ہوتا۔ جس طرح حضرت یوسف کا خواب کہ شمس و قمر اور گیارہ ستارے سجدہ کر رہے ہیں۔ اس کی تاویل ۸۰ یا ۷۰ یا ۶۰ برس کے بعد ظاہر ہوئی۔ باختلاف روایات (مجمع البیان) بہر کیف اس میں شک نہیں کہ خواب میں عالم باطنی کے مناظر سے دوچار ہونا صرف مومن سے مخصوص نہیں بلکہ ہر فرد کم و بیش اس سے بہرہ ور ہوا کرتا ہے اور اس کی تعبیر بھی عالم ظہور میں منظر عام پر آجایا کرتی ہے۔ جس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ اس عالم ظاہری کے علاوہ ایک عالم باطنی موجود ہے جس میں عالم ظاہری کے گذشتہ و حالہ و استقبالیہ حقائق کی تصاویر موجود ہیں جس سے ان سے تطبیق رکھتی ہیں۔ کیونکہ آنے والے واقعات کا قبل از وقت دیکھ لینا ان کے وجود مثالی کو ثابت کرتا ہے۔

پس جو لوگ کہتے ہیں کہ یہ عالم ظاہری خود بخود اسباب و علل کی پیداوار ہے۔ اور مادہ و طبیعت کی کارستانیوں کا نتیجہ ہے۔ اُن سے یہ دریافت کیا جائے کہ عالم باطنی کی تصاویر مجرہ جن کو روح انسانی قیود عناصر سے مجرہ ہو کر دیکھتی ہے اور اُن کی تعبیر و تاویل ایک وقت کے بعد منظر عام اور منصفہ شہور پر ظاہر ہوتی ہے۔ اس کا سبب و علت کون ہے اور اس کی ایجاد و تخلیق میں کس قوت کا ہاتھ ہے تو ماننا پڑے گا کہ ایک قوت قاہرہ موجود ہے جو مادہ و طبیعت سے مافوق اور علل و اسباب سے بے نیاز ہے۔ اور جس طرح عالم باطنی روحانی اس کی تخلیق کا کرشمہ ہے۔ اسی طرح عالم ظاہری بھی اسی کی قدرت کاملہ اور حکمت شائدہ سے معرض وجود میں آیا ہے۔ اگر محدود بے دین لوگ خوابوں کو خرافات سے تعبیر کریں تو یہ اُن کی حماقت کی دلیل ہے۔ اور اس کو جھٹلانا ایسا ہے جیسے رالبعۃ النہار پر سورج کے وجود کا انکار کیا جائے۔

اور یہ بھی یاد رکھئے کہ یہ عالم ظاہری و واقعی عالم آخرت (قیامت) کے مقابلہ میں خواب کی دنیا ہے جیسے کہ حضرت امیر علیہ السلام سے منقول ہے۔ النَّاسُ نِيَامٌ إِذَا مَا تَوَّأْنَا تَبَهَّوْا یعنی لوگ خواب غفلت میں سوئے پڑے ہیں جب مریں گے تو جاگیں گے۔ اور یقیناً میدانِ محشر میں اس دنیاوی زندگی کا تصور ایک خواب معلوم ہوگا۔ اور آخرت میں جنت یا دوزخ اس ظاہری دنیاوی زندگی کے اعمال کی تعبیر میں ہیں۔ پس نیک اعمال کی تعبیر جنت ہے۔ اور بد اعمالیوں کی تعبیر جہنم ہے۔ البتہ خواب میں انسان بے اختیار ہوتا ہے۔ اور جن مناظر کو وہ دیکھتا ہے۔ اُس کی تعبیر قہراً اس کے سامنے آتی ہے۔ اگر تعبیر ناپسندیدہ ہو تو اپنے خواب کو ملامت نہیں کر سکتا۔ کیونکہ خواب دیکھنے میں بے اختیار تھا۔ پس یہ نہیں کہہ سکتا کہ کاش میں نے وہ خواب نہ دیکھا ہوتا۔ لیکن یہ عالم ظاہری جو عالم واقعی کے مقابلہ میں خواب کی حیثیت رکھتا ہے اس میں انسان بے اختیار نہیں لہذا اچھی تعبیر یعنی نیک جزا حاصل کرنے میں اس کو پورا اختیار حاصل ہے اور بُری تعبیر یعنی دوزخ سے بچنے کے لئے بد اعمالیوں سے کنارہ کشی پر اس کو قدرت و اختیار حاصل ہے۔ پس جس طرح بروز محشر اچھی جزا ملنے پر دنیا میں اپنی نیک اعمالوں پر خوش ہوگا اسی طرح بُری جزا جہنم دیکھنے پر وہ دنیاوی بد اعمالیوں پر پھپھٹائے گا۔ اور

اپنے آپ کو ملامت کرے گا۔ کہ کاش دنیاوی چند روزہ زندگی میں ایسے کام نہ کئے ہوتے جن کی سزا جہنم ہے خداوند کریم مجھے میرے والدین و افراد خاندان و جملہ مومنین کو بد اعمالیوں سے بچائے اور نیک اعمال پر موفی فرمائے تاکہ بروز عشرت چھپانے کی بجائے خوش و خرم محمد آل محمد کے زیر سایہ جنت الفردوس میں دائمی پرسور و پر کیف و پر لطف زندگی سے ہمکنار ہو کر شکر پروردگار ادا کریں۔ آمین۔

وَقَدْ أَحْسَنَ بِنِي :- حضرت یوسف علیہ السلام نے باپ سے اپنے حالات بیان کئے اور کہا کہ یہ میرے اُس خواب کی تعبیر ہے جو بچپن میں دیکھا اور خدا نے اس کو سچا کیا اور اس کے بعد احسانات پروردگار بیان کئے کہ اُس نے مجھے زندان سے نکالا۔ اور آپ لوگوں کو دیہاتی تکلیف دہ زندگی سے نکال کر مصر میں آباد کیا۔ اب حضرت یوسف نے زندان سے آزادی کو نعمت پروردگار بیان کیا لیکن کنوئیں سے نکلنے کو نہ شمار کیا تاکہ بھائیوں کی دل آزاری نہ ہو اور باپ کے سرور و انبساط میں فرق نہ آئے۔ یہ حضرت یوسف کا انداز بیان انتہائی اخلاق کریمانہ کا شمار ہے۔

وہ بات جو واقع کے مطابق ہو اس کو صدق کہا جاتا ہے اور وہ بات جس کی واقع مطابقت کرے اس کو حق کہا جاتا ہے۔ پس صدق (سچ) میں ضروری ہے کہ واقعہ پہلے موجود ہو تاکہ کہی ہوئی بات اس کے مطابق ہو کر سچ کہلائے لیکن حق میں ضروری نہیں ہے کہ واقعہ پہلے موجود ہو پس واقعہ پہلے موجود ہو اور بات کی مطابقت کرتا ہو تو وہ بات صدق بھی ہوگی اور حق بھی ہوگی۔ لیکن بات سے پہلے واقعہ موجود نہ ہو تو بعد میں ہونے والا واقعہ جو بات کے مطابق ہو۔ اُس کے لحاظ سے بات کو حق سے تعبیر کیا جائے گا۔ پس حق اور صدق میں تسادس کی نسبت نہیں بلکہ عام و خاص مطلق کی نسبت ہے۔ یعنی جو صدق ہو گا وہ حق ضرور ہو گا لیکن پہا حق کا اطلاق ہو گا ضروری نہیں کہ وہاں صدق بھی استعمال ہو سکے۔ غالباً اسی نکتہ کے پیش نظر جناب رسالت مآب نے حضرت علیؑ کے حق میں فرمایا تھا علی مع الحق والحق معه یدور الحق حیثما دار۔ یعنی علی حق کے ساتھ ہے اور حق اس کے ساتھ ہے۔ حق اسی طرف ہوتا ہے جس طرف علی ہو۔ کیونکہ صدق کا تعلق واقعہ ماضیہ سے ہوتا ہے اور حق کا تعلق ماضی و حال و مستقبل ہر زمانہ سے ہوا کرتا ہے لہذا حق کا درجہ صدق سے بلند تر ہے اسی بنا پر صدیقہ کبریٰ کا بچوں کو کہنا کہ لباس درزی کے پاس ہے حق تھا جس کی تصدیق رضوان نے در دولت پر پہنچ کر دی۔

دَبَّ قَدْ آتَيْتَنِي حَلًا :- حضرت یوسف کی آنکھ ٹھنڈی ہوئی۔ زخم فراق مندل ہوئے اور زندگی کے چر کیف دور سے ہمکنار ہوئے۔ اپنے والدین کو اپنے پاس تخت حکومت پر جگہ دی۔ اور باپ سے گلے مل کر خوشی سے روئے۔ اس کے بعد دولت سرا میں جا کر سر رکھا۔ تیل لگایا۔ بدن و لباس کو خوشبو کیا۔ بالوں کو کنگھی سے آراستہ کیا اور شاہانہ پوشاک زیب تن کر کے سریر آرائے مملکت ہوئے۔ والدین اور بھائیوں نے یوسف کے بخت و اقبال کے سامنے گریں جھکا دیں اور شکر پروردگار میں سجدہ ریز ہوئے۔ جس کا تذکرہ گذر چکا ہے۔ اور منقول ہے کہ جدائی کے لمحے چوڑے عرصہ میں

هُوَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ ﴿۱۰۰﴾ رَبِّ قَدْ آتَيْتَنِي مِنَ الْمُلْكِ وَعَلَّمْتَنِي

وہ جاننے والا حکمت والا ہے اے پروردگار تو نے مجھے ملک عطا فرمایا اور تو نے مجھے خواہوں کی

مِنْ تَأْوِيلِ الْأَحَادِيثِ ۚ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَنْتَ وٰلِيٌّ فِى

تعبیر کا علم دیا اے آسمانوں اور زمین کے خالق تو میرا ولی ہے دنیا

الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ تَوَفَّنِي مُسْلِمًا وَّالْحَقِّنِي بِالصَّالِحِينَ ﴿۱۰۱﴾ ذٰلِكَ مِنْ

اور آخرت میں مجھے موت دے بجاالت اسلام اور مجھے ملا دے ساتھ نیکوں کے یہ غیب کی خبروں

اَنْبَاءِ الْغَيْبِ تُوحِيْدُ اِلَيْكَ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ اَجْمَعُوْا اَمْرَهُمْ

ہیں سے ہے جو ہم تجھے وحی کرتے ہیں اور تو ان کے پاس نہیں تھا جب انہوں نے اجماع کیا تھا

حضرت یوسف نے کبھی تیل سر مر اور خوشبو سے اپنے آپ کو آراستہ نہیں کیا تھا۔ اور اگرچہ شادی کچھ تھے۔ اور صاحب اولاد بھی ہو چکے تھے۔ لیکن لذائذ دنیاویہ سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ دل بہ وقت مفوم اور طبیعت اور اس رہا کرتی تھی۔ اب جو میل و ملاقات کا دور آیا۔ غم کی گھڑیاں گئیں۔ خزاں کا موسم ختم ہوا۔ اور بہار شروع ہوئی۔ تو دل و دماغ پر اس دل آفریں روح پر اور انقلاب نے اپنا اثر دکھایا۔ پس اپنے جلال شاہی اور جمال ذاتی کو دیدہ بظاہر اور حسن باہر سے خوب نکھارا۔ عدل و انصاف۔ امانت و دیانت۔ حلم و حوصلہ اور علم و خلق وغیرہ اوصاف حمیدہ کی پہلے سے کوئی کمی نہ تھی۔ پس حضرت یوسف کی شاہنشاہت کی دھاک بندھ گئی۔ اور تمام خاندان کے عمری و انفرادی مصائب دم توڑ کر ختم ہو گئے۔ حضرت یوسف شکر خداوندی میں رطب اللسان ہوئے۔ اور یہ ان کی مناجات کے الفاظ ہیں جو قرآن حکیم میں بیان فرما رہا ہے۔

تفسیر صافی میں بروایت قمی حضرت امام علی نقی علیہ السلام سے مروی ہے کہ زلیخا کا شوہر زلیخا سے شادی سابق عزیز مصر قحط سالی کے زمانہ میں فوت ہو گیا تھا اور زلیخا گر داب زمانہ میں مبتلا فقر و فاقہ کے ایام گزارنے پر مضطر ہو چکی تھی۔ لوگوں نے اس کو مشورہ دیا تھا کہ موجودہ عزیز مصر حضرت یوسف کے سامنے اپنی حالت زار بیان کر کے ان سے رحم و کرم کی درخواست کرے تو اس نے جواب دیا میں کس منہ سے اس کے سامنے جاؤں جب کہ میں اس کے ساتھ انتہائی بدسلوکی سے پیش آچکی ہوں۔ لیکن جب لوگوں نے بار بار کہا۔ اور یوسف کے اخلاق کریمانہ و اطوار شریفانہ کا تذکرہ کیا تو زلیخا کہ جہالت ہوئی۔ اور ایک دن حضرت یوسف کے راستہ پر آکر بیٹھ گئی۔ اور حضرت یوسف کا اپنی پوری آن بان اور شاہی شان و شوکت کے ساتھ اپنے مخصوص فوجی عملے سمیت گذر ہوا۔ ادب کا

سر جھکا کر کھڑی ہو گئی۔ ان کے شایان شان سلام کر کے عرض گزار ہوئی۔ سُبْحَانَ الَّذِي جَعَلَ الْمُلُوكَ بِالْمَعَصِيَةِ عَبِيدًا وَجَعَلَ الْعَبِيدَ بِالتَّوَّاعَةِ مُلُوكًا۔ یعنی پاک ہے وہ ذات جس نے حکمرانوں کو اپنے گناہوں کی پاداش میں غلام بنا دیا اور غلاموں کو اپنی نیکیوں کے صلہ میں شہنشاہ بنا دیا۔ یہ کلمہ سنتے ہی حضرت یوسف کے دل پر گہرا اثر ہوا۔ قدم رک گئے اور عنانِ توجہ اس کی طرف منعطف کر کے فرمایا اَنْتَ هَا تَيْتَنِي۔ یعنی کیا تو وہی رزینجا ہے؟ کہنے لگی۔ جی ہاں۔ فرمایا کیا اب بھی تیرا دل مجھے چاہتا ہے؟ کہنے لگی میرے ساتھ ایسی باتیں نہ کیجئے۔ میں بوڑھی ہو چکی ہوں کیا آپ سخری کے انداز سے پوچھ رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ نہیں۔ تو کہنے لگی۔ جی ہاں (یعنی ابھی تک آپ کی محبت میرے دل میں جاگزیں ہے) پس آپ نے اُسے حرم سرا میں جانے کا حکم دے دیا۔ چنانچہ اُس نے عمل کیا اور اس وقت وہ جوانی کی بہاریں ختم کر چکی تھی۔ اُس کا حسین چہرہ بڑھا پلے کی جھریوں سے اپنی خوشنمائی اور دلربائی کھو چکا تھا۔ آپ نے فرمایا تو نے میرے ساتھ فلاں سلوک کیا تھا؟ آپ نے گذشتہ واقعات کی یاد دہانی کرائی تو سرد آہ کھینچ کر کہنے لگی۔ اے نبی خدا مجھے شرمسار نہ کیجئے۔ میں تین ایسے امتحانات میں مبتلا تھی کہ میں سمجھتی ہوں مجھ جیسا امتحان کسی دوسری عورت پر نہ آیا ہوگا۔ ایک یہ کہ میں تیری محبت میں گرفتار ہو گئی کیونکہ تیرا حسن میں کوئی ہم پلہ نہیں ہے۔ دوسرے یہ کہ میں خود مصر میں زمانہ کی خوبصورت عورت تھی حتیٰ کہ سینہ مصر میں ہی تھی۔ اور اس کے ساتھ ساتھ گھر میں مال و دولت کی بھی فراوانی تھی۔ اور تیسرے یہ کہ ان تمام باتوں کے باوجود میرا اپنا شوہر نامرد تھا۔ حضرت یوسف نے اس کی درد بھری داستان سنی تو فرمایا اب تیری منشا کیا ہے۔ اُس نے عرض کی۔ حضور! اللہ سے سوال کیجئے کہ وہ مجھے دوبارہ جوانی عطا فرمائے۔ چنانچہ حضرت یوسف نے دعا مانگی اور پروردگار نے اس کو دوبارہ جوانی عطا فرمائی۔ اور حضرت یوسف نے اس سے شادی کی و حلیہ دہ باکرہ تھی۔

اسی تفسیر میں بروایت علی حضرت صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ رزینجا نے حضرت یوسف کی بارگاہ میں پہنچنے کی خواہش کی تو دربانوں نے اُسے دروازہ پر روک دیا یہ کہہ کر کہ تیری بدسلوکی جو یوسف سے ہو چکی ہے اُس کی بنا پر ہم جرات نہیں کر سکتے کہ تجھے اندر جانے کی اجازت دیں۔ رزینجا نے جب اصرار کیا اور کہا کہ جو اللہ سے ڈرتا ہے مجھے اس سے ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے؟ پس اجازت ملی۔ دربار شاہی میں پہنچی۔ امداد اب حکومت بجالائی۔ حضرت یوسف نے پوچھا کہ تیری شکل و صورت میں تغیر و تبدیلی کیوں رونما ہو چکی ہے؟ کہنے لگی حمد ہے اُس اللہ کے لئے جس نے بادشاہوں کو گناہوں کی بدولت غلام بنا دیا۔ اور غلاموں کو اطاعت کی جزا میں حکمران کر دیا۔ پس آپ نے فرمایا جو میرے ساتھ تو نے سلوک کیا اس کا داعی و محرک کیا چیز تھی۔ تو کہنے لگی اس کا موجب و سبب صرف آپ کے چہرہ کا حسن و جمال ہی تھا۔ آپ نے فرمایا اگر تو اُس نبی کا دیدار کرتی جو آخری زمانہ میں ہوگا جس کا نام نامی حضرت محمدؐ ہوگا تو تیری کیا حالت ہوتی جس کے چہرہ انور و رخ زیباکا حسن و جمال مجھ سے بدرجہا اتم و اکمل جس کے اخلاق کریانہ و اطوار شریفانہ کا دائرہ مجھ سے کہیں اوسع و اشمل اور جس کا جوہر و سخا و ذکر و عطا

میری بنسبت کہیں اعلیٰ و افضل ہوگا؟ یہ سُنتے ہی فوراً بولی کہ واقعاً آپ سچ فرما رہے ہیں۔ آپ نے دریافت کیا۔ تو نے کیسے بیان لیا کہ وہ ان صفاتِ حمیدہ و خصالِ جمیلہ کے مالک ہوں گے تو کہنے لگی جب آپ نے ان کے نام نامی کا ذکر زبانِ فیضِ ترجمان سے کیا تو ان کی محبت میرے دل میں جاگزیں ہو گئی۔ پس میرے دل نے یقین کر لیا ہے کہ وہ واقعی آپ سے بہ لحاظ سے اعلیٰ و اشرف اور اکمل و افضل ہوں گے۔ پس نور ایمان کی قندیل سے دل و دماغ کا منور ہونا تھا کہ دیارے رحمتِ پروردگار موجبِ ہوا اور بحرِ عطائے پروردگار سے لہراٹھی۔ زلیخا کے خوابیدہ بخت جاگے۔ قسمت نے ہلکا کھایا۔ کنارہ کش سہاگ نے کروٹ لی۔ اور روٹھے ہوئے بھاگ نے انگریزی لی۔ وحی کی وارنٹس کے ذریعہ خالقِ تقدیر و مالکِ تدبیر نے یوسف سے خطاب کیا۔ کہ میری کینز جو کچھ منہ سے کہہ رہی ہے یہ اُس کے دل کی آواز ہے۔ اور اس کی بدولت اس نے میری محبتِ حیات لی ہے۔ کیونکہ میرے حبیبِ محمد سے جو محبت کرے وہ میرا محبوب ہو کر رہتا ہے۔ پس بلا تاخیر اس سے شادی کرو اور اس کو اپنے حرمِ سرا میں داخل کر لو۔ چنانچہ حضرت یوسف نے حکمِ پروردگار کے مطابق عمل کیا۔

تفسیر برہان میں امامی شیخ سے منقول ہے کہ جب حضرت یعقوب مصر کے قریب پہنچے اور حضرت یوسف اپنے لاؤٹسکر کے ہمراہ استقبال کے لئے نکلے تو اس بلاخانہ کے قریب سے ان کا گذر ہوا۔ جہاں زلیخا مصروفِ عبادت تھی۔ جب زلیخا نے دیکھا تو نہایت غمزہ و خفیت آواز میں کہا۔ اے جانے والے تو نے مجھے حُزن میں مبتلا کیا۔ بے شک تقویٰ کس قدر اچھی چیز ہے جس نے غلاموں کو آزاد بنایا۔ اور گناہ کس قدر بُری چیز ہے جس نے آزادوں کو غلام بنا دیا۔

تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ زلیخا سے حضرت یوسف کے تین بچے ہوئے۔ افزائیم۔ میشا اور تیسری رحمہ جو حضرت ایوب کی زوجہ تھی۔ اور حضرت یوسف کے پورے چار سو برس بعد حضرت موسیٰ مصر میں آئے۔ اس عرصہ میں حضرت یعقوب کی اولاد چھ لاکھ سے بھی زیادہ ہو گئی تھی۔

میں نے کسی موعظہ کی کتاب میں دیکھا ہے۔ ایک دفعہ حضرت یوسف تختِ مصر پر جلوہ گر تھے۔ حضرت جبریل پاس موجود تھا۔ ایک پھٹے پرانے لباس میں ملبوس نوجوان گلی میں گذرا۔ جبریل نے بتایا یہ وہی ہے جس نے گہوارہ میں تیری عصمت کی گواہی دی تھی۔ پس حضرت یوسف نے اُس کو بلوایا۔ اس کو فاضلہ لباس بھی عطا کیا۔ اور نقدی بھی عطا کی اور معذرت کے ساتھ اُس کو رخصت کیا۔ تو جبریل مسکرایا۔ حضرت یوسف نے مسکرانے کا سبب پوچھا تو جبریل نے جواب دیا۔ جس شخص نے بچپن میں غیر ارادی طور پر تیری شہادت دی تو مخلوق ہو کر کافی انعام دینے کے بعد بھی معذرت کر رہا ہے۔ تو جو شخص اپنے پورے اختیار کے ساتھ اپنے اللہ کی کبریا کی اور اس کی توحید کی گواہی دے تو دنیا و محشر میں خدا جس قدر انعام و اکرام سے اُس کو نوازے گا۔ اُس کا کون اندازہ کر سکتا ہے؟

تَوْ قَتْنِي مُنْجِلًا: تفسیر مجمع البیان میں ابن عباس سے منقول ہے کہ کسی نبی نے جلدی مرنے کی دعائیں کی سوائے حضرت یوسف کے کیونکہ جب خدا نے طویل جدائی کے بعد سارے خاندان کو یکجا جمع کر دیا۔ آنکھیں ٹھنڈی ہو گئیں۔ غلاب کی تعبیر

وَهُمْ يَكْفُرُونَ ﴿۱۰۲﴾ وَمَا أَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِينَ

اور مکر رہتے تھے (یوسف کے ساتھ) اور نہیں اکثر لوگ اگرچہ آپ حرص بھی کریں ایمان لانے والے

وَمَا تَسْأَلُهُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِلْعَالَمِينَ ﴿۱۰۳﴾

حالانکہ آپ ان سے مزدوری بھی نہیں مانگتے نہیں ہے یہ مگر ذکر جہانوں کے لئے

پوری ہو چکی۔ اور ملک دنیا اور اس کی نعمات کے ساتھ لذت اندوز ہو چکے تو یہ خیال کیا کہ یہ سب کچھ فانی ہے پس اللہ سے دائمی نعمات کی خواہش کی۔ اور جنت کی التجا کی۔ موت کی تمنا ظاہر کی جو آج تک کسی نبی نے نہ کی تھی اور زمان کے بعد کسی نے کی۔ کہا اے اللہ! تو نے مجھے ملک عطا فرمایا۔ اور خواہوں کی تعبیر کا علم دیا۔ اے آسمانوں اور زمین کے خالق تو میرا دنیا و عقبی میں بڑا ناصر و مددگار ہے۔ مجھے اسلام کی موت دے دے اور مجھے نیک لوگوں کے ساتھ ملا دے۔ یعنی جنت کے ساکنین بنا دے۔ وصالین کی صحبت مجھے عطا کر۔

ایک روایت میں ہے کہ کنوئیں میں یوسف کو یہ دعا جبریل نے بتائی تھی۔

دُعَاةُ فَرَجٍ
اَللّٰهُمَّ فَاِنَّ لَكَ الْحَمْدُ كُلَّهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ اَمَلْتَانِ بَدِيْعَ السَّمٰوٰتِ وَ
الْاَرْضِ مِنَ ذُو الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِ مُحَمَّدٍ وَّ اجْعَلْ لِيْ مِنْ اَمْرِىْ فَرَجًا وَّ مَخْرَجًا
وَ اَرْزُقْنِيْ مِنْ حَيْثُ اُحْتَسِبُ وَّ مِنْ حَيْثُ لَا اُحْتَسِبُ۔ پس آپ نے اس ورد کو جاری رکھا تو ہر مصیبت دفع ہوتی
گئی۔ کنوئیں سے نجات ملی۔ زلیخا کے مکر سے رہائی پائی۔ زندان مصر سے چھٹکارا حاصل ہوا۔ اور پھر آخر کار تخت حکومت پر متمکن
ہوئے۔ اور دوسری روایت میں زندان مصر میں آپ کی یہ دعا منقول ہے۔

يَا كَبِيْرُ كَلِّ كَبِيْرِيَا مَنْ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَا لَا وِزِيْرِيَا خَالِقَ الشَّمْسِ وَا الْقَمَرِ الْمُنِيْرِ يَا عِصْمَةَ
الْمُضْطَرِّ الصَّرِيْرِيَا قَاهِمَ كُلِّ جَبَّارٍ عَنِيدٍ يَا مَعْنِي الْبَاسِ الْعَقِيْرِيَا جَابِرَ الْعَظِيْمِ الْكَبِيْرِ
يَا مُطَلِقَ الْمَكْبَلِ الْاَسِيْرِ اَسْئَلُكَ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِ مُحَمَّدٍ اَنْ تَجْعَلَ لِيْ مِنْ اَمْرِىْ فَرَجًا
وَّ مَخْرَجًا وَّ تَرْزُقْنِيْ مِنْ حَيْثُ اُحْتَسِبُ وَّ مِنْ حَيْثُ لَا اُحْتَسِبُ۔

رُكُوْعٌ ۷
کتابین میں آیت ۱۰۳ مقصد یہ ہے کہ اگر وجود باری اور اس کی توحید پر دلالت کرنے والی دلیلوں کا جائزہ لیا جائے
تو آسمانوں اور زمین کے اندر اس کی نشانیاں بے حد و شمار ہیں بلکہ کائنات کی ہر شے اپنے خالق مدبر اور حکیم صانع
کے وجود اور اس کی توحید کا پتہ دیتی ہے۔ اسی بنا پر تو کہا جاتا ہے کہ اللہ کے وجود پر دلیلیں اتنی ہیں جس قدر نفوس بشریہ ہیں پس
اس قدر دلیلوں کے بعد حقیقت وجود باری بدیہیات میں سے روشن تر اور جملہ حقائق سے واضح تر ہے پس پروردگار ازاں راہ
تعجب و استنکار فرماتا ہے کہ آسمانوں اور زمین میں کس قدر دلائل موجود ہیں جن سے کتاب آفاق بھری پڑی ہے۔ اور یہ لوگ

وَكَأَيِّن مِّنْ آيَةٍ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ يَمُرُّونَ عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا

اور کتنی نشانیاں ہیں آسمانوں اور زمین میں جن کو یہ دیکھتے ہیں درحالیکہ ان سے

مُعْرِضُونَ ﴿۱۰۵﴾ وَمَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُمْ بِاللَّهِ إِلَّا وَهُمْ مُشْرِكُونَ

چشم پوشی کر لیتے ہیں اور نہیں ایمان لاتے ان کے اکثر اللہ پر مگر درحالیکہ وہ مشرک ہوتے ہیں

﴿۱۰۶﴾ أَفَأَمِنُوا أَن تَأْتِيَهُمْ غَاشِيَةٌ مِّنْ عَذَابِ اللَّهِ أَوْ تَأْتِيَهُمُ

کیا وہ مطمئن ہیں اس بات سے کہ آئے ان پر چھا جانے والا اللہ کا عذاب یا آئے ان پر قیامت

السَّاعَةَ بَغْتَةً وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ﴿۱۰۷﴾ قُلْ هَذِهِ سَبِيلِي أَدْعُوا

اچانک درحالیکہ وہ شعور نہ رکھتے ہیں کہ وہ میرا طریقہ ہے کہ اللہ کی طرف بلاتا ہوں

ہر وقت ان کا مطالعہ بھی کرتے رہتے ہیں لیکن پھر حتم پوشی اختیار کر لیتے ہیں۔

وَمَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُمْ - اس آیت میں خدا ان لوگوں کو تنبیہ فرما رہا ہے جو ظاہر میں دعویٰ ایمان کا کرتے ہیں کہ ان لوگوں کی اکثریت بھی مشرک ہے۔ اس کی تاویل میں چند اقوال ہیں۔

مومنوں کا شرک

۱۔ مشرکین قریش جو اللہ کو خالق مالک محی و ممیت و رب سمجھنے کے باوجود بتوں کی پوجا کرتے تھے۔

۲۔ عام مشرکین عرب جو زمین و آسمان کا خالق مینہ برسانے والا اور سبزیاں اگانے والا اللہ کو جانتے تھے۔ اور پھر

بت پرستی کے مرتکب تھے۔

۳۔ اہل کتاب جو تورات و انجیل و سابق انبیاء اللہ اور ملائکہ سب پر ایمان رکھتے تھے لیکن آخر الزمان پیغمبر کی نبوت کے شکر

تھے۔ یہ تین قول امام جعفر صادق علیہ السلام سے بھی مروی ہیں۔

۴۔ یہ منافقوں کے حق میں ہے جو ظاہر میں ایمان دار اور باطن میں مشرک تھے۔

۵۔ یہ ان لوگوں کے حق میں ہے جو عقیدہ میں موحد ہیں اور اعمال میں مشرک ہیں یعنی عقیدہ درست ہے اور عمل شیطان

کے تابع ہے۔

بہر کیف ایمان کا دعویٰ کرنے کے بعد ضروری نہیں کہ انسان سچ مچ مومن بن جائے۔ بلکہ ہو سکتا ہے کہ زبان سے

ایمان کا دعویٰ کرے اور حقیقت میں وہ مشرک کی آلائشوں میں مبتلا ہو۔ حتیٰ کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا۔ اگر انسان یہ

کہے فلاں نہ ہوتا تو میں ہلاک ہو جاتا یا فلاں نہ ہوتا تو میرے بچے مر جاتے تو اُس کو اللہ کا شریک بنایا۔ پس عرض کی گئی کہ مولا!

اگر اس طرح کہا جائے کہ فلاں شخص کے ذریعے اللہ نے مجھ پر احسان نہ کیا ہوتا تو میں یا میرے بچے ہلاک ہو جاتے تو آپ

إِلَى اللَّهِ عَلَىٰ بَصِيرَةٍ أَنَا وَمَنِ اتَّبَعِيَ ط وَسُبْحَانَ اللَّهِ وَمَا أَنَا مِنَ

درحالیکہ میں اور میری اتباع کرنے والے یقین پر ہیں اور اللہ پاک ہے اور میں شرک کرنے والوں میں

الْمُشْرِكِينَ ﴿۱۰۸﴾ وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ إِلَّا رِجَالًا نُوْحِي إِلَيْهِمْ

سے نہیں ہوں اور نہیں بھیجے ہم نے تجھ سے پہلے رسول مگر بندے جن کی طرف ہم نے وحی کی

مِنْ أَهْلِ الْقُرَى ط أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرُوا كَيْفَ كَانَ

شہر کے بسنے والوں میں سے کیا یہ زمین میں سیر نہیں کرتے تاکہ دیکھیں کیا انجام ہوا

نے فرمایا یہ درست ہے۔

عوام الناس کی زبان سے عموماً نکلتا ہے۔ اللہ اہل بیت نے فلاں کام کیا۔ یا اللہ و سچتیں پاک کو فلاں کام کی لاج ہے۔ یا اللہ و علی نے میرا کام کر دیا وغیرہ اس قسم کے فقرات سے شرک کی بو آتی ہے اور معصوم نے اس سے منع فرمایا ہے پس اگر یہ مقصود ہو کہ خدا نے بحق محمد و آل محمد یا بطفیل سچ تن پاک یا بتصدق اہل بیت یہ کام کیا ہے یا فلاں حاجت پوری کی تو ٹھیک ہے ورنہ شرک صریح اور ظلم عظیم ہے اس قسم کے فقرات کے استعمال سے مومنین کو گریز کرنا چاہیے۔ اہل بیت کا اللہ پر عطف کہنا درست نہیں ہے بلکہ اس طرح کہنا چاہیے۔ خدا نے بوسیله اہل بیت ایسا کیا یا خدا بحق محمد و آل محمد ایسا کرے وغیرہ اسی طرح منت ماننے اور نذر دنیا زاد کرنے میں بھی اسی نکتہ کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔

أَنَا وَمَنِ اتَّبَعِيَ : یعنی میں اللہ کی توحید کی طرف لوگوں کو دعوت دیتا ہوں۔ اور میں اور میری اتباع کرنے والے بصیرت اور اطمینان کی صفات رکھتے ہوئے اس دعوت کے علمبردار ہیں۔ اور روایات اہل بیت سے بالتواتر ثابت ہے کہ اس آیت میں اتباع کرنے والوں سے مراد علی اور اس کی اولاد اطہرین ہیں کیونکہ آیت مجیدہ میں اتباع مطلقہ مراد ہے۔ اور جو شخص رسول کا ہر قول و فعل میں تتبع ہوا سے معصوم ہونا چاہیے۔ لہذا آئمہ معصومین ہی اس کے مصداق ہیں اور علامہ حلی نے اس آیت مجیدہ کو حضرت علی کی خلافت بلا فصل کی دلیل شمار کیا ہے۔ وَهُوَ الْحَقُّ سُبْحَانَ اللَّهِ۔ اللہ کی تشریح کا کلمہ ہے۔ یعنی شرک لوگ توحید کے متعلق جو غلط سلط عقائد رکھتے ہیں۔ خدا ان سے پاک و منزہ ہے۔ تفسیر برہان میں حضرت امیر علیہ السلام سے مروی ہے کہ یہ تشریح پروردگار کا کلمہ ہے۔ پس جب انسان یہ کلمہ زبان پر جاری کرے تو خدا کے تمام فرشتے اُس پر درود بھیجتے ہیں۔ سبحان اللہ۔

آیت مجیدہ میں توحید کی دعوت کی افضلیت بیان کی گئی ہے اور نیز اس امر کی طرف بھی اشارہ ہے کہ دعوت توحید اور براہین سالطہ موجود ہوں۔ اور آیت مجیدہ سے پتہ چلتا ہے کہ حضور اور اس کے قائم مقام ہمیشہ لوگوں کو دعوت دیا کرتے

تھے۔ اور آپ نے فرمایا اَلْعُلَمَاءُ اَمَنَاءُ الرَّسُلِ مَعْلَى عِبَادِہٖ - یعنی اللہ کے بندوں پر علماء رسولوں کے امین ہیں اور امانت و دیانت کا تقاضا یہ ہے کہ علماء دعوت توحید میں کسی بھی وقت مستی اور اغماضِ چشم سے کام نہ لیں۔ دورِ حاضر میں علمائے اعلام کے خلاف ہنگامہ آرائی کوئی نئی بات نہیں۔ ہمیشہ اور ہر دور میں جہاں کی جانب سے اس قسم کا شور و غوغا ہوا کرتا ہے۔ اور انبیاء نے جب بھی توحید کی دعوت پر زور دیا۔ جہاں نے اڑے آنے کی کوشش کی اس پر آشوب زمانہ میں یہود کی طرح ہماری قوم میں منبر کے ٹھیکہ دار بعض صاحبانِ جید و دستارِ عوام میں مشرکانہ تعلیمات کا پرچار اپنی کامیابی کا معیار قرار دئے ہوئے ہیں۔ وہ جب تک حضرت علیؑ کو منہ اُوہیت پر قابض نہ کرائیں ان کے ہاں ولایت پختہ ہی نہیں ہوتی۔ اور جو بندہ خدا اس قسم کے دریدہ دہن ملاؤں کے منہ میں لگام دینا چاہے وہ ان کے نزدیک وہابی قرار دیا جاتا ہے اور جو علیؑ کو بندہ خدا سمجھے اور بعد از پیغمبر لورپی کائنات کا پیشوا جانے ان کے نزدیک یہ حضرت علیؑ کی گراؤٹ سمجھی جاتی ہے۔ بس توحید کی حدود کو توڑ کر حضرت علیؑ کو خدائی صفات میں شریک ماننا ہی ان کے نزدیک ولایت کا صحیح مفہوم ہے۔ جہاں تک نقل کا تعلق ہے۔ ممکن ہے کہ صحیح ہو کہتے ہیں۔ ملک العلماء مرحوم گوڑا کر اور مصنف عبادت پروردو کو دعا مانگتے تھے۔ اے پروردگار! ہماری بھولی بھالی قوم کو اچھوتوں کی قیادت سے نجات دے۔ اور سچ ہے کہ اچھی قوم کا فرقہ و قوم کی بھلائی کی فکر میں ہوتا ہے اور کمین طبع لوگوں سے کمینہ پن کا دور ہونا غیر متوقع ہے۔ بعض سر بھرے برجگنبر پر اعلان کرتے پھرتے ہیں کہ نجف سے فارغ ہونے والوں کی بات نہ سنا وہ ولایت علیؑ کے دشمن ہیں۔ ایسے عقل کے اندھوں سے پوچھتا کوئی نہیں کہ علمائے اعلام جو اپنی زندگی کا قیمتی اور بارونق حصہ علوم دینیہ کی تحصیل میں خرچ کرتے ہیں۔ اور نجف میں ابوہریرہ کی روایات نہیں بلکہ محمدؐ و آلِ محمدؐ کے فرامین و کلمات کا درس لے کر آتے ہیں وہ ولایت علیؑ کا معنی نہیں سمجھتے تو کیا جن کو صرف منبر پر ناچنا، کودنا اور اچھلنا اچھالنا آتا ہے وہی ولایت علیؑ کو اچھا سمجھتے ہیں۔ اسی طرح علمی نسل کے اکثریتیم ولادارث لوگ علمائے اعلام پر دہابیت کا الزام عائد کر کے لوگوں پر اپنے علمی تفوق کا سکہ بٹھانے کی کوشش کرتے ہیں وہ اپنی تاریک زندگی کو عوام کی نظروں سے چھپانے کی خاطر علماء کو بدنام کرنے میں پیش پیش ہیں۔ اور بعض گانے والے پیشہ ور لوگ ایسوں کی آڑ میں علماء کو گالی دینا دین بچھنے لگے ہیں یہ لوگ جہلا کو اپنی ہاں میں ہاں ملاتا دیکھ کر بغلیں بجاتے اور خوش ہوتے ہیں حالانکہ یہ ان کی کامیابی نہیں بلکہ ان کے دین و ایمان کا جنازہ اور بے جسی اور بے شعوری کے لئے سند ہے۔ حضرت علیؑ کی ولاد کا یہ طریقہ نہیں کہ فرائض خداوندی سے عقلت برتی جائے۔ اور لوگوں کو معصیت پر جرات دلائی جائے۔ حضرت رسالت مآبؐ سے صحیح حدیث میں مروی ہے جس شخص پر حج بیت اللہ واجب ہو اور استطاعت کے باوجود ادا نہ کرے وہ یہودی یا نصرانی ہو کر مرتا ہے۔ ان ٹھیکہ دارانِ جنت سے پوچھنے والا کوئی نہیں کہ کارخانے لگائے جاسکتے ہیں۔ زمینیں خریدی جاسکتی ہیں۔ اور قوم کی رقوم اور عزائے حسین کی ہزاروں کی آمدنی کو رنگ رلیوں اور فضول خرچیوں کی نذر کیا جاسکتا ہے تو حج بیت اللہ کی ادائیگی کیوں نہیں کی جاتی کیا ولایت

علی کا تقاضا یہ معلوم نہیں کہ حج واجب کو عمداً بلا عذر ترک کر کے حضرت علی کی زیارت کو جانے والا علی سے لعنت لے کر پلٹتا ہے نہ کہ خوشنودی۔ حضورؐ نے سچ فرمایا تھا کہ میرے بعد میرے منبر پر بندر ناچیں گے۔ خداوند کریم اُمّتِ اسلامیہ کو ایسے مکار و عتداری ملاؤں کے دام تزدیر سے بچائے۔ یاد رکھئے اللہ کا مقام اپنا ہے نبی کا مقام اپنا ہے اور علیؑ و اولاد علیؑ کا مقام اپنا ہے۔ نبی و امام کو اللہ کا شریک ماننا شرک ہے اور ایسے لوگوں سے محمد و آل محمدؑ ہرگز راضی نہیں ہوں گے بلکہ ان کی زبان سے ایسے عقیدہ والوں پر لعنت وارد ہوئی ہے اور ہم نے عقائدِ حقہ کے موضوع پر الگ ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام طعنے اکا نوار فی عقائد اکا بیدار ہے۔ عقائد کی صحت کے لئے ہر مومن مرد و عورت پر اس کا مطالعہ لازمی ہے۔ نیز اس سلسلہ میں ہماری کتاب امامت و ملوکیت اور اسلامی سیادت کا مطالعہ بھی ضروری ہے۔

علمائے اعلام کا فرض ہے کہ دعوتِ توحید کو جاری رکھیں اور اسی قسم کی ہنگامہ آرائیوں سے مرعوب نہ ہوں۔ خدا ان کے ساتھ ہے۔ اور محمد و آل محمدؑ کی غیبی نصرت ان کی پشت پناہ ہے۔ دلائل علی کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ عقیدہ و عمل دونوں حضرت علیؑ کی ہدایات کو شعل راہ قرار دیا جائے۔ عقیدہ ایسا ہو جس پر علی راضی ہو۔ اور عمل بھی ایسا ہو جس پر علی خوش ہو۔ خداوند عالم ہمیں حضرت علیؑ کے صحیح شیعوں میں سے قرار دے۔ آمین۔

اَلَا مَرَجَا۔ آیت مجیدہ کی صراحت سے یہ چلتا ہے کہ انبیاء و پیغمبروں سے مبعوث نہیں ہوئے۔ بلکہ شہروں میں بھیجے گئے۔ جیسا کہ جن اهل القرای کے لفظ سے ظاہر ہے۔ نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ رسالت کا عہدہ قوم جن کو نہیں دیا گیا۔ کیونکہ رجال کا اطلاق بنی آدم پر ہوا کرتا ہے۔ اسی طرح یہ بھی معلوم ہوا کہ رسالت کا عہدہ عورتوں کو نہیں دیا گیا۔ لَدَارِ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ۔ تفسیر صحیح البیان میں البرسید خدری سے مروی ہے حضرت رسالت مآبؐ نے فرمایا کہ جنت کی ایک بالشت پوری دنیا اور اس کی جملہ نعمات سے بہتر ہے اللہم ارزقنی الجنة بجاه محمد و آلہ حتی اذا یہ جناب رسالت مآبؐ کے لئے تسلی و تسکین ہے کہ ہم نے گذشتہ اُمّتوں سے عذاب کو ٹالے رکھا اور تیری آست سے بھی عذاب کو ٹالتے ہیں۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ ہم اتمامِ حجت کرتے ہیں اور جب نوبت اس حد تک پہنچتی ہے کہ رسول اپنی اُمّت کی اطاعت سے مایوس ہو جائیں اور ان کو بذریعہ وحی و تجربہ یقین پیدا ہو جائے کہ ان کی مکمل طور پر تکذیب ہو چکی ہے اور اُمّت میں سے ایمان کی امید کسی سے نہیں ہے تو اس وقت ہماری مدد پہنچتی ہے۔ اور جن کو ہم بچائیں وہی نجات پاتا ہے۔

فَسَبِّحْ۔ بعضوں نے اس کو نبی اور بعضوں نے نبیؐ پڑھا ہے۔ اور یہ لوگ دوسرے نون کو اخفا کرتے ہیں اور لکھتے ہیں بھی اس کو نہیں ظاہر کرتے۔ اور یہ اوغامِ ناب ہے۔ اوغام نہیں کیونکہ اوغام مماثل یا مقارب میں ہوتا ہے اور نون اور جیم میں نہ مماثلت ہے نہ مقاربت۔ اور جو لوگ نبیؐ پڑھتے ہیں وہ باب تفعیل سے ماضی کا صیغہ بناتے ہیں۔

فِي قَصَصِهِمْ۔ یعنی قرآن مجید میں انبیاء کے قصوں کا بیان صاحبانِ عقول کے لئے نصیحت و عبرت کا مقام

عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَدَارُ الْآخِرَةِ خَيْرٌ لِلَّذِينَ اتَّقَوْا أَفَلَا

ان لوگوں کا جو ان سے پہلے گذرے یقیناً دارِ آخرت بہتر ہے ان کے لئے جو ڈریں کیا تم عقل نہیں

تَعْمَلُونَ ﴿۱۹﴾ حَتَّىٰ إِذَا اسْتَيْسَرَ الرُّسُلُ وَظَنُوا أَنَّهُمْ قَدْ كَذَّبُوا جَاءَهُمْ

رکھتے ؟ یہاں تک کہ جب رسول مایوس ہوئے اور انہوں نے یقین کیا کہ وہ جھٹلائے جا چکے ہیں تو انہیں

نَصْرًا فَنَجَّىٰ مِنْ نَشَاءٍ وَلَا يَرُدُّ بِسَاعَةٍ الْقَوْمَ الْمُجْرِمِينَ ﴿۲۰﴾ لَقَدْ

ہماری مدد پہنچی پس ہم نجات دیتے ہیں جسے چاہیں اور نہیں چوکتا ہمارا عذاب مجرم لوگوں سے تحقیق

كَانَ فِي قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِأُولِي الْأَلْبَابِ مَا كَانَ حَدِيثًا يُفْتَرَىٰ

ان کے قصہ بیان کرنے میں عبرت ہے صاحبانِ عقل لوگوں کے لئے یہ بناوٹی بات نہیں لیکن تصدیق ہے اس کی

وَلَكِنْ تَصَدِّقُ الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيلُ كُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى

جو اس سے پہلے ہے اور تفصیل ہے ہر شے کی اور ہدایت

وَرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ﴿۲۱﴾

اور رحمت ہے ایماندار قوم کے لئے

ہے کہ وہ رسول جس نے پیور و نصاریٰ کے علماء سے صحبت نہ کی اور نہ ان کی زبانی گذشتہ انبیاء کے واقعات سنے پھر نہ کسی درس میں پڑھا نہ کسی استاد سے سیکھا اور باوجود اس کے گذشتہ انبیاء کے صحیح واقعات بیان کرے جو کتب سابقہ میں مصدقہ ہوں تو عقلمند لوگوں کے لئے ان کی نبوت و رسالت کی اس سے واضح دلیل اور کیا ہو سکتی ہے ؟

والحمد لله رب العلمین

بروز ہفتہ پرنے سات بجے شام ۶ ربیع الثانی ۱۳۸۶ھ

مطابق ۱۵ جولائی ۱۹۶۶ء سورہ یوسف

کی تفسیر ختم ہوئی

سُورَةُ رَعْدٍ

- اس سورہ کی کل آیات تترالیس ہیں۔ اور بسم اللہ کو ملا کر چوالیس ہیں۔
- بعض کے نزدیک یہ سورہ مکہ ہے سوائے آخری آیت کے اور بعض کے نزدیک پورا سورہ مدینہ ہے سوائے دو آیتوں کے ایک وَكُوْنَتْ قُرْاٰنًا سَبِيْعًا اور دوسری اس کے بعد والی۔
- ۱۔ ابی بن کعب سے منقول ہے حضور نے فرمایا جو شخص سورہ رعد کی تلاوت کرے گا تمام گذشتہ و آئندہ ہونے والے بادلوں کی تعداد سے دس گنا زیادہ اس کے نامہ اعمال میں نیکیاں درج ہوں گی اور بروز محشر اللہ کے عہد کو پورا کرنے والوں میں مشور ہوگا۔ (مجمع البیان وصافی)
- ۲۔ امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے جو سورہ رعد کی زیادہ تلاوت کرے گا وہ بجلی کی موت نہریگا اور اگر مومن ہوگا تو بلا حساب جنت میں داخل ہوگا اور اپنے خاندان و برادری کے جملہ جان پہچان والوں کے حق میں اس کی شفاعت مقبول ہوگی (مجمع البیان وصافی)
- ۳۔ یہ نماز عشاء کے بعد تاریک شب میں آگ کی روشنی پر لکھ کر اگر ظالم و جابر بادشاہ کے دروازہ پر لٹکائی جائے تو وہ ہلاک ہوگا اور اس کی سلطنت ختم ہو جائے گی (البرہان تعلقاً من خواص القرآن)
- ۴۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے تاریک رات میں نماز عشاء کے بعد لکھ کر جابر و ظالم بادشاہ کے دروازہ پر لٹکائی جائے تو اس کی رعایا و فوج اس پر بغاوت کرے گی اور اس کی کوئی بات نہ مانی جائے گی۔ اور اس کی عمر کوتاہ ہوگی۔ ویسے بھی کسی ظالم یا کافر یا بے دین کے دروازہ پر اس کا لٹکانا اس کی ہلاکت کا موجب ہے۔ (باذن اللہ البرہان)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے جو رحمان و رحیم ہے (شروع کرتا ہوں)

الْمَرَّشِيَّتِكَ آيَاتِ الْكِتَابِ وَالَّذِي أُنزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ الْحَقُّ

الہا یہ کتاب کی آیتیں اور وہ جو تجھ پر اتاری گئی تیرے پروردگار سے حق ہے

وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿١٠﴾ اللّٰهُ الَّذِي رَفَعَ السَّمٰوٰتِ

لیکن اکثر لوگ یقین نہیں کرتے اللہ وہ ہے جن نے بغیر ستون کے آسمانوں کو

رکوع ۱ موضوع سورہ بیان توحید

المرآۃ تفسیر صافی میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے اس کی تاویل
یہ منقول ہے۔ اِنَّا اللّٰهُ اَنْجَبِي الْمُمِيْتِ السَّرَازِقِ۔ یعنی صرف

میں اللہ ہی زندہ کرنے والا اور مرنے والا اور رزق دینے والا ہے۔ تفسیر مجمع البیان میں مروی ہے۔ اِنَّا اللّٰهُ اَعْلَمُ قَامَرَاۤى
یعنی میں اللہ ہی سب کچھ جاننے والا اور ہر چیز کو دیکھنے والا ہوں۔ سورہ کا عنوان حروف مقطعات کی ترتیب اور معصوم
کا توضیحی نوٹ اور اس کے بعد آیات کی تفصیل سے یہ امر روز روشن کی طرح واضح ہے کہ سورہ مبارکہ کا موضوع دیگر
اکثر سورتوں کی طرح مسئلہ توحید ہے۔ پہلی توجیہ کے اعتبار سے زندہ کرنا مارنا اور رزق دینا ان تین صفتوں کا حصر اللہ میں بیان
کیا گیا ہے۔ اور دوسری توجیہ کے لحاظ سے حاضر و ناظر ہونے کی صفت کو اس کی ذات میں منحصر کیا گیا ہے۔

تِلْكَ آيَاتُ الْكِتَابِ :- کتاب سے مراد قرآن ہے۔ اور الف و لام عہد خارجی کے لئے ہے۔ یعنی جس کتاب کا وعدہ کیا
گیا ہے۔ یہ اسی کتاب کی آیات ہیں۔ اور اللہ ہی کا عطف کتاب پر بھی ہو سکتا ہے۔ اور اس صورت میں یہ محلاً مجرور ہوگا
اور اس کا عطف آیات پر بھی ہو سکتا ہے پس محلاً مرفوع خبر واقع ہوگا۔ پہلی ترکیب کے لحاظ سے معنی یہ ہوگا۔ یہ کتاب کی
آیتیں ہیں۔ اور اس کی آیتیں ہیں جو تجھ پر تیرے رب کی طرف سے اتاری گئی ہے۔ اور دوسری ترکیب کے لحاظ سے معنی
وہی ہوگا جو تحت اللفظ مذکور ہے۔ یعنی یہ کتاب کی آیتیں ہیں اور وہ ہے جو تیرے رب کی طرف سے تجھ پر اتاری گئی۔ اور
الحق مرفوع ہے۔ کیونکہ مبتدا محذوف صُور کی خبر ہے۔ یعنی یہ حق ہے۔ اور حق اور صدق کے درمیان فرق ابھی ابھی بیان
کیا جا چکا ہے۔ ص ۱۰

اللّٰهُ الَّذِي :- چونکہ معرفت آثار سے پیدا ہوتی ہے۔ جس قدر کسی چیز کے آثار کا علم بڑھتا جاتا ہے اسی قدر اس چیز کی
معرفت میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ پس پروردگار عالم نے ان آیات مجیدہ میں اپنے آثار کا تذکرہ فرمایا۔

اللہ وہ ہے جس نے آسمانوں کو بغیر ستون کے بلند کیا۔ جیسا کہ تم دیکھتے ہو کہ اس کو سہارا دینے کے لئے کوئی ستون

بَغِيرِ عَمَدٍ تَرْوُنَهَا ۖ ثُمَّ اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ ۚ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ

بلند کیا جیسے تم دیکھتے ہو پھر اس کا اقتدار عرش پر ہے اور اس نے طبع کیا سورج اور

وَالْقَمَرَ ط كَلَّ يَجْرِي لَاجِلٍ مُّسْتَوِيٍّ ۖ يُدَبِّرُ الْأَمْرَ يُفَصِّلُ الْآيَاتِ

چاند کو ہر ایک کی رفتار ایک معلوم وقت تک ہے وہ امر کی تدبیر کرتا ہے آیات کو تفصیل وار واضح

نہیں ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ قَمَرٌ وَنَهَا عَمَدٍ کی صفت ہو یعنی اُس نے آسمانوں کو ایسے ستون کے بغیر بلند کیا ہے جسے تم دیکھ سکو۔ یعنی جس ستون پر آسمانوں کو بلند کیا گیا ہے اس کو تم نہیں دیکھ سکتے اور وہ ستون قدرت پروردگار ہے۔

ثُمَّ اسْتَوَىٰ :- اس مقام پر تم ترتیب کے اظہار کے لئے نہیں ہے بلکہ محض عطف کو ظاہر کرتا ہے اور اگر ترتیب ہی مراد لی جائے تو مقصد اس طرح ہو گا کہ ان تمام چیزوں کو پیدا کرنے کے بعد ان میں تعریف و حکومت کے لئے کرسی اقتدار کا مقام عرش کو قرار دیا جس طرح پوری مملکت پر قبضہ حاصل کرنے کے بعد دارالسلطنت کو محل اقتدار مقرر کیا جاتا ہے۔

وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ :- (۲) اللہ نے سورج کو پیدا کرنے کے بعد ایک مخصوص مدار پر مخصوص رفتار سے مخصوص مدت تک اس کو مسخر و طبع کیا ہے۔ (۳) اسی طرح چاند کو بھی اللہ نے خاص دائرہ کے اندر خاص رفتار سے ایک معین مقدار تک مسخر فرمایا ہے سورج کی رفتار بارہ برجوں میں اُس کا قیام دن و رات کا گھٹاؤ بڑھاؤ موسموں کی تبدیلیاں اور اس کے نظام کی بقا و دوام بلکہ نظام شمسی کا تفصیلی مطالعہ جس کے کئی تک رسائی کسی عام انسان کے بس کا روگ نہیں ہے۔ اسی طرح نظام قمری کی جزئیات اور اس کے اندر ہزار ہا دقائق و حقائق و اسرار و رموز کا ودیعت ہونا جس میں کسی حد تک دسترس حاصل کرنے کے بعد بڑے بڑے جندس بنجم اور علم الافلاک کے ماہرین بلا درین بول اٹھتے ہیں مَا خَلَقْتَ هَذَا بَابِاطِلًا :- اے اللہ تو نے ان میں سے کسی شے کو بلا فائدہ نہیں پیدا کیا واقعی ان چیزوں کا ادنیٰ مطالعہ بھی خالق صانع کی حکمت علم قدرت اور تدبیر تم کے یقین کے لئے کافی ہے (۴) آسمانوں اور آفتاب و ماہتاب کی تسخیر کے بعد چوتھی چیز کو جو اشار سابقہ کا نتیجہ اور ان کا لازمہ ہے بیان فرمایا يُدَبِّرُ الْأَمْرَ :- یعنی وہی اللہ جس نے آسمانوں کو بغیر ستون کے بلند فرمایا اور سورج چاند کو مسخر کیا وہی ان کی تدبیر کرنے والا ہے۔

يُفَصِّلُ الْآيَاتِ :- مذکورہ بالا چار آثار کو واضح کرنے کے بعد فرماتا ہے کہ میں اپنی قدرت و حکمت کے آثار کو تفصیل وار بیان کرتا ہوں تاکہ تمہارا قیامت پر یقین پختہ ہو جائے اور تم سمجھ سکو کہ جو اللہ اتنے بڑے آسمانی شمس و قمری بلکہ عالمی نظام کی تخلیق و تدبیر پر قادر ہے وہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کرنے پر کیسے قادر نہیں ہے؛ پس اس طرح تدبیر کرنے سے اپنی بازگشت کا یقین آسان ہو گا۔

وَهُوَ السَّدِيقُ :- پھیلی آیت میں چار نشانیاں اپنی توحید کی بیان فرمائی جو ارباب عقل و دانش کے لئے ناقابل تردید براینیں

لَعَلَّكُمْ يَلْقَاءُ رَبِّكُمْ تَوَقُّونَ ﴿۲﴾ وَهُوَ الَّذِي مَدَّ الْأَرْضَ وَجَعَلَ

کرتا ہے تاکہ تم اپنے رب کی ملاقات کا یقین کرو اور وہ ہے جس نے زمین کو بچھایا اور اس پر پہاڑ

فِيهَا رَوَاسِي وَأَنْهَارًا وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ جَعَلَ فِيهَا زَوْجَيْنِ

ٹھہرائے اور نہریں اور ہر قسم کے پھلوں کے اس میں جوڑے جوڑے پیدا کئے

اِثْنَيْنِ يُغِشِي اللَّيْلَ النَّهَارَ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ ﴿۳﴾

وہ ڈھانپتا ہے رات کو دن سے تحقیق اس میں نشانیاں ہیں اس قوم کے لئے جو سرچیں

ہیں لیکن چونکہ ان کا تعلق اجرامِ علویہ سے تھا اور ان کے حقائق و دقائق کو تفصیل وار جاننے سمجھنے کے لئے علم الافلاک اور

علم النجوم کی ضرورت تھی۔ بنا بریں مطلب کو آسان کرنے اور دلیل توحید کو عامۃ الناس کے عقول کے لئے قابل قبول کرنے

کے لئے آثار توحید کا سہل تر پہلو اختیار فرمایا جس میں ہر عالم و جاہل شہری و دیہاتی چھوٹا بڑا مرد و عورت اور ذہین و غبی معمولی

توجہ کرنے کے بعد توحید پروردگار کا یقین پیدا کر سکیں۔ پس اس نے پانچویں نشانی یہ بیان فرمائی کہ اللہ وہ ہے جس نے زمین کو

پھیلا یا اور بچھایا۔ حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے نبج البلاغہ میں زمین و آسمان کی خلقت کے متعلق مفصل بیان منقول ہے کہ

پانی کو ہواؤں نے حرکت دی اور اس کی جھاگ سے زمین کی خلقت ہوئی۔ اور ایک روایت میں ہے کہ پہلے پہل کعبہ کی زمین سطح

آب پر بچھائی گئی اور پھر ساری زمین کو پھیلا یا گیا۔ آیت مجیدہ میں مذکور لفظ اسی معنی کی تائید کرتی ہے۔ ہر کیف زمین کی موجودہ

صورت اور ہیئت کذائیم کی طرف سرسری نظر ڈالنے والا اس کے خالق صالح حکیم کی توحید پر ایمان کو راسخ کر سکتا ہے۔ یہ نہ

اس قدر نرم ہے کہ انسان اس میں دھنس جائے اور نہ اتنی سخت ہے کہ چلنے میں پاؤں کو زخمی کرے۔ نہ اتنی سرد ہے کہ رہنے

والی مخلوق کو منجم کر دے اور نہ اس قدر گرم ہے کہ بسنے والوں کو جلا دے۔ پس متوسط انداز سے اس نے پیدا کی ہے۔ کہ جمیع

ذی روح اس کی گود میں آسانی سے بوند و باش رکھ کر اُس سے نفع اندوز ہو سکتے ہیں۔ غاروں میں سیر کرنے والوں کے

لئے غاریں بنانا سہل اور گھر بنانے والوں کے لئے گھر تعمیر کرنا آسان ہے۔ پھر ہر قسم کے بسنے والوں کے لئے غذائی پیداوار

کا انتظام اسی کی ہی بدولت ہے۔ اور دورِ حاضر کی تحقیقات نے زمین سے جن مفید و کارآمد خزانوں کا سراغ لگایا ہے وہ تحقیقت

یہ معرفت پروردگار کی راہیں ہیں جنہیں ہموار کیا جا رہا ہے۔ اور ان کی جزئیات کا احاطہ تو سوائے پروردگار کے کوئی کر سکتا

ہی نہیں۔

وَجَعَلَ فِيهَا: (۶۹) یہ چھٹی نشانی ہے کہ زمین کے اضطراب کو ختم کرنے کے لئے اُس نے وزنی پہاڑ اس پر کھڑے کر دیئے

اور حضرت امیر علیہ السلام نے نبج البلاغہ میں اس مطلب کو خوب واضح فرمایا ہے جس سے آیت مجیدہ کی تفسیر کھلتی ہے۔ اس

ظاہری مفاد کے علاوہ پہاڑوں کی خلقت میں جو لاتعداد دقیق کمیتیں اور جدا احصاء سے باہر اسرار و رموز کے مخفی خزانے پنہاں

ہیں جن کا معمولی علم طبقات الارض کے ماہرین کو عطا ہوا ہے۔ توحید و تعظیم پروردگار کے لئے ناقابل تردید برہان کی حیثیت رکھتے ہیں۔

وَ اَنْهَادَا:۔ (۶) ساتویں نشانی دریاؤں نہروں اور چشموں کی تخلیق ہے۔

وَمِنْ كَلِمَاتِهِ:۔ (۸) پھلوں اور میوہ جات کو اُس نے پیدا کیا۔ اور لطف یہ کہ ہر پھل کو جوڑا جوڑا پیدا کیا۔ بعض رنگ کے لحاظ سے سیاہ و سفید مثلاً بعض ذائقہ کے اعتبار سے تلخ و شیریں۔ بعض موسم کے لحاظ سے کہ گرم موسم کا اور سرد موسم کا اور بعض مزاج کے اعتبار سے خشک و تر یا گرم و سرد۔ پس اکثر مغفرتین نے پھلوں کے جوڑا جوڑا ہونے کی یہ تاویل کی ہے لیکن جدید تحقیقات سے جو نئے نئے انکشافات سامنے آئے ہیں اُن میں علم نباتات کے ماہرین کا یہ قول بھی ناقابل انکار ہے۔ کہ جس طرح پردہ گار نے ہر ذی روح مخلوق کو جوڑا جوڑا زود مادہ کے لحاظ سے پیدا کیا ہے۔ اسی طرح نباتات کا جوڑا جوڑا بھی زود مادہ کے اعتبار سے ہے اور نباتات کی کوئی قسم ایسی نہیں جو زود مادہ کے حکم سے مستثنیٰ ہو۔ البتہ بعض نباتات کے زود مادہ کی پہچان پھل سے ہوا کرتی ہے جیسے کھجور اور بعض کی شاخوں سے مثلاً شیشم کہ اس کے زکری شاخیں سخت سیدھی اور اوپر کی طرف جاتی ہیں۔ اور مادہ کی شاخیں نرم کج اور نیچے کی طرف مائل ہوا کرتی ہیں۔ اسی طرح بعض میں تپوں کی کیفیت مختلف ہوتی ہے۔ اور بعض ایسے بھی ہیں جن میں فرق اتنا دقیق ہے کہ ماہرین نباتات بھی اس کا سراغ نہیں لگا سکے۔ اور ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک ہی پودے کے بعض اجزاء زور اور بعض مادہ ہوں یا بعض شکوفے اور غنچے زور اور بعض مادہ ہوں۔ اور ماہرین علم نباتات کا کہنا ہے کہ جس طرح ذی روح مخلوق کی نسل بقاء کے لئے زود مادہ کی ملاوٹ ضروری ہے اسی طرح نباتات میں یہی حالت ہے۔ پس بعض میں زکری پودے کے بیج سے ملتا ہے۔ بعض نباتات میں خوشبو زکری مادہ تک منتقل ہوتی ہے بعض میں زمین کے اندر جڑوں کی ملاقات یہ کام کرتی ہے۔ اور موسم بہار جو عام طور پر نباتات کی سرسبزی و شادابی کا زمانہ ہوتا ہے اور یہی نباتات کے پھلنے پھولنے اور پھیلنے کا موسم ہوتا ہے تو خداوند عالم کے نظام اتم و اکمل کا کرم ہے کہ اس زمانہ میں ہواؤں کی زیادتی ہوتی ہے اور دیگر فوائد و مصالح کے علاوہ اس میں ایک ناقابل فراموش مصلحت یہ بھی ہے کہ اس کے ذریعے سے زنبات کا اثر مادہ نباتات تک باسانی پہنچا سکتا ہے۔ اگر یہ صورت نہ ہوتی تو کوئی پھل پایہ تکمیل تک پہنچ سکتا ہی نہیں۔

چنانچہ سورہ حجر میں ارشاد فرماتا ہے: **وَ اذْ سَلْنَا السَّمٰوٰتَ لِمٰی نَزَّلْنٰهُنَّ مِمَّا فَوْقَ سَمٰوٰتِنَا مِنْ مَّاءٍ مُّطَهَّرٍ**۔ مفسرین نے اس سے یہ مقصد لیا ہے کہ ہواؤں کو ہم نے بھیجا تاکہ بادلوں کو پانی کا حامل بنائیں۔ لیکن اگر اس سے عام معنی مراد لیا جائے کہ ہواؤں کو ہم نے مائل بنانے کے لئے بھیجا تاکہ بادلوں کے علاوہ تمام نباتات کو بھی شامل ہو جائے تو زیادہ موزوں ہوگا۔ اور یہ بات مشاہدہ سے ثابت ہے کہ کھجوروں کے جس باغ میں زکھجور کا پودا نہ ہو اس باغ کا پھل کمزور ہوا کرتا ہے۔ عراق میں عام دستور ہے کہ پھل کے موسم میں زکھجور کے بند خوشے کو چیر کر اُس سے زکابوڑہ نکالتے ہیں۔ پس مادہ کھجور کے بند خوشے کو چیر کر اس میں ڈالتے ہیں۔ اور اس کا نام تابیر ہے۔ اور جن کھجوروں کی تابیر کی جائے اُن کا پھل موٹا میٹھا اور لذیذ ہو جاتا ہے جس کی بدولت

تا بے شدہ باغ کی قیمت اور غیر تا بے شدہ کی قیمت میں زمین و آسمان کا فرق ہوتا ہے۔ چنانچہ ہم نے بھی اپنے مقام پر بجز بے سے ثابت کیا ہے کہ کھجوروں میں تا بے یعنی زکے بیج کا مادہ کے پھل سے ملانا پھل کی عمدگی و نفاست کا باعث ہوتا ہے۔ اور اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ باقی درختوں کا بھی یہی عالم ہوگا جس کی تفصیلات کے جاننے سے ہم قاصر ہیں۔ بہر کیف خداوند کریم نے پھلوں کے جوڑا جوڑا کرنے کو اپنی توحید و عظمت کی دلیل قرار دیا ہے جس کا سمجھنا اور یقین کرنا ہر شخص کے لئے آسان ہے

يَفْشَى اللَّيْلَ (۹) رات کو دن سے ڈھانپ دیتا ہے یا دن کو رات سے ڈھانپ دیتا ہے۔ یہ دونوں معانی ایک دوسرے کو لازم و ملزوم ہیں یہ اس کی لازوال مصلحت ہے کہ ذی روح مخلوق سارے دن کی چہل پہل کام کاج اور جملہ مصروفیات سے تھکی ماندی ہو کر چونکہ سکون و آرام کی حاجت مند تھی۔ پس اس نے دن پر رات کا پردہ ڈال دیا تاکہ سکون حاصل کر کے یہ تازہ دم ہو جائیں۔ پھر وقت مقرر کے بعد دوبارہ دن کو ظاہر کر دیا تاکہ تساہل و غفلت میں پڑا رہنے کی بجائے مزدوری آرام کے بعد اٹھ کھڑے ہوں۔ اور کسب معاش یا نیل کمال کے لئے اپنی کوششوں کو جاری کر دیں۔ اور جس حد تک کل پیچھے تھے اُس سے آگے قدم رکھ کر ترقی کے زینوں کو طے کر سکیں۔ اگر شب و روز کا یہ تبادلہ نہ ہوتا تو نظام کائنات میں ابتری ہی ابتری رہتی۔ اس کے علاوہ دن اور رات میں گھٹاؤ بڑھاؤ کبھی رات زیادہ کبھی دن زیادہ اس طرح کہ گھٹنے والے کی کمی بڑھنے والے کی زیادتی کے برابر ہے اور پھر اس پر ہوسموں کی تبدیلی کا راز یہ قدرت پروردگار کے ایسے اسرار و رموز ہیں جن کو اس کی توحید و عظمت کی بولتی ہوئی زبان ہی کہنا چاہیے ہم اس کی مزید تفصیل پہلے کسی جلد میں ذکر کر چکے ہیں

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ - ان نشانیوں کے گنوانے کے بعد عقول انسانیہ کو متنبہ کرنے کے لئے ارشاد فرمایا کہ ان بیان کردہ علامت و نشانات میں فکر کرنے والوں کے لئے یقین ہم پہنچانے کی نشانیاں موجود ہیں۔ وَلَا رَيْبَ فِيْهِ - وَفِي الْاَكْزٰقِ (۱۰) یہ دوسری نشانی اس قدر عام فہم ہے کہ ہر شخص بخوبی سمجھ سکتا ہے۔ اس میں چند امور کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ ایک یہ کہ زمین کے ٹکڑے ایک دوسرے کے بالکل قریب قریب ہونے کے علاوہ آثار و خواص میں الگ الگ ہیں۔ کوئی زرخیز ہے کوئی شور ہے کوئی حصہ کسی نبات کے قابل ہے کوئی دوسری کے لئے ٹھونڈی ہے۔ کسی کا پھل میٹھا برآمد ہوتا ہے اور کسی کا پھیکا ہوتا ہے۔ اور کسی سے آمدنی خاطر خواہ اور تسلی بخش حاصل ہوتی ہے۔ اور کسی سے فصل اچھا نہیں نکلتا۔ وعلیٰ ہذا القیاس متعدد فرق ہیں جو طبقات الارض کا علم رکھنے والے جان سکتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ زمین کے قریب قریب کے ٹکڑوں میں مختلف قسم کے باغات جو انگوروں کھجوروں اور دوسری کھیتوں پر مشتمل ہوتے ہیں کاشت کئے جاتے ہیں اور زمین ہر پودے کی خدمت و نشوونما میں اس کا مناسب کردار ادا کرتی ہے تیسرے یہ کہ کھجوروں میں بعض پودوں کی اصل ایک ہوتی ہے۔ اور بعض الگ الگ تنہ رکھتے ہیں۔ چوتھے یہ کہ ان سب کو ایک ہی پانی سیراب کرتا ہے۔ اور لطف یہ کہ زمین ایک پانی ایک لیکن ہر پھل کا رنگ الگ الگ حجم الگ خاصیت

وَفِي الْأَرْضِ قِطْعٌ مِّمَّ جَبْرُوتٍ وَجَنَّتُ مِّنْ أَعْنَابٍ وَنَرَعٌ وَ

اور زمین میں قریب قریب کے ٹکڑے اور باغات انجوروں کے اور کھیتیاں اور کھجوریں ہیں جو ایک

نَخِيلٌ صِنَوَانٌ وَغَيْرُ صِنَوَانٍ تُسْقَى بِسَاءٍ وَوَاحِدٍ وَنَفِضِلٌ بَعْضُهَا

اصل کی اور الگ اصول والی ہے جو ایک پانی سے سیراب کی جاتی ہیں اور ہم نفضیلت دیتے ہیں بعض کو

عَلَى بَعْضٍ فِي الْأَكْلِ ط إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ

بعض پر ذائقہ میں تحقیق اس میں نشانیاں ہیں عقل والوں

الگ مزاج الگ اور ذائقہ الگ الگ صرف یہ نہیں بلکہ ایک ہی جنس کے پھلوں میں بہت کچھ اختلاف موجود ہوتا ہے۔ حجم رنگ خاصہ مزاج اور ذائقہ میں ایک ہی جنس کے افراد ایک دوسرے سے الگ الگ ہوتے ہیں اور ہر زمین پر لہو و پاش لکنے والا اس امر سے بخوبی واقف ہے پس اس سے زیادہ توجید پروردگار اور اس کی صندیت و حکمت اور علم و قدرت کی دلیل کیا دی جاسکتی ہے اسی لئے تو آخر میں فرمایا کہ عقل رکھنے والوں کے لئے اس میں بہت کچھ آیات و نشانیاں موجود ہیں۔ ان آیات میں خداوند کریم نے دس نشانیاں گنوائی ہیں (۱) آسمانوں کی خلقت (۲) سورج کی خلقت و تسخیر (۳) چاند کی تسخیر (۴) تدبیر الامور (۵) بساط زمین کا بچھانا (۶) پہاڑوں کی خلقت (۷) دریاؤں کی پیدائش (۸) پھلوں، میوؤں کے مختلف اقسام کی تخلیق (۹) دن رات کا چکر (۱۰) زمین و پانی کی وحدت کے باوجود نباتات کا اختلاف وغیرہ۔

تعجب ہے عقل کے اندھے لوگوں پر جو اس قسم کی واضحات کو چھوڑ کر شبہات کے پیچھے پڑتے ہیں اور توحید پروردگار کے ساتھ کھلی ہوئی بغاوت کا ارتکاب کر کے مسلمان کہلانے سے شرم نہیں کرتے۔ میں نے شیعہ منبر پر شیعی عقائد کا استیساں کرنے والے بعض جیب تراش ملاؤں کو توحید کے خلاف زہریلے جملے اُگلتے دیکھا ہے کہ خدا نے محمد و آل محمد کو پیدا کیا اور انہوں نے سب کائنات کو پیدا کیا۔ میں نے اپنی کتاب لمعة الانوار میں اس قسم کے سترگانہ خیالات کو براہین سے رد کیا ہے لیکن ناخدا ترس اور بے لگام مولیوں کے لئے اگر اللہ کا کلام فائدہ مند نہیں ہو سکتا تو میرے بیان سے وہ خاک اثر لیں گے۔ ہاں حسد کی آگ کو ٹھنڈا کرنے کے لئے وہ ہمیں گالیاں دینا ہی جانتے ہیں ایسے لوگوں کے پاس صرف فرسودہ و سیودہ خیالات کا پلندہ اور شبہات و توہمات فاسدہ کا ذخیرہ ہے۔ علاوہ ازیں منبر پر منہ ٹیڑھا کرنا آنکھ ہاتھ کا اشارہ کرنا ناچنا۔ کوونا اور عوام الناس کو اچھال اچھال کر دادیں لینا۔ اور واہ و اکی خراج تحسین سے تسکین قلب حاصل کرنا ان کا مال تقریر ہے وہ علمی میدان

يَعْقِلُونَ ﴿۴﴾ وَإِنْ تَعْجَبْ فَعَجَبٌ قَوْلُهُمْ إِذَا كُنَّا تُرَابًا ؕ

کے لئے اور اگر آپ کو تعجب ہو تو ان کی یہ بات اور تعجب ناک ہے کہ جب ہم مٹی ہو جائیں

إِنَّا لَفِي خَلْقٍ جَدِيدٍ ۗ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِرَبِّهِمْ وَأُولَٰئِكَ

گئے تو کیا ہم نئے سرے سے پیدا ہوں گے یہ لوگ اپنے پروردگار کے منکر ہیں اور ایسے لوگوں کی

میں قدم رکھنا نہیں جانتے صرف علماء و اعلام کو وہابی کہہ کر انہیں بدنام کرنا ہی اپنا کمال سمجھتے ہیں۔
کیا توحید خالق سے بناوٹ کرنے کے لئے أَحْسَنُ الْحَالِقِينَ کا سہارا لینا ان کو آتا ہے اور قرآن مجید کی سینکڑوں آیتیں جن میں تمام کائنات کے ذرہ ذرہ کی تخلیق کو خدا نے اپنی طرف منسوب کیا ہے ان کی نظر سے نہیں گذریں اور کیا هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرِ اللَّهِ كَانَدَانِي جلیج ان کو معلوم نہیں اور حضرت امیر علیہ السلام کی طرف منسوب ہے سر و پا خطبہ بیان کے اقتباسات یاد ہیں جن میں توحید خالق کو لٹکارا گیا ہے اور قرآن مجید کی صریح اور واضح آیات نظر سے نہیں گذریں جن میں توحید خالق کی ناقابل تردید براہین موجود ہیں۔ اور خدا کی جانب سے اہل نکر و نظر اور ارباب عقل و دانش کو بار بار غور کرنے کی دعوت دی گئی ہے۔ نیز فرضی خطبہ بیان کی بجائے اگر بیخ البلاغہ کے خطبات کا مطالعہ کیا جائے جن میں مختلف اشیاء کی خلقت کو حضرت امیر علیہ السلام نے بیان فرمایا ہے تو بدن پر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور توحید خالق کی اولہ و براہین کا مواد جس قدر حضرت امیر علیہ السلام کے خطبات سے مل سکتا ہے تمام دنیا کے موجدین اس کا عشر عشر بھی پیش نہیں کر سکتے۔ ایسے لوگ حضرت علیؑ پر ظلم کر نیوالے ہیں جو خدا کے مقابلہ میں حضرت علیؑ کو کائنات کا خالق و رازق ٹھہرا کر ان کو خدا کا شریک بنانے کی کوشش کرتے ہیں اور ظلم بالائے ظلم یہ کہ خطبہ بیان کا سہارا لے کر حضرت علیؑ کو خلقت کائنات کا مدعی قرار دیتے ہیں حالانکہ حضرت علیؑ اور تمام معصومین ایسے لوگوں سے بری ہیں وہ خود اللہ کے عبادت گزار بندے تھے اور تمام بندوں کو عبودیت کا درس دینے والے تھے۔

اس میں شک نہیں ہے اور تجربہ شاید ہے کہ جس کے پاس دلیل موجود نہ ہو۔ اور جس کا دامن کسی ٹھوس دپانڈا برہان سے خالی ہو وہ اپنی ڈھٹائی پر باقی رہنے اور عوام میں اپنے وقار کا بول بالا کرنے کے لئے مد مقابل کو گالی گلوچ کا نشانہ بنانا اور اس پر کھیڑا اچھا لٹا ہی اپنا کامیاب حربہ سمجھتا ہے۔ خلافت کے اثبات کے مقام پر بیابانگ دہل کہنے والے چونکہ ہمارا امام کھرا ہے لہذا ہم کسی کو کسی مجلس سے نہیں روکتے۔ بے شک چل پھر کہ مذاہب کی سیر کر کے دیکھیں۔ اگر علیؑ کے مقابلہ میں کوئی دوسرا امام نہ لے تو علیؑ کو ہی امام تسلیم کر لیں اور دوسروں کے پاس جانے سے وہی روکتا ہے جس کے پاس مال کھرا نہ ہو۔ جیسا کہ بازار میں عام دوکانداروں کا دستور ہوا کرتا ہے آئیے

الْأَعْلَىٰ فِي أَعْنَاقِهِمْ وَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿۱۰۸﴾

گردنوں میں طوق ہوں گے اور ایسے لوگ دوزخ میں جائینگے اور اس میں ہمیشہ رہیں گے

وَيَسْتَعْجِلُونَكَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ وَقَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمُ

اور جلدی کا عذاب چاہتے ہیں رحمت سے پہلے حالانکہ گذر چکے ہیں ان سے پہلے عذاب کے

الْمَثَلَاتُ وَإِنَّ رَبَّكَ لَذُو مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلَىٰ ظُلْمِهِمْ وَإِنَّ

واقعات (جو باعث عبرت ہیں) اور تحقیق تیرا رب لوگوں کے لئے بخشش والا ہے باوجود ان کے ظلم کے اور تحقیق

مسئلہ توحید کے متعلق بھی اعلان کیجئے کہ بیان توحید ہر ایک سے سُنو جس کی توحید کھری ہو قبول کر دو لیکن یاد رکھیے کہ دامن توحید خالق کو تازہ کرنا کرنے والے سرگزیر جرات نہیں کر سکتے بلکہ وہ اٹا کھوٹے سودے والے دوکاندار کی طرح دوسروں کی بات سُنتے سے روکتے ہیں کہ فلاں سے بچ کر ہوں فلاں کی مجلس نہ سُنو ورنہ وہ تم کو علی کا دشمن بنا دیں گے۔ خدا کی قسم یہ پکارا نہ خیال اور عیارا نہ طرز عمل صرف اپنے وقار ناپاٹار کی بجالی اور عوام کی جیب تراشی سے چند روز خوش حالی حاصل کرنے کے لئے ہی ہے ورنہ وہ بھی دل سے جانتے ہیں کہ کل کائنات کا خالق رازق محی و ممیت اور مدبر عالم صرف اللہ ہے جس کا کوئی شریک نہیں ہے۔

وَإِنْ تَعْجَبْ مِّنَ السَّيِّئَةِ نَاسٌ مِّثْلُكُمْ وَلَٰكِن لَّا يَتَذَكَّرُونَ ﴿۱۰۹﴾

جناب رسالت مآب کو پروردگار نے تسلی دی۔ اور فرمایا کہ بے شک ایسے لوگوں پر تعجب کرنا بجائے لیکن یہ بات اور زیادہ قابل تعجب ہے جو کہتے ہیں کہ خاکستر مہ جانے کے بعد ہم دوبارہ زندہ کیسے ہوں گے۔ وہ نہیں سمجھتے کہ جو خدا کتم عدم سے پہلی دفعہ پیدا کرنے پر قادر ہے کیا وہ مرنے کے بعد دوبارہ ان کو از سر نو خلق نہیں کر سکتا۔ حالانکہ پہلی دفعہ کا پیدا کرنا دوبارہ زندہ کرنے سے مشکل ہوا کرتا ہے۔

يَسْتَعْجِلُونَكَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ ﴿۱۱۰﴾

مقصود یہ ہے کہ وہ نیکی جس کی جزا بہشت ہے۔ اُسے چھوڑ کر کفر و انکار کی برائی کی طرف سہقت کرتے ہیں یا بعض سر پھرے لوگ اپنے حد و عناد کی آگ میں جل جہنم کی خواہش کی بجائے عذاب کو اپنے منہ سے طلب کرنے کی جرات کرتے ہیں حالانکہ سابقہ واقعات سے ان کو عبرت حاصل کرنی چاہیے نہ کہ اس کی خواہش۔

وَإِنَّ رَبَّكَ لَذُو مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلَىٰ ظُلْمِهِمْ وَإِنَّ رَبَّكَ لَذُو مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلَىٰ ظُلْمِهِمْ ﴿۱۱۱﴾

سید مفضل سے منقول ہے کہ یہ آیت مجیدہ اہل قبلہ میں سے گنہگاروں کے لئے بخشش کا مژدہ اپنے دامن میں رکھتی ہے۔

سَدِيدُ الْعِقَابِ ﴿۱۱۲﴾ پہلے حصہ میں بخشش کی پیش کش ہے اور آخری حصہ میں عذاب کی تہدید ہے اور جناب رسالت

سے مروی ہے آپ نے فرمایا کہ اگر اللہ کا ورگنہ اور اس کی بخشش نہ ہوتی تو کسی انسان کی زندگی خوشگوار نہ رہتی اور اگر اس کی تہدید و وعید نہ ہوتی تو ہر شخص نیکی کرنے میں سست اور گناہوں سے نڈر ہو جاتا۔

لَوْ كَا أَنْزَلَ صُلَا لَوْ كُوْنِي چونکہ بالعموم دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ جو منصفانہ طور پر حقائق مبنی سے دلچسپی رکھتے اور حق کو بلا دریغ قبول کر لیتے ہیں۔ اور دوسرے وہ جو معاندانہ روش سے ہر بات کو ٹھکانا ہی جانتے ہیں۔ ایسے لوگ کسی کی صداقت کے اثبات کے لئے دلیل و برہان پر کان نہیں دھرتے بلکہ بات بات پر معجزہ طلب کرنے کے درپے رہتے ہیں۔ چنانچہ مشرکین مکہ کی حضور سے بار بار کی اعجاز طلبی اسی منعکس ذہن کی پیداوار تھی۔ خداوند کریم کی جانب سے بطور تنبیہ و ارشاد متعدد بار ان کو تہذیب و تفسیر کی دعوت دی گئی اور توحید پر انتہائی آسان اور قابل قبول انداز بیان سے ناقابل تردید برہان پیش کی گئیں لیکن وہ آخر تک طالب اعجاز ہی رہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ منصف طبائع کو معقول دلیل سے اطمینان حاصل ہو جاتا ہے۔ بجلاف اس کے ہٹ دھرم عناد ہی اور جہاں طبقہ اعجاز نمائی سے بھی مطمئن نہیں ہوتا۔ پس وہ ایک معجزہ کے بعد دوسرا پھر تیسرا پھر چوتھا و علیٰ ذلکا القیاس معجزات ہی طلب کرتے رہتے ہیں۔ اور ان میں بھی موٹگافیاں کر کے لیت و لعل میں وقت گزارتے ہیں۔ اور لوگوں میں صرف انتشار پھیلا نا ہی جانتے ہیں۔ پس ایسوں کا علاج یا تو فری عذاب سے ہو سکتا ہے۔ جیسے گذشتہ بعض انبیاء کی امتوں کا حشر ہوا۔ اور یا ڈنڈے سے کلمہ حق کو منوا لیا جاتا ہے تاکہ انتشار کا سدباب ہو سکے۔ چنانچہ مشرکین مکہ کا اسلام فتح مکہ کے بعد اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔ اس آیت مجیدہ میں خداوند کریم کفار کے اسی اعجاز نمائی والے مطالبہ کو دہرا رہا ہے جس طرح کہ پہلی آیت میں فرمایا کہ اب یہ لوگ عذاب ہی مانگتے ہیں اور کچھ نہیں۔

إِنَّمَا أَنْتَ مُنذِرٌ صُلَا کفار کے سوال کے جواب میں آیت مجیدہ کے ظاہر کے رو سے خدا نے یہی جواب دیا کہ آپ کا کام ہے میرے عذاب سے لوگوں کو ڈرانا اور ہر قوم کو ہدایت کرنا اور بس علاوہ ازیں آیات و معجزات کا ظاہر کرنا یہ آپ کا کام نہیں بلکہ میرا کام ہے۔

علامہ حلی اعلیٰ اللہ مقامہ نے آیت مجیدہ اِنَّمَا أَنْتَ مُنذِرٌ وَ لِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ خلافت
دلیل خلافت | علی قرار دیا ہے اور اس بارے میں بروایت جمہور ابن عباس سے حدیث نقل کی ہے کہ حضور

نے فرمایا اَنَا الْمُنذِرُ وَعَلَى الْهَادِي۔ یعنی منذر میں ہوں اور ہادی علی ہے۔ فضل بن رزہا ناصبی نے اس حدیث کا کتب اہل سنت میں ہونے سے انکار کیا ہے۔ لیکن صاحب دلائل الصدق نے متعدد کتب عامہ سے حوالہ جات پیش کر کے دشمن علی کے منہ پر ایسا طمانچہ رسید کیا ہے جس کا جواب نہیں دیا، کنز العمال ج ۲ ص ۱۵۷ عن الدیلمی (۲) تفسیر و منشور میں سیوطی نے چار حدیثیں نقل کی ہیں دو ابن عباس سے ایک ابو بردہ اسلمی سے اور چوتھی خود حضرت علی علیہ السلام سے، اور ان سب کا مقصد واحد یہی ہے کہ آیت مجیدہ میں منذر سے مراد حضرت رسالتاً ہیں۔ اور ہادی سے

مراد حضرت علی ہیں (۳) حاکم نے اسی حدیث کو مستدرک میں ذکر کیا ہے (۴) ملا سلیمان حنفی نے ینایح المودت میں اس کو لکھا ہے۔ (۵) تفسیر کبیر میں رازی نے بھی اس کو ذکر کیا ہے۔ تفسیر مجمع البیان میں ابو القاسم حسکانی کی شواہد التنزیل سے مروی ہے ابو بروه سلمی روایت کرتا ہے کہ حضور نے پانی منگوا یا اور وضو کیا اور علی کا ہاتھ پکڑا بس اپنے سینے پر رکھ کر فرمایا اِنَّمَا اَنْتَ مُنَادٍ پھر ہاتھ کو علی کے سینے کی طرف بڑھا کر فرمایا وَبِکُلِّ قَوْمٍ هَادٍ پھر ارشاد فرمایا لوگوں کے لئے روشنی کا مینار ہدایت کا محل اور مومنوں کا امیر تو ہے اور میں گواہی دیتا ہوں کہ تو ایسا ہی ہے۔ بہر کیف کتب شیعہ و سنی میں بتواتر وارد ہے کہ آیت مجیدہ میں ہادی سے مراد علی ہے لہذا آیت حضرت علی کی خلافت پر نص ہے کیونکہ رسالت مآب کے بعد جو تمام امت کا ہادی ہوگا وہی خلیفہ بلا فصل ہوگا اور اس استدلال میں کسی ذی ہوش کے لئے مجال انکار نہیں ہے۔

کوئی زمانہ حجت خدا سے خالی نہیں ہوتا | آیت مجیدہ اس امر پر بھی دلالت کرتی ہے کہ زمین کسی وقت حجت خدا سے خالی نہیں رہتی چنانچہ تفسیر صافی میں اسوئل کافی

سے مروی ہے کہ امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا حضرت رسالت مآب مندر ہیں اور ہر زمانہ میں ہم میں سے ایک ہادی کا ہونا ضروری ہے جو رسالت مآب کے لئے ہوتے دین کی طرف لوگوں کی رہبری کرے پس حضور کے بعد ہادی علی ہے اور پھر یکے بعد دیگرے اوصیاء ہادی ہیں اور امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ ہر زمانہ کا امام اس زمانہ والوں کے لئے ہادی ہے اور تفسیر قمی سے منقول ہے کہ آیت مجیدہ ان لوگوں کی تردید کر رہی ہے جو ہر زمانہ میں وجود امام کو ضروری نہیں جانتے۔

تفسیر ربان میں بروایت ابن بابویہ حضرت جن مجتبیٰ علیہ السلام سے مروی ہے کہ ایک دن حضور رسالت مآب نے خطبہ میں حمد و ثناء پروردگار کے بعد ارشاد فرمایا اے لوگو! میں عنقریب تم سے جدا ہونے والا ہوں۔ وَ اِنِّیْ تَارِدٌ فِیْكُمْ اَلثَّقَلِیْنِ کِتَابِ اللّٰهِ وَ عِزَّتِیْ اَهْلَبَتِیْ مَا اَنْ تَمَسَّکْتُمْ بِهٖ لَنْ تَضِلُّوْا فَتَعْلَمُوْا مِنْہُمْ وَ کَا تَعْلَمُوْا هُمْ فَاِنَّہُمْ اَعْلَمٌ مِنْکُمْ لَا تَخْلُوْا الْاَرْضُ مِنْہُمْ وَ کُوْخَلَتْ اِذَا السَّآخَتْ۔ ترجمہ۔ اور میں تم میں دو گرانقدر چیزیں چھوڑے جاتا ہوں ایک اللہ کی کتاب اور دوسری اپنی عمرت اہل بیت جب تک ان دونوں کے ساتھ تم تمسک رکھو گے گمراہ نہ ہو گے پس ان سے سیکھنا لیکن ان کو سکھانے کی جرأت نہ کرنا کیونکہ وہ تم سے زیادہ علم رکھتے ہیں اور زمین ان سے خالی نہ ہوگی۔ اگر خالی ہوئی تو تباہ ہو جائے گی۔

پھر اپنے پروردگار سے مناجات کرتے ہوئے کہا اے اللہ! میں جانتا ہوں کہ علم ضائع نہ ہوگا اور تو زمین کو اپنی حجت سے خالی نہ چھوڑے گا۔ یہ الگ بات ہے کہ وہ ظاہر ہو اور اس کی بات ماننے والا کوئی نہ ہو یا لوگوں کی سے پرشیدہ رہ کر فریضہ تبلیغ انجام دیتا رہے اور ہدایت کے بعد تو اپنے اولیاء کو گمراہ نہیں ہونے دیتا۔ بے شک وہ

رَبِّكَ لَشَدِيدُ الْعِقَابِ ⑥ وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا وَالْوَلَاةُ أَنْزَلَ

تیرا رب سخت سزا دینے والا ہے اور کافر لوگ کہتے ہیں کیوں نہیں اتنی اس پر

عَلَيْهِ آيَةٌ مِنْ رَبِّهِ إِنَّمَا أَنْتَ مُنذِرٌ لِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ ⑥

کوئی نشانی اس کے رب کی طرف سے آپ صرف ڈرانے والے ہیں اور ہر قوم کے ہادی
 عدد کے لحاظ سے کم ہیں لیکن اللہ کے نزدیک قدر و منزلت کے لحاظ سے اعظم ہیں پس یہ کہہ کر منبر سے نیچے تشریف لائے
 حضرت حسن مجتبیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں میں نے عرض کی حضور! کیا آپ کی ذات گرامی تمام مخلوق کے لئے حجت
 نہیں ہے؟ آپ نے فرمایا میرے پیارے حسن! اللہ فرماتا ہے إِنَّمَا أَنْتَ مُنذِرٌ لِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ پس
 میں منذر ہوں اور علی ہادی ہے میں نے عرض کی آپ تو فرما رہے تھے کہ زمین کسی وقت حجت سے خالی نہیں ہوتی
 آپ نے فرمایا ہاں درست ہے میرے بعد علی حجت اور امام ہوگا اس کے بعد تو حجت اور امام ہوگا تیرے بعد حسین
 امام و حجت و خلیفہ ہوگا اور مجھے خدائے لطیف و خیر نے خبر دی ہے کہ حضرت حسین کی پشت سے بچہ ہوگا جو
 اپنے دادا کے ہم نام علی نامی ہوگا پس اپنے باپ حسین کے بعد وہ اس کا قائم مقام اور زمانہ کا امام ہوگا پھر اس کی
 صلب سے ایک بچہ پیدا ہوگا جو میرا ہم نام اور میرے مشابہ ہوگا اس کا علم اور حکم میرے علم اور حکم کی طرح ہوگا پس
 وہ اپنے باپ کے بعد حجت خدا اور امام خلق ہوگا اور خدا اس کی صلب سے ایک بچہ پیدا کرے گا جس کا نام جعفر
 ہوگا اور اپنے اقوال و افعال میں پورے اہل زمانہ سے صادق ترین ہوگا پس وہ اپنے باپ کے بعد حجت خدا اور امام زمان
 ہوگا پھر اس کا فرزند موسیٰ بن عمران کا ہم نام موسیٰ جو عبادت میں اپنی نظیر آپ ہوگا وہ اپنے باپ کے بعد حجت اور امام ہوگا
 پھر اس کا فرزند علی اللہ کے علم کی معدن اور اس کی حکمت کا مخزن حجت خدا اور امام الخلق ہوگا پھر اس کا فرزند محمد اپنے باپ
 کے بعد امام و حجت ہوگا پھر اس کا فرزند علی اپنے باپ کا قائم مقام اور امام الخلق و حجت اللہ ہوگا پھر اس کا فرزند حسن
 حجت اور امام زمان ہوگا پھر حسن کا فرزند حجت قائم اپنے شیعوں کا امام اور اپنے دستوں کا فریاد رس ہوگا وہ پردہ غیبت
 میں رہے گا جس کو دیکھنا نہ جائے گا اور غیبت اس قدر طویل ہوگی کہ بعض لوگ مایوسی کا شکار ہو کر اس کے وجود پر ایمان
 لانے سے دستکش ہو جائیں گے اور بعض اپنے ایمان پر ثابت قدم رہیں گے۔ الحدیث

بروایت عیاشی تفسیر برہان میں عبدالرحیم قصیر سے مروی ہے میں ایک روز حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کی خدمت
 میں بیٹھا تھا آپ نے مجھ سے دریافت کیا کہ قول خدا إِنَّمَا أَنْتَ مُنذِرٌ لِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ میں منذر رسول خدا
 اور ہادی علی ہیں تو یہ بتاؤ کہ اس زمانہ میں ہادی کون ہے؟ وہ کہتا ہے میں نے طویل خاموشی کے بعد سر اٹھایا اور عرض
 کی میں آپ پر فدا ہوں یہ آیت آپ لوگوں کے حق میں ہے اور آپ ہی کے بعد دیگرے اس کے وارث ہیں یہاں

تک کہ اس وقت حضور والا آپ ہی اس کے مصداق ہیں پس آپ ہادی ہیں تو فرمانے لگے بے شک تو نے درست کہا ہے اے عبدالرحیم! قرآن زندہ ہے مردہ نہیں پس یہ آیت زندہ ہے مردہ نہیں اگر کوئی آیت جو کسی خاص آدمی کے حق میں اتری ہو اور وہ مر جائے پس آیت بھی مر جائے تو اس صورت میں تو سارے کا سارا قرآن مردہ ہو جائے گا۔ لیکن قرآن زندہ ہے لہذا اس کے مصداق کیے بعد دیگرے آتے رہتے ہیں اور بعد والے اس کے ویسے ہی مصداق ہوتے ہیں جیسے کہ گذشتگان اس کے مصداق تھے عبدالرحیم کہتا ہے امام نے فرمایا قرآن کی تاویل اس طرح جاری ہے جس طرح شب و روز جاری ہیں اور جس طرح شمس و قمر جاری ہیں اور یہ آیتیں ہمارے آخری پر اسی طرح صادق آتی ہیں جس طرح ہمارے پہلے بزرگوار پر صادق آئیں۔ ہم نے اس قسم کی بعض احادیث اور اس مطلب کی مزید وضاحت تفسیر کے مقدمہ میں کر دی ہے۔

حدیث ثقلین بھی اس امر پر شاہدیت ہے کیونکہ حضور جب امت کی ہدایت کے لئے دو چیزیں چھوڑ کر گئے ہیں تو اس کا مفہوم یہی ہے کہ جب تک قرآن رہے گا عزت ساتھ ساتھ رہے گی اور جب تک امت رہے گی یہ دونو ہدایت کا فریضہ انجام دیتے رہیں گے اور ایک حدیث میں یہ لفظ ہیں لَنْ يَفْتَرَقَا حَتَّىٰ يَسْرُدَا عَلَى الْحَوْضِ۔ اور یہ دونوں ایک دوسرے سے ہرگز جدا نہ ہوں گے حتیٰ کہ حوض کوثر پر میرے پاس اکٹھے پہنچیں گے اور آپس میں نہ جدا ہونے کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ جب تک ایک باقی ہو گا دوسرا بھی ساتھ ساتھ باقی رہے گا۔ پس اگر قرآن مجید قیامت تک زندہ ہے اور ہادی ہے تو ضروری ہے کہ عزت کا کوئی فرد اس کے ساتھ ساتھ زندہ اور ہادی ہو اور ہمارے اس دور میں حضرت حجت صاحب الزمان امام العصر مہدی علیہ السلام موجود ہیں جو پردہ غیبت میں امت اسلامیہ کی مشکلات کو حل کرنے کے کفیل ہیں۔ اگر امام غائب کے وجود کو تسلیم نہ کیا جائے تو اس قسم کی احادیث کی صداقت محذوش ہو جائے گی نیز آیت مجیدہ مذکورہ بھی مصداق سے خالی رہ جائے گی۔ پس آیت مجیدہ جس طرح ہر دور میں امت کی ضرورت کو ثابت کرتی ہے اسی طرح دور حاضر میں وجود امام غائب پر بھی نص کی حیثیت رکھتی ہے۔ اللّٰهُمَّ عَجِّلْ فَرَجَنَا۔

اللّٰهُمَّ عَجِّلْ فَرَجَنَا۔ آیت مجیدہ میں چند معلومات کا تذکرہ ہے کہ وقتی طور خدا اس رکوع نمبر ۸ بیان توحید کی بعض جزئیات کا علم کسی نبی یا اس کے وصی کو عطا فرماتا ہے پس وہ اس حد تک جان سکتا ہے جہاں تک خدا نے اس کو علم عطا فرمایا ہو (۱) ہر مادہ خواہ اس کا تعلق کسی نوع سے ہو اس کے شکم میں بچہ ہے یا کوئی اور چیز پھر بچہ ہونے کی صورت میں نہ ہے یا مادہ خوبصورت ہے یا بد صورت، نیک ہے یا بد غرضیکہ اس کی پوری کیفیات و جزئیات کے ساتھ اس کا علم صرف پروردگار کو ہی حاصل ہے (۲) بعض اوقات بچہ رحم مادر سے مدت مقررہ سے پہلے پیدا ہو جاتا ہے اور غیض کا معنی کم ہونا اور گھٹ جانا ہے۔ مثلاً بعض عورتیں نومادہ

اللَّهُ يَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ كُلُّ أُنْثَىٰ وَمَا تَغِيصُ الْأَرْحَامُ وَمَا تَزِدُّنَّ

اللہ جانتا ہے جو حمل اٹھاتی ہے ہر مادہ اور جو کم کرتے ہیں رحم اور جو زیادہ کرتے ہیں

وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهُ بِمِقْدَارٍ ﴿٨﴾ عِلْمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْكَبِيرِ

اور ہر چیز اس کے پاس مقدار سے ہے وہ غیب و شہادت کے جاننے والا بزرگ

کی مدت پوری ہونے پر بچہ جنتی ہیں اور بعض اس سے پہلے جن لیتی ہیں اور مدت حمل کی اس کمی کو اور اس کی مقدار کو اور اس کی علت و سبب کو خدا ہی جان سکتا ہے (۳) وہ جو مدت مقررہ پر زیادتی آجاتی ہے مثلاً بعض عورتیں نو ماہ کی مدت سے کچھ دن مزید گزار کر بچہ جنتی ہیں پس اس مقررہ کو اور اس کی زیادتی کی علت کو تمام جزئیات کے ساتھ اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ اور مروی ہے کہ ایام حمل میں عورت کو اگر حیض آجائے تو جس قدر ایام حیض کے ہوں گے اسی قدر ایام کا مدت حمل پر اضافہ ہو جائے گا۔ بہر کیف ان تفصیلات کو کما حقہ پروردگار ہی جان سکتا ہے یا وہ جن کو اس کی جانب سے اس کا علم عطا کیا گیا ہو چنانچہ فرماتا ہے کہ ہر شے کی میرے پاس مقدار بالکل معین ہے یعنی کسی کی مدت معینہ کا پورا ہونا کسی کا کم ہونا اور کسی کا بڑھ جانا جن میں سے ہر ایک کی کمی یا زیادتی کی مقدار کا پورا اور صحیح علم پروردگار عالم کو ہی ہے۔

لَهُ مَعْقَبَاتٌ صُمِّرَ غَائِبٌ كَعَرَجٍ فِي اخْتِلَافِهِ لَيْكِنَ زِيَادَةً مَوْزُونٍ مَبِيءٌ كَمِ اس كَامرِجِ اللّٰهِ كَو قَرَارِ دِيَا جَائِئِ اَوْر
مَعْقَبَاتٍ سے مراد وہ فرشتے ہیں جو دن رات باری باری سے انسان کے اعمال کی نگہداشت کرتے ہیں۔ اور مروی ہے کہ وہ چار ہیں۔ دو رات کے لئے اور دو دن کے لئے چنانچہ علی الصبح چاروں اکٹھے ہوتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ رات کے فرشتوں کے جانے کا وقت اور دن کے فرشتوں کے آنے کا وقت وہی ہے اس لئے اول وقت میں صبح کی نماز پڑھی جائے تو رات اور دن کے چاروں فرشتے اس کے عمل خیر کے گواہ ہوں گے۔ اور خدا قدرت ہے۔ اِنَّ قُرْآنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُودًا۔ بعض روایات میں ہے کہ ان سے وہ فرشتے مراد ہیں جو ہلاکتوں اور مصیبتوں سے انسان کی حفاظت پر مامور ہیں اور مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ كَايَهُ مَقْصُودٌ نَّهِيْكَ خَدَا كِي جَانِبٍ سَعِ اَنِّيْ هُوْنِيْ مُصِيْبَتُوْنَ سے وہ حفاظت کرتے ہیں کیونکہ خدا کی جانب سے آنے والی مصیبت سے کوئی بچا سکتا ہی نہیں بلکہ یہاں بامر اللہ مراد ہے یعنی خدا کے امر سے وہ انسانوں کی حفاظت پر مومل ہیں۔ اور جب خدا کی جانب سے اس پر امتحان یا سزا یا عبرت کے طور پر کوئی دکھ مصیبت آئے تو وہ الگ ہو جاتے ہیں۔ اور منقول ہے کہ ہر انسان پر حفاظتی فرشتے دس دس مومل ہیں۔ تفسیر مجمع البیان میں کعب سے منقول ہے کہ اگر تمہارے کھانے پینے کے اوقات میں اور تنہائیوں کے عالم میں خدا نے تم پر فرشتے نہ مومل کئے ہوتے جو ہر حال میں تمہاری نگہداشت کرتے ہیں تو قوم جن تم

۹ ﴿سَوَاءٌ مِنْكُمْ مَنْ أَسْرَ الْقَوْلَ وَمَنْ جَسَّدَهُ وَ

مذہبے برابر ہے کہ تم میں سے کوئی چکے بات کرے یا اعلانیہ کرے خواہ

مَنْ هُوَ مُسْتَخْفٍ بِاللَّيْلِ وَسَارِبٌ بِالنَّهَارِ ﴿۱۰﴾ لَهُ مَعْقِبَةٌ

کوئی رات کو چھپا کر کرے یا دن میں چل پھر کر کرے اس کی جانب سے

مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهِ يَحْفَظُونَهُ مِنْ أَمْرِ اللَّهِ ط

ملائکہ سینہ میں اس کے آگے اور پیچھے جو اس کی حفاظت کرتے ہیں خدا کے حکم سے

إِنَّ اللَّهَ لَا يَغَيِّرُ مَا تَقَوْمٌ حَتَّىٰ يَغَيِّرُ مَا بِأَنْفُسِهِمْ وَ

تحقیق اللہ نہیں تبدیل کرتا قوم کی حالت جب تک وہ خود اپنے نفسوں میں تبدیلی نہ کریں اور

کو ختم کر دیتی۔

إِنَّ اللَّهَ لَا يَغَيِّرُ - قدر یہ فرقہ اپنے مسلک کے لئے اس آیت کو بطور حجت پیش کرتا ہے کہ انسان کی تقدیر اس کے

اپنے ہی ہاتھ میں ہے کہ خدا کسی قوم کی حالت کو نہیں بدلتا۔ جب تک کہ وہ خود اپنی حالتوں کو نہ بدلیں۔ اور سفینۃ البحار

میں امام رضا علیہ السلام حضرت امام علی زین العابدین علیہ السلام سے روایت فرماتے ہیں کہ قدریہ لوگ اپنے مسلک

کے اثبات کے لئے آیت کے پہلے حصہ کو پیش کرتے ہیں جس سے انسان کا مختار ہونا ثابت ہوتا ہے اور یہ کہ اس

کی تقدیر اس کے اپنے قبضہ میں ہے حالانکہ اسی آیت کے آخری حصہ میں اللہ کے ارادہ از لیبہ کی حکومت بھی ثابت

ہے۔ وَ إِذَا آتَاكُمُ اللَّهُ الْفَتْحَ لَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا فِي سَبْعَةِ آيَاتٍ كَذَّبُوا بِآيَاتِهِمْ فَمَذَّابَجًا

یہ ہے کہ اللہ ازل سے تمام پیدا ہونے والی مخلوق اور اس کے انجام خیر یا بد کو جانتا ہے۔ اگرچہ انسان کو اعمال کی بجا آوری

میں مکمل اختیار حاصل ہے۔ پس عذاب کے استحقاق کے بغیر وہ کسی پر عذاب نہیں بھجیتا۔ لیکن جن لوگوں کے متعلق

اس کے علم ازلی میں عذاب کا استحقاق موجود ہے انہوں نے دنیا میں اپنے اختیار سے ایسے کام کرنے ہیں۔ جن

کی بدولت وہ عذاب کا حقدار ہوگا اور اس کو کوئی رو نہیں کر سکتا۔ اور اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اللہ کے علم ازلی کے

ماتحت انسان اپنے اعمال میں مجبور ہے۔ کیونکہ اللہ کا علم انسان کے اختیار میں کوئی پابندی نہیں لانا۔ جس طرح

فرعون کے متعلق اس کو علم تھا کہ یہ بحالت کفر مرے گا لیکن پھر بھی موسیٰ نے ہارون کو حکم دیا کہ اس کو زہم لہجہ سے سمجھاؤ

شاید سمجھ جائے اگر اللہ کے علم ازلی کے ماتحت وہ مجبور سمجھا جاتا تو اس کے لئے موسیٰ ہارون کو بوائے تبلیغ بھیجا

عبث ہوتا اور اس کی مثالیں بہت زیادہ ہیں۔ بہر کیف خداوند کریم کی بے حد و حساب نعمت کو دیکھ کر مغرور نہیں

إِذَا أَرَادَ اللَّهُ بِقَوْمٍ سُوءَ آفَلٍ مَرَدَّةٍ وَمَا لَهُمْ مِنْ دُونِهِ مِنْ

حب ہا تھا ہے اللہ کسی قوم کی سزا تو کوئی اس کو روک نہیں سکتا اور نہ ان کا اس کے علاوہ کوئی ناصر

قَالَ ۱۱ ۱۱ هُوَ الَّذِي يُرِيكُمْ الْبَرْقَ خَوْفًا وَطَمَعًا وَيُنشِئُ

ہوتا ہے وہ وہ ہے جو تم کو بجلی دکھاتا ہے خوف اور طمع کی صورت میں اور پانی

پرونا چاہیے بلکہ اُن کا حق شکر ادا کر کے اُن نعمات کی بقا اور زیادتی کی کوشش کی جائے درز ممکن ہے کہ نعمات کا شکر ادا نہ کرنا اُن کے زوال کا باعث ہو جائے۔ اور آیت مجیدہ اسی طرف متنبہ کر رہی ہے۔ اور حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام سے مروی ہے کہ جب تمہاری طرف نعمتوں کی آمد ہو تو بے شکری کر کے بعد میں آنے والیوں کی روکا دے۔ کے موجب تم خود نہ بنو۔ ہم نے تفسیر انوار النجف کی دوسری جلد میں تصناؤ تدر کے عنوان سے یہ مسئلہ مفصل بیان کیا ہے۔

عطاے نعمت اور زوالِ نعمت کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ خدا بغیر استحقاق کے اپنے فضل و کرم سے نعمتیں نازل فرماتا ہے جن کی بقا ان کے شکر سے وابستہ ہوتی ہے۔ اور اسی طرح ان میں زیادتی بھی شکر پر موقوف ہوتی ہے چنانچہ ارشاد ہے لَمَّا شَكَرْتُمْ كَرَّمْتُمْ لَكُمْ زَيْدَاتٍ كَمَا كَفَرْتُمْ نَزَلَتْ عَلَيْكُمْ أَنْصَابٌ مِمَّا كُنْتُمْ تُكْفِرُونَ۔ پس بغیر استحقاق کے ابتداء عطا فرماتا اُس کا فیض ہے اور شکر سے ان کی بقا یا زیادتی کو وابستہ کرنا اُس کی حکمت ہے۔ اسی طرح زوالِ نعمت یا نزولِ مصیبت آزمائش یا عبرت یا تنبیہ وغیرہ کے لئے بعض اوقات ہوتی ہے لیکن اُس کا باقی رہنا یا اُٹل جانا اس کی بلند صغلی یا صبر و تحمل یا شکر نعمات کے وجود و عدم پر موقوف ہوتا ہے بنا بریں ممکن ہے۔ آیت مجیدہ کے آخری حصہ کا معنی یہ ہو عبرت و نصیحت یا آزمائش وغیرہ کے لئے خدا جس کو مبتلائے مصیبت کرے۔ اُس کو کوئی رد نہیں کر سکتا اور پہلے حصہ کا مطلب یہ ہو کہ خدا ان کی بد حالی و مصیبت کو نہیں دور کرتا جب تک وہ صبر و تحمل سے اپنے پروکار کے سامنے کڑا کر دے مصیبت کے لئے کوشش نہ ہوں یا اپنی مصائب و فلاکت و ہلاکت سے نجات کے لئے اسبابِ فلاح کی طرف بتائیں خداوندی خود عملی تخریک نہ کریں۔

پس گویا خوش حالی پر بقا یا خوش حالی کا زوال انسان کے اپنے اختیار شکر و بے شکری سے بھی وابستہ ہے اور خوش حالی کی آمد یا مصائب کی آمد اس کی حکمت کے پیش نظر بھی ہوتی ہے جس کو کوئی رد نہیں کر سکتا۔ یَسْئَلُكُمْ الْبَرْقُ۔ جب باروں میں بجلی کی چمک ظاہر ہوتی ہے تو اس میں لوگوں کے لئے خوف و ہراس بھی ہوتا ہے اور بارش سے زمین کی آبادی اور خوشحالی کا لالچ بھی ہوتا ہے یا یہ کہ مسافروں کے لئے راستہ گم کرنے کا خوف ہوتا ہے اور زمینداروں کے لئے خوشحالی کی نوید مسرت ہوتی ہے۔

السَّحَابِ الثَّقَالِ ۱۲ ۝ وَكَيْسٍ الرَّعْدِ مَجْمُودٍ ۝ وَالْمَلَكَةِ مِنَ

اٹھانے والے بادل پیدا کرتا ہے اور رعد اس کی حمد کی تسبیح کرتا اور سب فرشتے اس کے خون سے

خِيفَتِهِ وَيُرْسِلُ الصَّوَاعِقَ فَيُصِيبُ بِهَا مَنْ يَشَاءُ وَهُمْ جَاوِدُونَ

تسبیح کرتے ہیں، وہ بجلیوں کو بھیجتا ہے تو وہ اس پر پڑتی ہیں جس پر وہ چاہے اور وہ لوگ اللہ کے بارے میں

متنبیہ :- آیت مجیدہ میں بطور حصر بیان کیا گیا ہے کہ بادلوں کا پیدا کرنے والا بارش برسانے والا اور تاریک گھٹا ٹوپ بادلوں سے بجلی کی چمک ظاہر کرنے والا صرف اللہ ہی ہے کہ رعد کی کڑک درحقیقت اس کی عظمتِ شان اور تنزیہ ذات کی تسبیح ہے اور ان امور پر موکل فرشتے یا تمام ملائکہ اس کے جلال و ہیبت کے سامنے لرزنا و ترسنا اس کی حمد و ثنا میں رطب اللسان ہیں اور وہی ذات ہے جو صاعقہ بھیج کر جسے چاہے عذاب میں مبتلا کرتی ہے اس بیان کے بعد تنبیہ کے طور پر فرماتا ہے کہ یہ چیزیں دیکھ بھال کر بھی لوگ اللہ کے بارے میں جھگڑتے ہیں حالانکہ اس کی گرفت سخت ہے۔

افسوس! لوگوں نے قرآن کو چھوڑ دیا اور عظمت پروردگار کی معرفت سے بیگانے ہو گئے، شانہ روز اور صبح و سار اس کی عظمتِ شان پر تکونیناتِ عالم کے ہر چار سونا قوس سج رہے ہیں لیکن لوگوں کے کان ان کی آوازوں سے نا آشنا ہیں وہ ٹس سے مس تک نہیں ہوتے انبیاء و ائمہ علیہ السلام کی جانب سے بارہا آسانی و عملی طور پر ہدایات پہنچیں۔ اور حجتِ تام ہر چکی لیکن اوہام پرست اذہان نے توجہ نہ دی۔ انہوں نے حق کی آواز پر کان دھرنے کی بجائے توہمات کی بے سرو پا اور بے تکی آوازوں کو جذب کیا اور حقیقت کی طرف چشم بصیرت کھولنے کی بجائے توہم پرستوں کی اندھا دھند تقلید کو مالِ مذہب قرار دیدیا۔

تفسیر مجمع البیان میں مروی ہے کہ رعد ایک فرشتہ کا نام ہے جو بادل پر تعینت ہے وہ بادل کو چلاتا ہے۔ اور اپنے خوفناک آواز سے اُسے جھڑکتا ہے اور اللہ کی تسبیح کرتا ہے اور حضورؐ نے فرمایا کہ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے۔ اگر لوگ میرے اطاعت گزار ہوتے تو میں رات کو بارش بھیجتا اور دن کو سورج کی روشنی سے ان کو خوشنود کرتا اور رعد کی آواز ان کے کانوں تک نہ پہنچتی اور حضورؐ کا دستور تھا جب رعد کی آواز سنتے تھے تو کہتے تھے۔ مُبْحَانَ مَنْ يُسَبِّحُ الرَّحْمٰنَ بِحَمْدِهِ۔ اور مروی ہے کہ بادلوں کو چلانے والے فرشتے کے ہاتھ میں ایک تازیانا ہے جو برق سے تعبیر کیا گیا ہے اور یہ چمک اسی سے ظاہر ہوتی ہے۔

تفسیر برہان میں بروایت قرب الاسناد حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ مومن پر ہر قسم کی موت آسکتی ہے لیکن صاعقہ آسانی سے مومن نہیں مارتا بشرطیکہ اس کی زبان پر اللہ کا ذکر ہو۔ دوسری روایت

فِي اللَّهِ وَهُوَ شَدِيدُ الْحَالِ ۝۱۳ لَهُ دَعْوَةُ الْحَقِّ وَالَّذِينَ يَدْعُونَ

تھکتے ہیں حالانکہ وہ سخت گیر ہے اس کو پکارنا حق ہے اور جو لوگ پکارتے ہیں اس کے

مِنْ دُونِهِ لَا يَسْتَجِيبُونَ لَهُمْ شَيْءٌ إِلَّا كَبَاسِدٍ كَفِيٍّ إِلَى الْمَاءِ لِيَبْلُغَ

سوا کسی کما وہ ان کی کسی حاجت کو پورا نہیں کر سکتے ان کی مثال ایسی ہے جس طرح کوئی دور سے پانی

فَا هُوَ مَا هُوَ بِالْعِزِّ وَمَا دَعَاءُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِي ضَلٰلٍ ۝۱۴

کی طرف ہاتھ پھیلانے تاکہ وہ اس کے نزدیک پہنچے حالانکہ وہ نہیں پہنچ سکتا اور کافروں کا پکارنا درجوں کو بے سود ہی ہے

میں آپ نے فرمایا کہ مومن گر کر ڈوب کر اور درندے سے زخمی ہو کر مر سکتا ہے لیکن اگر اللہ کے ذکر سے اس کی زبان معطر ہو تو صائق آسمانی سے اس پر ہرگز موت نہیں آسکتی اور تفسیر مجمع البیان میں اسی مضمون کی ایک جہت امام محمد باقر علیہ السلام سے بھی مروی ہے۔

وَهُمْ يُجَادِلُونَ - یعنی جاہل لوگ آیات خداوندی کا آنکھوں سے مشاہدہ کرنے کے باوجود توحید پروردگار کے معاملہ میں جھگڑا کرتے ہیں۔ اور ابن عباس سے مروی ہے زید بن قیس اور عامر بن طفیل ایک مرتبہ بارگاہ نبوی میں حاضر ہوئے ظاہر اود توحید کے بارے میں مجادلہ کرنا چاہتے تھے اور ان کی پالیسی یہ تھی کہ باتوں باتوں میں اچانک حملہ کر کے دھوکے سے فانوس نبوت اور مشعل رسالت کو خاموش کر دیا جائے چنانچہ عامر نے زید سے کہا کہ میں سامنے بیٹھ کر توحید کے مسائل میں بحث کروں گا تو پیچھے سے آکر تلوار سے ان کا کام تام کر دینا چنانچہ اسی منصوبہ کے ماتحت عامر نے حضور کے ساتھ توحید کے موضوع پر مجادلہ شروع کر دیا اور زید تلوار لیکر پیچھے سے آگیا چنانچہ اس نے ارادہ فاسد کے تحت تلوار کو نیام سے نکالنا چاہا پس ایک بالشت کے برابر تلوار نکلی اور پھر گئی اس نے ہر چند چارہ کیا لیکن ناکام رہا۔ عامر اس کو بار بار اشارے کرتا تھا لیکن وہ اپنے مقام پر بے بس تھا اتنے میں حضور نے مڑ کر دیکھا تو وہ تلوار کو بے نیام کرنے کی ناکام کوشش میں مصروف تھا پس آپ نے دعا کی کہ اے اللہ مجھے ان دونوں کے شر سے تو خود ہی محفوظ رکھ لیں زید پر اللہ نے نیربادل کے گرمی کے دن میں صاعقہ نازل کیا کہ وہ وہیں جل کر خاکستر ہو گیا اور عامر بھاگ گیا اور یہ کہہ کر گیا کہ اے محمد تو نے اپنے رب سے دعا کی کہ اس نے میرے ساتھی زید کو مار دیا ہے اب میں اس کے انتقام کے لئے تیرے خلاف ایک نو عمر شاہسواروں کی فرج لادوں گا آپ نے فرمایا مجھے تیرے شر سے اللہ ہی بچائے گا چنانچہ وہ نبی سلول کی ایک عورت کے ہاں جہان ہوا پس اس کے دوڑا نوؤں پر غرودیں نکل آئیں اور اسی عارضہ سے مر گیا۔

تفسیر برہان میں بروایت ابوالی شیخ انس بن مالک سے منقول ہے کہ حضور نے عرب کے فرعونوں میں سے ایک فرعون کی طرف توحید کا دعوت نامہ بھیجا۔ اس نے قاصد سے کہا کہ بتاؤ تمہارا خدا سونے کا ہے یا چاندی کا یا لوہے کا تو قاصد

وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا

اور اللہ کے لئے سجدہ کرتے ہیں جو آسمانوں اور زمین میں ہیں اطاعت سے یا مجبوری سے

وَوَظَلَمَهُمُ بِالْغَدُوِّ وَالْاَصَالِ ﴿۱۵﴾ قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ

اور ان کے سائے بھی صبح اور شام کہہ دو کون ہے رب آسمانوں

نے واپس آ کر اطلاع دی پس آپ نے اس کو دوبارہ بھیجا پس اُس کا فر نے دوبارہ وہی الفاظ دہرائے ابھی وہ بات کر رہا تھا کہ آسمان سے صاعقہ گرا اور اُس کے سر پر پڑا پس وہ وہیں ڈھس ہو گیا اور یہ آیت اتری۔

دُعا کرنا اور پکارنا ﴿۱۵﴾ کہ دَعْوَةُ الْحَقِّ۔ اللہ حق ہے اور اسی سے دُعا کرنا اور اُس کو پکارنا ہی حق ہے جاوے اور مجرور کو مقدم کر کے حصر فرمادیا کہ دعوتِ حق صرف اسی کی ذات میں ہی محصور ہے اُس کے علاوہ

کسی کو پکارنا اور اُس سے دعا مانگنا حق نہیں ہے بلکہ باطل ہے اور اگلے حصہ میں صاف اعلان فرمایا ہے کہ جو لوگ اس کے سوا کسی کو پکارتے ہیں وہ غلط کرتے ہیں کیونکہ وہ ان کو کچھ بھی نہیں دے سکتے پس غیر اللہ کو پکارنے والے کی مثال ایسی ہے جس طرح کوئی شخص دُور سے پانی کی طرف ہاتھ پھیلا کر خواہش کرے کہ وہ پانی میرے منہ میں آجائے تو ایسی صورت میں نہ پانی اس کے منہ میں آتا ہے اور نہ اس کی پیاس بجھتی ہے پس جس کو دیتا ہے اللہ ہی دیتا ہے اس کے علاوہ نہ کوئی کسی کو دیتا ہے نہ دے سکتا ہے۔

اسی بنا پر محمد و آل محمد علیہم السلام نے اپنے شیعوں کو جو دعاء کا طریقہ تعلیم فرمایا ہے وہ یہ ہے کہ ہر مشکل و مصیبت میں اور ہر ضرورت و حاجت میں اللہ کی طرف رجوع کرو اور اُس کی کو زاری و عاجزی سے پکارو لیکن درمیان میں محمد و آل محمد کو بطور وسیلہ کے پیش کرو۔ اور یہ طریقہ بھی بتایا کہ اپنی دعاؤں کے اول و آخر میں درود شریف پڑھو کیونکہ درود ایک ایسی دُعا ہے جو کبھی رد نہیں ہوتی پس جب دُعا کے مرد و طرف درود ہوگا تو اس کے صدقہ میں درمیان کا حصہ یعنی دعا بھی مقبول ہو جائے گی پس جو لوگ اس طریقہ سے دعا کریں گے۔ قرآن صامت اور قرآن ناطق ہر دو کی ہدایت پر ان کا عمل ہوگا اور جو لوگ کسی پیروم شد یا نبی و امام کو ہی مشکل و مصیبت میں اپنی دعاؤں کا ملجاء و ماویٰ قرار دیں اور ان کو وسیلہ کی بجائے مستقل حاجت روا اور مشکل کشا تسلیم کریں۔ آیت مجیدہ کی رُو سے اُن کا یہ اقدام سراسر غلط بلکہ کفر ہے اور اس کا انجام ناکامی اور آخرت کی ذلت کے سوا کچھ نہیں۔ نیز آل محمد علیہم السلام کی فرمائش کے بھی خلاف ہے پس نہ ایسے شخص سے خداراضی ہے اور نہ آل محمد راضی ہوں گے عقائد کی تفصیل ہماری نو تصنیف عقائد کی کتاب لعتہ الاولاریں دیکھئے۔

لِلّٰهِ يَسْجُدُ۔ جس طرح پہلی آیت میں جاوے اور مجرور کا مقدم کرنا دعا کا حصر اللہ میں بتاتا ہے اسی طرح آیت میں جاوے اور مجرور یعنی اللہ کا مقدم ہونا جائز ہے

سجدہ کا حصر اللہ میں کرتا ہے یعنی ذاتِ خداوندی کے علاوہ کوئی بھی لائقِ سجدہ نہیں ہے پس آسمانوں اور زمین میں بسنے والی جملہ علوی و سفلی مخلوق کا سجدہ صرف اللہ کی ہی ذات کے لئے ہے۔

سجدہ کی چونکہ دو قسمیں ہیں (۱) سجدہ تکوینی (۲) سجدہ تشریحی
سجدہ تکوینی یعنی بغیر اختیار کے اپنے خالق و مالکِ مہیبتی کے سامنے جھک جانا۔ چنانچہ کائنات کی ہر علوی و سفلی نوری و ظاہری، مادی و روحانی اور ذی روح و بے روح مخلوق اپنے حدود و وجود میں اپنے کمال و ذوال میں اور اپنے تغیر و انقلاب میں بے بسی و بے جاہرگی کے پیش نظر ہمہ تن اس کی عظمت و رفعت جلال و سلطنت اور قدرت و حکمت کے سامنے محو سجدہ ہے۔ اُس نے جس طرح چاہا جب چاہا جہاں چاہا اور جتنی مدت کے لئے چاہا پیدا کر دیا پیدا ہونے والی مخلوق میں چون و چرا کی مجال نہیں اور یہی بے بسی اس کی بارگاہ میں سجدہ تکوینی ہے کہ مخلوق کو نہ اپنے حسن و قبح میں اختیار ہے نہ تدوین و وقت میں مجال مقال ہے۔ اسی طرح بیماری، تندرستی، بچپن، جوانی، بڑھاپا اور موت و حیات وغیرہ کہ پیدا ہونا اپنے اختیار میں اور نہ مرنا اپنے بس میں ہے۔ پس سب مخلوق کی یہ کیفیت و حالت بلکہ ان کا ہر اہم وجود اپنے خالقِ مدبر کے سامنے سجدہ تکوینی ہے۔

سجدہ تشریحی۔ اپنے ارادہ و اختیار سے اپنے خالق و مالک اور فیاضِ مہن کے سامنے مخصوص طریقہ سے جھکنے کا نام ہے جو صرف ذی روح بلکہ اربابِ عقول کے شایانِ شان ہے جن و ملک و انسان اگرچہ ان میں سے ہر ایک کی نوعیت سجدہ الگ الگ ہی ہے۔

پس آیت مجیدہ میں طوعاً سے مراد سجدہ تشریحی ہے جس سے مراد ملائکہ اور باقی مکلفین جنوں اور انسانوں کا سجدہ مراد ہے اور کرہاً سے مراد سجدہ تکوینی ہے جو کفار کی ہیبت کذائید سے آشکار ہے یعنی یہ کہ اُن کی مقامِ تخلیق و دیگر تکوینات میں بے بسی ان کا سجدہ ہے پس جس طرح سجدہ تکوینی اللہ کے علاوہ کسی کے لئے نہیں ہو سکتا اسی طرح سجدہ تشریحی بھی اس کے علاوہ کسی کے لئے زیبا نہیں اور مطلق سجدہ کا جواز اللہ کے لئے ہی ہے اور اس کے غیر کے لئے سجدہ کرنا موجب کفر و شرک ہے۔

بعض لوگ سجدہ تعبیدی اور سجدہ تعظیمی میں فرق کرتے ہیں کہ سجدہ تعبیدی اللہ کے لئے مخصوص ہے اور سجدہ تعظیمی غیر کے لئے جائز ہے اور اس کی تائید میں آدم کے سامنے ملائکہ کا سجدہ اور یوسف کے سامنے بھائیوں کا سجدہ پیش کرتے ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ فرشتوں کے سجدہ میں آدم محض بحیثیتِ قبلہ کے تھے درحقیقت ان کا سجدہ اللہ کے لئے تھا اور ممکن ہے ان کے سجدہ سے مراد آدم کی فضیلت کو تسلیم کرنا اور ان کے علم و کمال کے سامنے جھک جانا ہو اسی طرح حضرت یوسف کے آگے بھائیوں کا سجدہ شکر پروردگار کی خاطر تھا کیونکہ اس سجدہ میں حضرت یعقوب بھی شامل تھے اور ان کا یوسف کے لئے سجدہ تعظیمی یقیناً غلط اور خلافِ عقل ہے کیونکہ یوسف پر یعقوب کی تعظیم واجب تھی نہ کہ سلطنت مل

وَالْأَرْضِ طَقِلَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ فَلَا أَخَذُوا بِأَعْيُنِهِمْ مِنْ دُونِهَا وَلِيَاءَ لَا

اور زمین کا کہہ دو اللہ کہ دو کیا تم نے بنائے ہیں اس کے علاوہ حاکم ؟ جو نہیں

يَبْلُغُونَ لِنَفْسِهِمْ نَفْعًا وَلَا ضَرًّا قُلْ هَلْ يَسْتَوِي

اپنے نفسوں کے لئے مالک نفع و نقصان کے کہ دو کیا برابر ہیں

جانے کے بعد یعقوب پر بھی بیٹے کا سجدہ تعظیمی ضروری تھا۔ بلکہ روایات تو بتلاتی ہیں کہ حضرت یعقوب جب کنعان کو چھوڑ کر مصر پہنچے اور یوسف استقبال کے لئے تشریف لے گئے چونکہ باپ کی خاطر گھوڑے سے نہ اترے اس لئے خداوند کریم نے ان کی نسل سے نبوت کو ختم کر دیا تو جس خدا نے یعقوب کے سامنے یوسف کا گھوڑے پر سوار رہنا گوارا نہ کیا وہ خدا یوسف کے سامنے یعقوب کا سجدہ تعظیمی کیسے برداشت کر سکتا ہے ؟ اسی طرح ایک غریب خود دار باپ اگرچہ بے علم بھی ہو لیکن اس کی ضمیر کے خلاف ہے کہ اپنے امیر و مالدار بیٹے کو جھک کر ملے اگرچہ وہ درجہ رفیعہ پر ہی فائز کیوں نہ ہو تو حضرت یعقوب کی ضمیر نبوت نے کیونکر گوارا کیا کہ اپنے بادشاہ بیٹے کے سامنے تعظیماً سربسجود ہوں اور یوسف پیغمبر نے کیسے برداشت کیا کہ سفید ریش اور بنی باپ اس کے آگے جھکا ہوا ہو۔ بہر کیف تسلیم کرنا پڑے گا کہ ان کا سجدہ ذات پروردگار کے لئے شکر کا سجدہ تھا حضرت یعقوب کا سجدہ شکر مصیبت فراق سے نجات کے لئے اور بھائیوں کا سجدہ شکر اپنے غلط کردار سے معافی مل جانے کے لئے تھا۔ ہم نے سجدہ آدم اور سجدہ یعقوب و اولاد یعقوب کو اپنے مناسب مقامات پر بھی بیان کیا ہے اور غیر اللہ کے لئے سجدہ کا عدم جواز ہم نے اپنی نو تصنیف کتاب لمعة الانوار میں ثابت کیا ہے وہاں ملاحظہ فرمائیے۔

پس بعض جہلار کا کہنا کہ آئمہ کے لئے سجدہ تعظیمی ہو سکتا ہے ان کی شریعت مصطفویہ پر دیدہ دلیری ہے اسی بنا پر تفریح مقدسہ آئمہ میں جا کر جب دو رکعات نماز ہدیہ پڑھی جاتی ہے یا باقی نوافل و فرائض پڑھنے کا خیال ہو تو پشت سر نماز پڑھنا مکروہ بتایا گیا ہے بلکہ قبر معصوم کے سر کی جانب نماز ادا کرنا بہتر ہے قبر کے پیچھے کھڑے ہو کر اسی غرض سے روکا گیا ہے کہ سجدہ غیر اللہ سے مشابہت نہ ہو جائے۔ بہر کیف غیر اللہ کا سجدہ کرنا کفر ہے اور جناب رسالت مآب سے صریح طور پر منقول ہے کہ اگر غیر اللہ کا سجدہ جائز ہوتا تو میں عورتوں کو حکم دیتا کہ اپنے شوہروں کو سجدہ کریں۔ یقیناً اس سجدہ سے مراد سجدہ تعظیمی ہے ورنہ سجدہ تعبدی کا تو شوہر کے لئے سوال ہی پیدا نہیں ہو سکتا۔ پس شریعت اسلامیہ میں تعظیم کا طریقہ سلام ہے اور آل محمد کی تعظیم ان پر درود بھیجنا اور ان کے اوامر اور نواہی میں ان کی اطاعت کرنا ہے۔

ظَلَّالِ الْهَمْدِ۔ اس کا معنی ہے سایہ اور مراد جسم ہے یعنی ان کے جسم صبح و شام اللہ کا سجدہ تکوینی کرتے ہیں۔ آیت

الرَّعْمَىٰ وَالْبَصِيرَةَ أَمْ هَلْ تُسْتَوَىٰ الظُّلُمَاتُ وَالنُّورَ أَمْ جَعَلُوا

اندھا اور بینا یا کیا برابر ہیں تاریکی اور روشنی یا کیا بنائے

لِللّٰهِ شُرَكَاءَ خَلَقُوا كَخَلْقِهِ فَتَشَابَهُ الْخَلْقُ عَلَيْهِمْ قُلِ اللّٰهُ

انہوں نے اللہ کے لئے شریک کہ پیدا کیا انہوں نے اسکی پیدائش مخلوق کی طرح ؟ تاکہ مشتبہ ہوگی ان پر پیداوار کہ دو کہ اللہ

۱۵۰ کے اختتام پر سجدہ کرنا مستحب ہے۔ سجدہ قرآنی کا بیان تفسیر کی جلد ۱ ص ۵۸ پر ملاحظہ فرمائیں۔

قُلْ مَنْ رَبُّ السَّمٰوٰتِ۔ آیت مجیدہ میں پروردگار عالم نے سوال و جواب کے اچھوتے انداز میں دلیل و برہان کے زیر سایہ اپنی ربوبیت و خالقیت کو واضح فرمایا

اللہ ہر شے کا خالق ہے

ہے چنانچہ ارشاد فرمایا۔ ان سے پوچھو آسمانوں اور زمین کا رب کون ہے ؟ پھر جواب کی تعلیم دی کہ خود ہی جواب دو کہ وہ اللہ ہے۔ اب تنبیہ اور توہینح کے لہجہ میں استفہام انکاری کے طریقے سے دلیل کا ضمنی ذکر کر دیا کہ کیا انہوں نے ایسوں کو اولیا رب بنا رکھا ہے جو دوسروں کے لئے تو بجائے خود اپنی ذات کے لئے بھی نفع و نقصان کے مالک نہیں ہیں کیونکہ عہدہ ربوبیت تو اُس ذات کے لئے سزاوار ہے جو اپنے مرلوب و مخلوق کو نفع یا نقصان پہنچا سکے تاکہ اس کو عبادت کے لئے استحقاق حاصل ہو لیکن جو اپنے لیے بھی نفع و نقصان کا مالک نہ ہو وہ کسی دوسرے کی بگڑی بنانے پر یا بنائی بگاڑنے پر کیسے قدرت رکھ سکتا ہے پس اس کو ولی و حاکم یا رب مان کر عبادت کا سزاوار جانا کہاں کی عقلندی ہے ؟ پس ایسا کرنے والا شخص یقیناً کور بصیرت اور عقل کا اندھا ہے۔ چنانچہ دوبارہ تنبیہ کے طور پر فرمایا کیا اندھا و بنا برابر ہیں ؟ یہ الفاظ باپ و دادا کی تقلید میں اندھا دھند غیر اللہ کو رب سمجھ کر ان کی پوجا کرنے والوں کے لئے ہمیشہ فکر ہے تاکہ وہ سوچ سمجھ کر تقلید کی تاریکی سے نجات پا کر عقل و فکر کی پشت پر سوار ہو کر نور ایمان حاصل کر کے دائرہ توحید خداوندی میں قدم رکھیں اور اسی کو اپنے نفع و نقصان کا مالک سمجھ کر اس کی عبادت کریں۔

اَمْ جَعَلُوا۔ یہاں پھر استفہام انکاری کے لہجہ میں تنبیہ و توہینح ہے اور ضمنی طور پر مسئلہ خلق کی وضاحت ہے کہ کیا انہوں نے ایسے شریک بنا رکھے ہیں جنہوں نے مخلوق پیدا کی جس طرح کہ اللہ نے مخلوق کو پیدا کیا۔ پس حقیقی خدا اور ان کے درمیان ان کے لئے فرق کرنا مشکل ہو گیا ہے ؟ پس ان کو واضح طور پر واضح کاف الفاظ میں بیاننگ دہل اعلان کر کے کہہ دو کہ ہر علوی و سفلی خشک و تر نوری و خاکی جاندار و بے جان ذوی العقل و بے عقل برمی و بحری اور ارضی و سماوی غرضیکہ جس کو شئی کہا جاتا ہے ان کا خالق صرف اللہ ہے اس کے علاوہ کوئی بھی کسی شئی کا خالق نہیں ہے۔ نہ اس کو آلات کی ضرورت نہ اسباب کی حاجت اور نہ معاون و مددگار کی خواہش ہے وہ ہر شئی پر قاہر و غالب ہے نہ وہ مادہ و طبیعت کا محتاج ہے اور نہ ہیولے و صورت کی اس کو حاجت ہے۔ پس وہ جس طرح چاہے جب چاہے جس کے

جائے سے بند معصوب پر بھی بیٹے کا سجدہ معظیمی ضروری تھا۔ بلکہ روایات کو بتلاتی ہیں کہ حضرت یعقوب جب کنعان کو چھوڑ کر مصر پہنچے اور یوسف استقبال کے لئے تشریف لے گئے چونکہ باپ کی خاطر گھوڑے سے نہ اترے اس لئے خداوند کریم

خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴿١٦﴾ أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ

ہے پیدا کرنے والا ہر شے کا اور وہ ایک اکیلا ہر پر قہار ہے اس نے نازل کیا آسمان سے

مَاءً فَسَالَتْ أَوْدِيَهُ بِقَدَرِهَا فَاحْتَمَلَ السَّيْلُ زَبَدًا رَابِيًا

پانی پس جاری ہوئیں وادیاں اپنے اپنے اندازہ سے تو اٹھایا سیلاب نے ابھری ہوئی جھاگ کو اور جس پر ایندھن

وَمِمَّا يُوقِدُونَ عَلَيْهِ فِي النَّارِ ابْتِغَاءَ حِلْيَةٍ أَوْ مَتَاعٍ

ڈالتے ہیں آگ میں زلیور یا برتن ڈھالنے کی خاطر اس سے بھی جھاگ اُبھرتی ہے

متعلق چاہے ارادہ کرتا ہے اور شے ویسے ہو جاتی ہے جس طرح وہ چاہتا ہے۔

علامہ طبرسی اعلیٰ اللہ مقامہ مجمع البیان میں فرماتے ہیں۔ اِنَّ اَكْثَرَ اَصْحَابِنَا لَا يُطْلِقُونَ عَلٰى غَيْرِ سُبْحَانَهُ

اِنَّهُ يَخْلُقُ وَاَصْلًا الخ۔ تحقیق ہمارے اکثر علماء غیر اللہ کے لئے اس لفظ کا اطلاق بھی جائز نہیں جانتے کہ وہ

خلق کرتا ہے آگے چل کر فرماتے ہیں وَمَعْنٰى الْخَلْقِ عِنْدَكَ هُمْ الْاِخْتِرَاعُ وَلَا يَفْقِدُ الْعِبَادُ عَلَيْهِ۔

کیوں کہ خلق کا معنی ان کے نزدیک ہے ایجاد کرنا اور اس چیز پر بندہ سے قدرت نہیں رکھتے۔ بلکہ یہ صرف اللہ کا

کام ہے۔

یہ آیت مفوضہ اور غالی قسم کے لوگوں کے لئے تہیہ و سزائش ہے جو محمد و آل محمد کو خالق مانتے ہیں اور اس

بارے میں بے ہودہ ریکہ اور کمزور استشادات بھی پیش کرتے ہیں جن کا بنی آیات مشابہات یا ضعیف روایات

کو قرار دیا جاتا ہے۔ حالانکہ آیات محکمات و احادیث متواترہ میں صریح و واضح طور پر تخلیق کا حصر اللہ جل شانہ کی ذات

میں کیا گیا ہے جس طرح کہ اس مقام پر آیت کا صاف و صریح منطوق ہے۔ قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ لِّمُحَمَّدٍ

کہہ دو کہ اللہ ہی ہر شے کا خالق ہے اور آئمہ طاہرین علیہم السلام نے ان لوگوں سے برأت کا اظہار فرمایا ہے۔ بلکہ

ان پر لعنت بھیجی ہے جو ان کو خالق کہیں آج کل کی مسوم فضا میں جب کہ جبہ و عمامہ میں ملبوس غداران مذہب،

دامن توحید کو تارتار کرنے کے درپے ہیں اور انتہائی ڈھٹائی و بے حیائی سے برسر منبر توحید کو ٹلکار کر کہتے ہیں کہ خدانے

محمد و آل محمد کو پیدا کیا اور باقی انہوں نے سب کچھ پیدا کیا اور ظلم بالائے ظلم یہ کہ حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام کی طرف

ایسی باتیں منسوب کرتے ہوئے ذرہ بھر نہیں شرماتے حالانکہ وہ اس قسم کے دعویٰ سے بالکل بری الذمہ تھے وہ اللہ

کے عبادت گزار اور اس کی عظمت کے سامنے سجدہ ریز تھے وہ خود بھی اس کی عبدیت کو اپنے لئے مایہ فخر سمجھتے تھے

اور لوگوں کو بھی اس کی عبدیت کا پیغام پہنچاتے تھے۔ ہم نے لعدۃ الانوار میں اس مسئلہ کی کافی وضاحت کی ہے۔ مذہب

کے غدار غلط کار مولویوں کی چرب لسانی نے عوام کے اذہان میں مذہبی عقائد کی داغ بیل ایسے غلط طریقے سے رکھی ہے

زَبَدٍ مِّثْلَهُ كَذَلِكَ يَضْرِبُ اللَّهُ الْحَقَّ وَالْبَاطِلَ فَأَمَّا

اسی طرح ایسے ہی خدا بیان کرتا ہے حق و باطل کی مثالیں پس لیکن

الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَاءً وَأَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي

جھاگ تو ہوجاتی ہے باطل لیکن وہ جو نفع دیتی ہے لوگوں کو تو وہ ٹھہر جاتی ہے رہیں

الْأَرْضِ كَذَلِكَ يَضْرِبُ اللَّهُ الْأَمْثَالَ ﴿١٤﴾ لِلَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِرَبِّهِمْ

میں اسی طرح بیان کرتا ہے خدا مثالیں ان لوگوں کے لئے جو بات مانتے ہیں

کہ اب جو وہ قرآن کو سنتے ہیں تو ان کے منہ گھلے کے کھلے رہ جاتے ہیں کہ ہمیں کیا سنایا گیا اور قرآن کیا کہتا ہے۔ چنانچہ بعض سادہ لوح فریب خوردہ لوگ اپنے عقائد کی تصحیح کی بجائے قرآن کی صحت کا انکار کرنے لگتے ہیں جس طرح خود فریب کار مولوی اپنے عقائد کی اصلاح کی بجائے قرآنی آیات کی تاویل کر لیتے ہیں چنانچہ شہر جھنگ کے ایک معزز جناب شیر افضل جعفری کہنے لگے میں نے ایک اچھے خاصے سمجھدار شیعہ سے قرآن کی تعلیم کے ترک پر اظہار افسوس کیا تو وہ کہنے لگا جعفری صاحب قرآن کو ہم کس لئے پڑھیں وہ تو ہمارے مذہب کے مخالف ہے اور خدا کی قسم ہنسنے کا نہیں بلکہ رونے کا مقام ہے کہ جس مذہب کا تسک قرآن و اہلبیت کے ساتھ ہے اس مذہب کے افراد عقائد کی درستی کی بجائے قرآن کو اپنے غلط عقائد کے خلاف پا کر اس سے دستبرداری کا اظہار کریں خدا کی قسم اس کی تمام تر ذمہ داری ان جیب تراش ملاؤں پر عائد ہوتی ہے جو اپنے لقمہ ترک کی خاطر جذبات کی رو میں قرآنی تعلیمات کے خلاف زہرا گل کر عقائد مذہب کا ستیا ناس کرتے ہیں۔

اَسْذَلُ ۱۲۲۔ اس مقام پر خداوند کریم نے حق و باطل کی وضاحت کے لئے دو مثالیں بیان کی ہیں۔ پہلی مثال یہ کہ جس طرح خدا آسمان سے پانی نازل کرتا ہے تو نہریں اپنی اپنی حیثیت سے پانی کو اپنے دامن میں لے کر بہتی ہیں اور پانی کا بہتا ہوا دھارا جھاگ کو اپنے اوپر اُجھارتا چلا جاتا ہے اسی طرح خدا نے اسلام کو بھیجا۔ پس جس کے دل و دماغ میں صلاحیت اچھی تھی تو وہ معرفت و ایقان کی منازل اچھی طرح طے کر کے آگے بڑھا اور جس کا ظرف کمزور تھا اس نے حقوٹری معرفت حاصل کی۔ بہر کیف ہر ایک نے اپنی وسعت کے مطابق اس کو قبول کیا۔ یا یہ کہ خدا نے قرآن کو اتارا تو لوگوں نے اپنے اپنے ظروف کی حیثیت سے اس کے مطالب نکالے کیا اور اسی نسبت سے شک و دہم جھاگ اور خس و خاشاک کی طرح اوپر بہتا ہوا چلا گیا۔

وَمَّا يُوقَدُ ذُنُوبُهُمْ فَيَمُوتُونَ وَيَحْيَوْنَ ۱۲۳۔ ضمیر غائب کا مرجع ما ہے اور یہ خبر مقدم ہے اور اس کا مبتدا موخر ہے۔ ذَبْدٌ

مِثْلُهُ۔ اور یہ موصوف و صفت ہیں ایضاً کا معنی جلانے کے لئے لکڑیاں ڈالنا اور ترجمہ یہ ہے کہ وہ دھاتیں

الْحُسْنٰی وَالَّذِينَ لَمْ يَسْجُدُوا لَهَا لَوْ أَنَّ لَهُمْ مَسَا فِي الْأَرْضِ

اپنے رب کی نیک جزا ہے اور جو لوگ نہیں مانتے اس کی تو اگر ان کے لئے زمین کی تمام چیزیں

جَمِيعًا وَمِثْلَهُ مَعَهُ لَافْتَدَا بِهِ ط أَوْلَاكَ لَمَسُوهُ الْجِبَابُ

ملکت میں ہوں اور اتنا اور بھی ساتھ مل جائے تو سب کو اپنے غضب کا فدیہ دینے کے لئے تیار ہو جائیں گے۔ ایسے

وَمَا لَهُمْ جَهَنَّمَ ط وَبِئْسَ الْيَمَادٌ ﴿۱۸﴾ ع

لوگوں کا حساب سخت ہو گا اور ان کا ٹھکانا جہنم ہو گا اور وہ بری جائے قیام ہے

سونا چاندی وغیرہ جن پر لکڑیاں ڈالتے ہو پگھلانے کے لئے آگ میں زلیور یا گھریلو سامان برتن وغیرہ بنانے کے لئے ان پر بھی پانی کی طرح جھاگ یعنی روی مادہ اُبھر آتا ہے۔ اِسْتِغَاثٌ مصدر ہے لیکن اسم فاعل مبتغین کے معنی میں یُوْقَدُونَ سے حال واقع ہے اور یہ دوسری مثال ہے کہ حق قرآن اور اسلام کو سونے سے تشبیہ دی گئی ہے اور آگ پر پگھلانے کے بعد اوپر اُبھرنے والے روی مادہ کو شکوک و شبہات سے تشبیہ دی گئی ہے۔

فَأَمَّا السَّابِغَةُ ط پس جس طرح پانی کے اوپر کی جھاگ اور دھاتوں سے الگ ہونے والے روی مواد نیست و

نابود ہو جاتے ہیں اور لفع مند چیزیں زمین میں یا کھالی میں بٹھرتی ہیں اسی طرح حق قرآن اور اسلام مومنوں کے دلوں میں بٹھرتے ہیں اور شکوک و شبہات کی جھاگ اور میل کچیل ختم اور نیست و نابود ہو جاتی ہے۔

تفسیر مجمع البیان میں قتادہ سے منقول ہے کہ خداوند کریم نے اس مقام پر ایک ضرب المثل میں تین مثالیں جمع

فرمائی ہیں (۱) نزول قرآن کو آسمان سے نازل ہونے والے پانی سے تشبیہ دی ہے اور دلوں کو وادیوں اور نہروں سے

مشابہ قرار دیا۔ پس جو اس کے معانی میں تفکر و تدبیر زیادہ کرے وہ معرفت و ایقان کی دولت اپنے اندر زیادہ جمع کر لیتا

ہے۔ جس طرح بڑی نہر کے اندر زیادہ پانی جگ لیتا ہے اور جو شخص حق کی اجمالی تصدیق پر راضی ہو کر بیٹھ جائے۔ اور

تحقیق و تدقیق کی قوت کو آگے بڑھنے کے لئے استعمال نہ کرے تو اس کی مثال چھوٹی نہر کی ہے جس کے اندر تھوڑا

پانی سماتا ہے (۲) خیالات فاسدہ اور وساوس شیطانیہ کو پانی کے اوپر جانے والی جھاگ سے تشبیہ دی ہے اور یہ

جھاگ مٹی کے خبیث اور روی مادہ کی بدولت ہوتی ہے نہ کہ پانی اس کو اپنے ساتھ لانا ہے۔ اسی طرح قرآن کے

نزول سے جمود اور نفس میں شکوک و شبہات اور وساوس پیدا ہونے ہیں وہ نفوس انسا ز اور قاب بشریہ کی وجہ

سے ہوتے ہیں نہ کہ قرآن و حق میں ان کا وجود ہوتا ہے۔ پس جس طرح پانی کے اوپر آنے والی جھاگ ایک وقت کے

بعد ختم اور باطل ہو جاتی ہے اور پانی صاف و شفاف رہ جاتا ہے اسی طرح یہ شکوک و شبہات بھی باطل ہو جاتے ہیں

اور دل میں حق اور ایمان خالص رہ جاتا ہے۔

أَفَمَنْ يَعْلَمُ أَنَّمَا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ الْحَقُّ كَمَنْ هُوَ

کیا وہ جو جانتا ہے کہ تیرے اوپر جو اتری ہے تیرے رب کی جانب سے حق ہے مثل اس کے ہو سکتا ہے جو اندھا

أَعْمَىٰ إِنَّمَا تَذَكَّرُ أُولَٰئِكَ ۙ (۱۹) الَّذِينَ يُوَفُّونَ

ہو ہیں صاحبان عقل ہی نصیحت لیتے ہیں جو اللہ کے ساتھ کئے

بِعَهْدِ اللَّهِ وَلَا يَتَّقُونَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ۖ (۲۰) وَالَّذِينَ يَصِلُونَ مَا

ہوئے وعدوں کی وفا کرتے ہیں اور نہیں توڑتے عہد کو اور وہ جو بلاتے ہیں اس کو جس کے ملائے

۱۹) حق کو سونے یا چاندی سے تشبیہ دی ہے جس سے زیور یا برتن بنتے ہیں۔ پس آگ میں ڈالنے سے پانی کی جھاگ کی طرح اس سے بھی خبیث اور رومی مادہ خارج ہو جاتا ہے۔ پس کفر اس رومی مادہ سے مشابہ ہے اور ایمان و حق جو ہر خالص سے مشابہ ہے۔ جو دلوں میں گھر کر لیتا ہے۔

گویا مومن کے صاف دل پر جب قرآن اترتا ہے تو وہ جگہ بنا لیتا ہے اور فائدہ دیتا ہے جس طرح پانی زمین کو آبا د کرتا ہے اور کافر کے خبیث قلب پر قرآن کی وجہ سے شکوک ابھرتے ہیں جس طرح پانی پر جھاگ ہوتی ہے۔ پس جس طرح جھاگ غیر مفید ہے اسی طرح کافر کے لئے شکوک و شبہات غیر مفید ہیں اور بروایت احتجاج طبرسی حضرت امیر علیہ السلام سے مروی ہے کفار و ملحدین کے اعتراضات جھاگ کی طرح ہیں جو تحقیق کی طاقت سے حریف غلط کی طرح مٹ جاتے ہیں جس طرح پانی کی جھاگ کو ہوا مٹا دیتی ہے اور قرآن و حق قلوب صافیہ میں معرفت و عرفان کی پیداوار بڑھاتے ہیں جس طرح پانی زمین کو آبادی کا موقع دیتا ہے۔

لِلَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِرَبِّهِمْ ۚ لَبُؤُا۟ لِبَعْضِ الْمَفْسُرِينَ ۚ اس کو جملہ مستنطق مانتے ہیں اور بعض اس کو پہلی آیت سے متصل قرار دیتے ہیں کیونکہ اس جگہ بھی مقصد یہ ہے کہ جو لوگ اللہ کی دعوت پر لبیک کہتے ہیں ان کے لئے جنت ہے۔ جس طرح سابق مثال میں خالص پانی اور خالص سونا فائدہ مند ہوتا ہے اور جو لوگ اللہ کی دعوت کو قبول نہیں کرتے تو بروز محشر ان پر جو عذاب آئے گا اگر وہ پوری روئے زمین کے مالک ہو جائیں اور اسی قدر اور ملکیت بھی ان کے پاس ہو تو عذاب سے بچنے کے لئے وہ سب کی سب فدیہ ادا کرنے کے لئے تیار ہوں گے لیکن اس وقت یہ چارہ جوئی فائدہ مند نہ ہوگی اور ان کو جہنم کی بھٹی میں دھکیل دیا جائے گا جس طرح سابق مثال میں جھاگ اور مادہ فاسد کوئی فائدہ نہیں دیا کرتا۔

۲۰) أَفَمَنْ يَعْلَمُ مقصد یہ ہے کہ عالم اور جاہل برابر نہیں۔ امام محمد باقر علیہ السلام سے اس کی تاویل یہ منقول ہے کہ علیؑ اور اس کا غیر برابر نہیں پس تاقیامت مومن و منافق برابر نہیں۔ مسلم و کافر

رکوع ۹

أَمَرَ اللَّهُ بِهِ أَنْ يُؤْصَلَ وَيَخْشُونَ رَبَّهُمْ وَيَخَافُونَ

کا اللہ نے حکم دیا ہے اور ڈرتے ہیں اپنے رب سے اور ڈرتے ہیں سخت

سُوءِ الْحِسَابِ ۝ وَالَّذِينَ صَبَرُوا ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ

حساب سے اور جنہوں نے صبر کیا اپنے رب کی رضا مندی کے لئے اور

وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَأَنفَقُوا مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ سِرًّا وَعَلَانِيَةً يَدْرُونَ

قائم کیا نماز کو اور خرچ کیا اُس سے جو ہم نے ان کو رزق دیا چھپ کر اور ظاہر اور دہرتے ہیں

برابر نہیں۔ اور تفسیر برہان میں اولوالالباب سے شیعیان علی مراد لئے گئے ہیں اور امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ ایک گھنٹہ کا تفکر ایک سال کی عبادت سے افضل ہے۔ چنانچہ خدا فرماتا ہے کہ اولوالالباب ہی تفکر کرتے ہیں۔

وَالَّذِينَ يُؤْفُسُونَ ۝ تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ خدا نے اپنے بندوں سے دو طرح

وفائے عہد اور صلہ رحمی کے عہد لئے ہیں۔ ایک عہد عقلی اور دوسرا عہد شرعی۔ پس عہد عقلی یہ ہے کہ خدا نے

چونکہ عقل کو رسول باطنی قرار دیا ہے اور اس کا تقاضا یہ ہے کہ اپنے محسن و خالق و مالک کی ہر طرح اطاعت کر کے

اس کی خوشنودی حاصل کی جائے اور عہد شرعی یہ ہے کہ نبی بھیج کر تمام حجت ہو چکا ہے اور تمام ایمان والوں سے

نبی نے اپنی اطاعت کا عہد لیا ہے کہ اس کے اوامر کی اتباع کریں گے۔ اور اس کے نواہی سے اجتناب کریں گے اور

اس آیت مجیدہ کی تاویل آل محمد کے حق میں ہے۔ چنانچہ تفسیر برہان میں معصوم سے مروی ہے کہ عہد سے مراد وہ عہد

ہے جو عالم ذر میں حضرت امیر علیہ السلام کی ولادت کے متعلق کیا گیا تھا۔ پس اللہ نے عالم ذر میں عہد لیا تھا اور جناب

رسالت مآب نے غدیر کے دن اسی عہد کی تجدید کی تھی اور اس عہد کو نہ توڑنے کی تاکید کی گئی۔ چنانچہ بعد میں میثاق کا

تکرار بھی تاکید کے لئے ہے۔ حالانکہ ضمیر غائب سے مقصد پورا ہو سکتا تھا۔

وَالَّذِينَ يَصِلُونَ ۝ یعنی وہ صلہ رحمی کرتے ہیں جہاں اللہ نے صلہ رحمی کا حکم دیا ہے اور اہل بیت اطہار سے

روایات متواترہ منقول ہیں کہ اس مقام پر آل محمد کی صلہ رحمی مقصود ہے اور امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا۔ خبردار!

یہ نہ سمجھو کہ آل محمد کو صلہ رحمی کے بعد اپنی قرابت سے صلہ رحمی کی ضرورت نہیں بلکہ آل محمد سے بھی صلہ رحمی کرو اور

اپنی قرابت سے بھی قطع رحمی نہ کرو۔ نیز قرابت داروں کے علاوہ تمام مومنین کو ایک دوسرے سے صلہ رحمی کرنا چاہیے

تاکہ ایک دوسرے کے دکھ سکھ میں ہمدردی اور مواسات کو ضروری قرار دیں۔

تفسیر مجمع البیان اور دیگر کتب حدیث و تفسیر میں مروی ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے بوقت وفات

ستر دینار کی قبیلہ حسن بن حسین بن علی بن حسین کی طرف بھیجی یہ آپ کا چچا زاد تھا افسس کے لقب سے مشہور تھا۔ ایک

بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةِ أُولَٰئِكَ لَهُمْ عَقَبَى الدَّارِ ﴿۲۲﴾ جَنَّتْ

نیکی کے ذریعہ سے برائی کو ان کا انجام جنت کا گھر ہوگا ہمیشہ کے

عَدْنٍ يَدْخُلُونَهَا وَمَنْ صَلَحَ مِنْ آبَائِهِمْ وَأَزْوَاجِهِمْ

باغات جن میں وہ داخل ہوں گے اور ان کے نیک بزرگ اور ان کے

وَذُرِّيَّتِهِمْ وَالْمَلَائِكَةُ يَدْخُلُونَ عَلَيْهِمْ مِنْ كُلِّ

اور اولاد اور فرشتے ان پر داخل ہوں گے ہر دروازہ سے

کیز لے عرض کی کہ حضور وہ تو آپ کو اچھا نہیں سمجھتا پس آپ نے قرآن مجید کی یہ آیت پڑھ کر اس کو خاموش کر دیا بروایت سماء آپ نے فرمایا۔ زکوٰۃ کے علاوہ صلہ رحمی بھی انسان کے مال میں فرض و واجب ہے اور جس شخص نے اپنے فرائض ادا کر دیئے۔ اس کا حق ادا ہو گیا (برہان) نیز آپ سے مروی ہے کہ صلہ رحمی مال کو بڑھاتی ہے اعمال کا تزکیہ کرتی ہے حساب قیامت کو آسان کرتی ہے۔ مصیبت کو دور کرتی ہے اور عمر کو بڑھاتی ہے۔ ایک روایت میں جناب رسالت مآب سے منقول ہے والدین سے نیکی کرنا اور صلہ رحمی کرنا حساب آخرت کی منزل کو آسان کریں گے۔

سُوْرَةُ الْحَسَابِ ۱۲۔ اس کے کئی معانی بیان کئے گئے ہیں۔

۱۔ حساب میں باریکی کرنا اور ذرہ ذرہ کا حساب لینا۔ اور اس کا ترجمہ ہم نے سخت حساب کیا ہے اور آئمہ کبیروں سے مومنوں کو سخت حساب سے باہمی معاملات میں منع کیا گیا ہے۔ چنانچہ تفسیر برہان و مجمع البیان میں ہے ایک شخص نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے ایک آدمی کی شکایت کی۔ چنانچہ اتفاق سے وہ بھی اسی وقت آن پہنچا پس آپ نے اس سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ یہ شخص تیرا شکوہ کر رہا ہے اس نے جواب میں عرض کی حضور! میں نے اس پر زیادتی کوئی نہیں کی بلکہ اپنا لین دین کا حساب اس سے لیا ہے البتہ حساب میں کسی چیز سے درگزر نہیں کیا گیا بلکہ میں نے کوڑی کوڑی کا حساب لیا ہے یہ سنتے ہی امام عالی مقام کا چہرہ غصہ سے تلملا اٹھا سیدھے ہو بیٹھے اور ارشاد فرمایا کیا تو یہ سمجھتا ہے کہ تو نے کوڑی کوڑی کا حساب لے کر کوئی بُرا نہیں کیا۔ خداوند کریم اسی کو قرآن مجید میں سوچنا سے تعبیر فرما رہا ہے۔ پس جس نے اپنے مومن بھائی سے اس طرح حساب لیا گویا اس نے اس کے ساتھ بُرا کیا۔ پس مومن کے ساتھ مومن کا سلوک یہ ہونا چاہیے کہ اپنے حق سے کچھ نہ کچھ تسامح اور درگزر کر لے تو بہتر ہے تاکہ سخت حساب کی بجائے نرم حساب کا پہلو ہو جائے۔

۲۔ کافروں سے سوچنا حساب یہ بھی ہوگا کہ ان کی نیکیاں قابل جزا نہ ہوں گی اور بُرائی کوئی بھی معاف نہ ہوگی۔

بَاب ۲۳ سَلَّمَ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ

وَبِهِ كُنْتُمْ هَوْتُمْ، کہ تم پر سلام ہو کہ تم نے صبر کیا ہے پس ان کا

عُقْبَى الدَّارِ ۲۴

جنت کا گھر بہترین انجام ہوگا

۱۳۔ ممکن ہے برے حساب سے مراد بُرا ٹھکانہ ہو گیا مجاز مرسل کے طریقہ سے جزا کو حساب سے تعبیر کیا گیا ہے۔
وَالَّذِينَ صَبَرُوا یعنی اپنے اوپر آنے والے مصائب میں صبر و تحمل کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا اور جن جن چیزوں سے خدا نے منع فرمایا تو صبر و ضبط سے کام لے کر اپنے نفس کو حلال پر صابر و شاکر رکھا نیز جن چیزوں کا خالنے حکم دیا ان کی بجا آوری میں صبر و استقلال اور ثبات قدمی کا مظاہرہ کیا اور یہ سب کچھ رضائے پروردگار کی خاطر کیا کوئی دوسری غرض ملحوظ خاطر نہ تھی۔ یہ یاد رہے کہ نیت خیر سے کار خیر قابل تعریف ہوتا ہے ورنہ اگر نیت فاسدہ سے کار خیر سرزد ہو تو وہ لائق مذمت و نفرین بن جاتا ہے۔ مثلاً ایک فقیر و مسکین لاوارث عورت پر نیت خیر سے قربت الی اللہ خرچ کرنا موجب ثواب ہے لیکن اسی کار خیر میں اگر نیت یہ ہو کہ وہ زنا میں میرا ساتھ دے گی تو ایسی صورت میں اس کا یہ خرچ کرنا قابل مذمت و باعث گناہ ہوگا۔

تفسیر برہان میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ ہم صابر ہیں لیکن ہمارے شیعہ زیادہ صابر ہیں کیونکہ ہم نے صبر کیا اپنے علم کے ماتحت اور ہمارے شیعہ جو صبر کرتے ہیں وہ صرف ہماری اطاعت کیلئے ہے بخلاف ان کو اس کا علم نہیں ہوتا۔

اصبح بن نباتہ سے مروی ہے کہ حضرت امیر علیہ السلام نے فرمایا۔ صبر کی دو قسمیں ہیں ایک مصیبت پر صبر کرنا اور یہ صبر حسن اور جمیل ہے یعنی اچھا ہے لیکن اس سے زیادہ اچھا ہے وہ صبر جو اللہ کی حرام کردہ چیزوں سے عمل میں لایا جائے۔ اسی طرح ذکر بھی دو قسم کے ہیں ایک مصیبت کے وقت اللہ کا ذکر اور اس سے افضل ہے حرام چیز سے بچنے کے لئے اللہ کو یاد کرنا۔

ایک حدیث میں حضرت امیر علیہ السلام جناب رسالت مآب سے نقل فرماتے ہیں کہ آپ نے فرمایا صبر کی تین قسمیں ہیں (۱) صبر مصیبت پر (۲) صبر اطاعت پر (۳) صبر گناہ سے۔ پس جو مصیبت پر صبر کرے اور دل میں سکون پیدا کرے تو اس کو تین سو درجہ کی بلندی نصیب ہوگی کہ ہر دو درجہ کے درمیان زمین و آسمان کا فاصلہ ہوگا اور جو اطاعت پر صبر کرے اس کو چھ سو درجہ عطا ہوں گے کہ دو درجوں کے درمیان تخت الثریٰ سے عرش علامت کا فاصلہ ہوگا اور جو گناہ سے صبر کرے گا اس کو نو سو درجہ عطا ہوں گے کہ دو درجوں کے درمیان کا فاصلہ

اتنا ہوگا جو امکان کی آخری حد ہے۔

ایک روایت میں امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر مومن اپنی مصیبت پر صبر کرے تو اس کے لئے ایک ہزار شہید کا ثواب ہوگا۔

آپ سے مروی ہے کہ قبر میں نماز مومن کے دائیں زکوٰۃ بائیں اور نیکی و احسان اور سایہ فگن ہوگی تو صبر ایک گوشہ میں ہوگا جب فرشتے سوال و جواب کے لئے آئیں گے تو صبر کہے گا اے نماز زکوٰۃ اور مومن کی نیکیاں تم جو اب دو جہاں تم عاجز آؤ گے تو میں کافی ہوں گا۔ اسی بنا پر تو ہے کہ جب فرشتے مومنوں کو جنت کی مبارک باد کے لئے آئیں گے تو کہیں گے تم پر سلامتی ہے کہ تم نے صبر کیا تھا۔ پس اس کا انجام یہ ہے کہ اب بہترین گھر میں تم آباد ہو۔

وَيَذُرُونُ - اس کے تین معانی کئے گئے، اگر انسان سے کوئی برائی سرزد ہو جائے تو ساتھ ساتھ کوئی نیکی کر دے تاکہ وہ اس برائی کے انجام بد کے لئے سد راہ ہو جائے (۲) مقصد یہ ہے کہ اگر کوئی آدمی برا سلوک کرے تو اس کی برائی کا بدلہ اپنی جانب سے حسن سلوک کے ساتھ کرے گویا اس کے شر کو اپنی خیر سے دُور کرے (۳) گناہ کے بعد توبہ کر کے اس کی عقوبت سے محفوظ رہے اور اس مقام پر یہ سب معانی مراد لئے جاسکتے ہیں۔

اُولٰٓئِكَ - یعنی وہ لوگ جن میں یہ اوصاف پائے جائیں جو ابھی شمار کئے جا چکے ہیں (۱) عہد خداوندی کی وفا کرنا (۲) صلہ رحمی کرنا (۳) خوفِ خدا (۴) خوفِ یومِ الحساب (۵) گناہوں سے صبر کرنا اور عبادت پر ثابت رہنا اور مصائب پر صابر رہنا (۶) نماز قائم کرنا (۷) راہِ خدا میں خرچ کرنا (۸) برائی کو نیکی کر کے مٹانا یا توبہ کرنا۔ انہی اوصاف والے لوگ قرآنی اصطلاح میں اولوالالباب یعنی دانشمند شمار ہوتے ہیں۔

وَمَنْ صَلَحَ - یعنی خدا جنت میں مومن کے کمال سرور کے لئے اس کے نیک و مومن والدین اور بیوی بچوں کو یکجا کر دے گا تاکہ ان کے سب ارمان پورے ہو جائیں۔

اَمْرًا وَاٰجِهَةً - تفسیر صافی میں بروایت عیاشی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے آپ سے سوال کیا گیا کہ عورت و مرد جب دونو مومن ہوں تو کیا جنت میں وہ ایک دوسرے کے ساتھ ہوں گے آپ نے فرمایا خدا حاکم عادل ہے اگر مرد کا درجہ بلند ہوگا تو اس کو اختیار دیا جائے گا اگر وہ چاہے گا تو وہ عورت اس کو عطا کی جائے گی لیکن اگر عورت کا درجہ بلند ہوگا تو عورت کو اختیار دیا جائے گا پس وہ چاہے گی تو وہ مرد اس کو ملے گا اور بروایت خصال حضرت ام سلمہ سے مروی ہے اُس نے حضور رسالت مآب سے دریافت کیا کہ جس عورت کے دو شوہر ہوں۔ اگر عورت اور اس کے دو شوہر اہل جنت سے ہوں تو پھر وہ عورت کس شوہر کے پاس جائے گی تو آپ نے فرمایا عورت کو اختیار دیا جائے گا پس وہ ان دونوں میں سے اس کو اختیار کرے گی جو اخلاق میں اچھا ہوگا۔ اے ام سلمہ! حسن خلق دنیا و آخرت کی خیر و خوبی حاصل کر لیتا ہے۔

میں کُلِّ بَابُ ۱۲۔ بروایت کافی امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جناب رسالت مآب نے ایک طویل حدیث میں ایک جنتی مومن کی خوشحالی بیان فرمائی کہ پھر خدا ایک ہزار فرشتے کو مومن کی مبارکبادی کے لئے بھیجے گا۔ جو اسے جنت کی مبارک دیں گے اور حور جنت سے اس کی شادی رچائیں گے۔ چنانچہ وہ فرشتے جنت کے پہلے دروازہ پر پہنچ کر دربان فرشتے سے مومن کی ملاقات کی درخواست کریں گے کہ ہمارے لئے اللہ کے دوست سے اجازت طلب کر دو کیونکہ ہم کو خدا نے تہنیت و مبارک باد کے لئے بھیجا ہے وہ کہے گا کہ میں ابھی سنتری فرشتے کو خبردار کرتا ہوں تاکہ تمہاری اطلاع اندر مومن تک پہنچائے۔ اس دربان فرشتے سے سنتری فرشتے تک تین جنتوں کا نام لیا ہے پس اگلے دروازہ پر جا کر یہ اس کو خبر دے گا کہ اللہ کی جانب سے ایک ہزار فرشتے مبارکباد کے لئے پہلے دروازہ سے باہر و انار کی اجازت چاہتا ہے تو وہ سنتری اگلے دروازہ کے چوکیدار کو اطلاع دے گا کہ اس سنتری اور اس چوکیدار کے درمیان دو جنتوں کا نام لیا ہے۔ پس چوکیدار اس مومن کے مخصوص رہائش گاہ کے دروازہ کے ملازمین کو اطلاع دے گا کہ اللہ کی جانب سے ایک ہزار فرشتے اللہ کے دوست کو مبارکباد کے لئے دروازہ پر اجازت کے خواہاں ہیں۔ پس وہ ملازمین مومن سے اجازت لے کر باہر اطلاع بھیجیں گے اس وقت وہ ایک عالیشان محل میں ہو گا جس کے ہزار دروازے ہوں گے۔ اور ہر دروازہ پر ایک مخصوص فرشتہ تعینات ہو گا۔ پس تہنیت کرنے والوں کو اجازت ملے گی تو یہ فرشتے محل کے سب دروازے کھول کر کھڑے ہوں گے اور وہ فرشتے ایک ایک ہو کر ایک ایک دروازہ سے گذر کے مومن کے پاس پروردگار کی جانب سے پیغام و سلام پہنچائیں گے اور مبارکباد پیش کریں گے۔ چنانچہ فرماتا ہے کہ فرشتے ہر دروازہ سے داخل ہو کر سلام کہیں گے کہ یہ تیرا انعام اس لئے ہے کہ تو نے صبر کیا اور یہ جنت کا گھر تیرا اچھا انجام ہے۔

وَالَّذِينَ يَبْتَغُونَ^{۱۳}۔ ویسے تو ہر عہد پر خداوندی کو توڑنے والے اور قطع رحمی کرنے والے اور فساد پیا کرنے والے آیت مجیدہ کے ہر دور میں مصداق بنتے رہے اور بنتے رہیں گے۔ کیونکہ قرآن مجید کی آیات تاقیامت زندہ ہیں اور ان کے مصداق تاقیامت پیدا ہوتے رہیں گے۔ لیکن اس آیت مجیدہ کے مصداق اولیٰ وہ لوگ ہیں جنہوں نے خدا سے کئے ہوئے عہد و پیمانہ کو اس کے رسول کے سامنے تجدید عہد کرنے کے بعد دنیاوی و ظاہری فانی اقتدار کی خاطر توڑ دیا۔ اور اسلام میں فساد کی تخم ریزی کر کے ہمیشہ کے لئے اختلاف و انتشار کا سامان مہیا کیا اور یہ عہد ایک ایک سے تنہا نہیں تھا اور کسی بند مکان میں نہیں تھا بلکہ ایک لاکھ بیس ہزار حاجیوں کے مجمع میں غدیر کے کھلے میدان میں تھا اور صرف علی کی خلافت کا عہد زبانی نہیں تھا بلکہ عملی طور پر بیعت بھی ہوئی اور بیخ کی صدائیں بھی نضائے آسمانی میں ایک وقت تک گونجتی رہیں۔ لیکن خدا کی قسم دل لرزتا ہے کلیجہ منہ کو آتا ہے۔ ہاتھ کانپتے ہیں آنکھیں فرط غم سے ڈبڈب جاتی ہیں اور قلم تھرتا ہے کیسے لکھوں اور کیا لکھوں کہ غدیر میں عہد کرنے والی زبانیں کیونکر انحراف پر مائل ہوئیں۔ بیخ کا کلمہ کیوں کہ فراموش ہوا اور

وَالَّذِينَ يَنْقُضُونَ عَهْدَ اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مِيثَاقِهِ وَيَقْطَعُونَ

اور وہ لوگ جو توڑتے ہیں اللہ کے عہد کو بعد پکا کرنے کے اور توڑتے ہیں جس

مَا أَمَرَ اللَّهُ بِهِ أَنْ يُوصَلَ وَيُفِيدُونَ فِي الْأَرْضِ أَوْلِيَاءَ

کا حکم دیا ہے اللہ نے ملانے کا اور فائدہ کرتے ہیں زمین میں ایسے لوگوں

لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوءُ الدَّارِ ۝۲۵ ۝ اللَّهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ

کے لئے لعنت ہے اور ان کے لئے برا گھر (جہنم) ہے اللہ کھلا دیتا ہے رزق جسے چاہے

لِشَاءٍ وَيَقْدِرُ وَفَرِحُوا بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا

اور تنگ دیتا ہے (جسے چاہے) خوش ہو گئے (کشاہدہ رزق والے) دنیاوی زندگی پر حالانکہ دنیاوی زندگی

بیعت کرنے والے ہاتھ کیسے بیعت لینے کے لئے بڑھے۔ اس داستانِ غم کو بیان کرنے سے زبان پر مہر سکوت ہی چلی ہے

بس جو ہوا جس طرح ہوا اور جس لئے ہوا اور اسی تاریخ میں اس دھاندلی کا خباہت تک موجود ہے وہ آتشِ حسد جس کا

دھواں کبھی علی و بتول کے دروازہ سے اٹھا اور کبھی محذرت آل محمد کے خیموں میں شعلوں کی شکل اختیار کر گیا اس کا دبا یا ہوا

خاکستراں تک اموی تاریخ ساز تحریرات کی سیاہیوں میں موجود ہے جو کبھی کبھار چنگاریوں کی شکل میں ابھر کر مشتعل ہونے

کی کوشش کرتا ہے ہم نے عہدِ غدیر اور ولی عہدِ امیر اور اس کا رد عمل تفسیر کی پانچویں جلد میں مفصل بیان کیا ہے۔

وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ أَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِي أَصْحَابِ الرَّسُولِ الْكَافِرِينَ ۝۲۶ ۝

کہنے والے کافر لوگ کہتے ہیں کہ اگر ہم سنے یا سمجھتے تو ہمارے ساتھ رسولِ کافر نہ ہوتے۔

رکوع نمبر ۱ | نہیں نازل ہوتا حالانکہ وہ بیسیوں معجزے آپ سے ملاحظہ کر چکے تھے اور خود ہی قرآن ہی کلامِ جبروتِ معجزہ

ہے جس کا مقابلہ کرنا کسی انسان کے مقدر میں نہیں ہے لیکن وہ لوگ ازراہ عنادِ خواہ مخواہ آپ کو ستانے اور مسلمانوں کو دکھ

دینے کے لئے مجاہدانہ دستور کو دہراتے ہوئے کہہ دیا کرتے تھے کہ کوئی معجزہ دکھاؤ۔ چونکہ ان کا سوال صرف معاندانہ تھا۔

اس لئے اس کے جواب سے اعراض کیا گیا اور ارشاد فرمایا کہ ہدایت اور گمراہی کے دونوں راستے تمہارے سامنے ہیں جو جس

طرف کو جانا چاہے کسی کو مجبور نہیں کیا جاسکتا۔ آیت مجیدہ میں ہدایت اور گمراہی کی اللہ کی طرف نسبت اس لئے ہے کہ قبولی

کرنے اور نہ کرنے کی بنیادی طاقتیں اس کی عطا کردہ ہیں۔ اگرچہ وہ قبول کرنے یا نہ کرنے میں خود مختار ہیں اور تفسیر کی

دوسری جلد میں ہم وضاحت سے بیان کر چکے ہیں۔

الَّذِينَ آمَنُوا - اس کی ترکیب دو طرح سے ہو سکتی ہے۔

فِي الْآخِرَةِ الْآمَتَاعُ ○ ع وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا

آخرت کے مقابلہ میں عارضی فائدہ ہے اور کافر کہتے ہیں کیوں نہیں نازل کیا گیا اس پر معجزہ

أَنْزَلَ عَلَيْهِ آيَةً مِنْ رَبِّهِ ط قُلْ إِنْ اللَّهُ يُضِلُّ مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي

اپنے رب کی طرف سے کہہ دو تحقیق اللہ گمراہی میں رکھتا ہے جسے چاہے اور ہدایت پر

إِلَيْهِ مِنْ آثَابٍ ۝۲۷ الَّذِينَ آمَنُوا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوبُهُمْ

لاتا ہے ان کو جو رجوع کریں وہ جو ایمان لائیں اور مطمئن ہوں ان کے دل

بِذِكْرِ اللَّهِ أَكْبَدُ كَرِ اللَّهُ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ ۝۲۸ الَّذِينَ آمَنُوا

کے ذکر کے ساتھ آگاہ ہو اللہ کے ذکر سے دل مطمئن ہو جاتے ہیں وہ لوگ جو ایمان لائیں

را، محلاً منصوب ہے مِنْ آثَابٍ سے بدل ہے اور يَهْدِي کا مفعول ہے یعنی ہدایت کرتا ہے ان کو جو رجوع کریں یعنی جو ایمان لائیں اور ان کے دل اللہ کے ذکر سے ساکن و مطمئن ہوں۔

۲۷ محلاً مرفوع ہے کیونکہ مبتداً مبدل منہ ہے اور بعد والَا الْكُفْرَانِ۔ اس سے بدل ہے پس طُوبَى لِلْمُهْدَى اس کی خبر ہے اور اس صورت میں الْاِبْدِ كَرِ اللَّهُ الخ جملہ معترضہ ہے۔

بِذِكْرِ اللَّهِ۔ اس مقام پر ذکر سے مراد یاد کرنا اور دل میں اس کے انعامات و اکرامات کا تصور کرنا ہے۔ یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہاں فرماتا ہے کہ اللہ کے ذکر سے دل مطمئن ہوتے ہیں اور دوسرے مقام پر مومنوں کی تعریف میں فرماتا ہے اِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَّتْ قُلُوبُهُمْ۔ یعنی جب اللہ کا ذکر ہو تو ان کے دل دہل جائیں اور کانپ اٹھیں تو کیا یہ دونوں آیتوں کے مفہوم میں منافات نہیں ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ دونوں مقامات پر مفہوم الگ الگ ہے کیونکہ اس جگہ مقصد یہ ہے کہ جب مومن اللہ کی نعمتیں کرامتیں اور بے پایاں احسانات دیکھتا ہے تو طبیعت میں اطمینان و سکون پیدا ہوتا ہے اور دوسرے مقام پر مقصد یہ ہے کہ مومن جب اللہ کا رعب و جلال اور اس کی ہیبت و سطوت کی طرف نظر اٹھاتا ہے تو اس کا دل کانپ اٹھتا ہے اور مومن ہرتا ہی وہی ہے جس کا ایمان خوف اور رجا کے درمیان ہو۔ پس دونوں آیتوں میں کوئی باہمی منافات نہیں ہے۔

تفسیر صافی و برہان میں عیاشی سے منقول ہے کہ حضرت محمد مصطفیٰ اللہ کے ذکر اور حجاب میں اور ان کے ساتھ ایمان والے مطمئن ہیں اور روایات اہل بیت میں ہے کہ آیت مجیدہ میں الَّذِينَ آمَنُوا۔ سے مراد شیعہ ہیں اور ذکر

وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ طُوبَىٰ لَهُمْ وَحَسَنَ مَاٰبٍ ﴿۲۹﴾ كَذٰلِكَ

اور عمل صالح کریں تو ان کے لئے طوبیٰ ہے اور اچھی بازگشت ہے اسی طرح ہم

اَرْسَلْنَاكَ فِيْٓ اُمَّةٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهَا اُمَمٌ لَّا تَشْكُرُوْنَ

نے تجھے بھیجا ایک اُمت میں کہ تحقیق گذر چکیں اس سے پہلے اور اُمّتیں تاکہ تو تملوت کرے

سے مراد علی اور اس کی اولاد ائمہ طاہرین علیہم السلام ہیں اور قرآن مجید میں ایک مقام پر ذِکْرُ اَسْوَلِہٖ اَلْحٰی اَلْمَوْتِ کی لفظ بھی ان روایات کی تائید کرتی ہے گویا آیت مجیدہ کا ظاہر وہ تھا جو پہلے بیان کیا گیا ہے اور باطن اور تاویل یہ ہے کہ تقسیم قیامت محمد و آل محمد کے بعد دیگرے اللہ کا ذکر ہے جو تمسک پکڑنے والوں کے لئے باعث سکون و اطمینان ہیں۔

طُوبٰی لَہُمُ۔ طُوبٰی کے متعدد معانی کئے گئے ہیں اور سب کا مآل یہ ہے کہ اس کا انعام جنت ہو گا۔ روایات اہلبیت میں ہے کہ طُوبٰی جنت میں ایک درخت ہے جس کی اصل حضرت امیر علیہ السلام کے گھر میں ہے اور ہشیمہ کے گھر میں اس کی شاخ پہنچے گی اور اس کے ایک ایک پتہ کے نیچے ایک پوری امت سما سکے گی۔ مروی ہے کہ حضرت رسالت مآبؐ اپنی دختر نیک اختر کو بہت پیار کرتے تھے چنانچہ عائشہ کو یہ بات گوارا نہ ہوئی۔ آپؐ نے فرمایا۔ اے عائشہ شب معراج جب میں جنت میں داخل ہوا تو مجھے جبریلؑ طُوبٰی کے قریب لے گیا اور اس کا پھل مجھے دیا جو میں نے کھالیا اور وہ میری پشت میں جو ہر تخلیق بنا۔ پس زمین پر پہنچ کر میں خدیجہ سے ہمبستر ہوا تو وہ جو ہر خدیجہ کے شکم میں منتقل ہوا اور جناب فاطمہ پیدا ہوئی۔ پس جب بھی میں فاطمہ کو پیار کرتا ہوں تو شجرہ طُوبٰی کی خوشبو محسوس کرتا ہوں۔

ایک روایت میں ہے کہ اگر پرندہ سات سو برس پرواز کرتا رہے اس کی اصل کے گرد گھوم نہ سکے گا اور ہر سختی کے گھر میں اس کی شاخ ہوگی۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا۔ اس شخص کے لئے طُوبٰی ہے جس نے ہمارے نائب کے زمانہ میں ہماری دلا سے تمسک پکڑا اور اُس پر ثابت قدم رہا۔

بروایت کافی امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام نے فرمایا۔ دین والوں کی کئی علامتیں ہیں جن سے وہ پہچانے جاتے ہیں۔ سچ بولنا۔ امانت کا ادا کرنا۔ عہد کی وفا کرنا۔ صلہ رحمی کرنا۔ کمزوروں پر رحم کرنا۔ عورتوں کی بات کم ماننا۔ لوگوں سے اچھا برتاؤ کرنا۔ خوش خلقی۔ حلم و حوصلہ۔ علم کی اتباع کرنا اور ہر وہ کام کرنا جو اللہ کے قرب کا باعث ہو ان کے لئے طُوبٰی ہوگا اور طُوبٰی جنت میں ایک درخت ہے جس کی اصل نبی علیہ السلام کے گھر میں ہے اور ہر مومن کے گھر میں اس کی ایک شاخ ہے۔ پس مومن جس چیز کی خواہش کرے گا طُوبٰی کی شاخ پر وہ موجود ہو جائے گی۔ اگر تیز رفتار سوار اس کے ساتھ ہیں ایک سو سال تک دوڑے تو اس سے ہار نہ جاسکے گا اور اگر کوئی باند پر دانہ طار اس کے نیچے سے اُوپر کی طرف پرواز کرے تو اس کی باند ہی تک عمر بھر نہ پہنچے

سکے گا۔ بے شک اللہ کی اس نعمت میں رغبت کرو کیونکہ مومن وہ ہے جس کو اپنا ہی خیال ہو اور دوسرے لوگ اس کی طرف سے راحت میں ہوں۔ پس رات کو ٹھٹھے بچھا کر عبادت پروردگار میں مصروف رہے اور اپنی گردن کی آلتش جہنم سے آزادی کا پروردگار سے سوال کرتا رہے۔ پس تم اسی طرح ہو جاؤ۔

امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے جب دو مومن آپس میں مصافحہ کرتے ہیں تو ان کے گناہ اس طرح جھڑتے ہیں جس طرح درخت سے پتے گرتے ہیں۔ جب ایک دوسرے سے جدا ہوتے ہیں تو فرشتے ان کو خیر کی دعا کرتے ہیں۔ اور جب دو مومن ایک دوسرے سے گلے ملتے ہیں تو ان کو منادی ندا کرتا ہے کہ تمہارے لئے طوبیٰ ہے۔ اور جب ایک دوسرے سے جدا ہوتے ہیں تو فرشتے ان کو بشارت دیتے ہیں کہ اے اللہ کے دوستو جنت تمہارے لئے ہے۔

مروی ہے کہ حضورؐ سے طوبیٰ کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا اس کی اصل میرے گھر میں اور شاخیں جنتوں کے گھروں میں ہوں گی۔ پھر جب دوبارہ سوال کیا گیا تو فرمایا اس کی اصل علیؑ کے گھر میں اور شاخیں مومنوں کے گھروں میں ہوں گی۔ پس کسی نے دریافت کیا کہ حضورؐ یہ کس طرح ہوا تو آپؐ نے فرمایا تعجب نہ کرو کیونکہ میرا اور علیؑ کا گھر جنت میں ایک جگہ ہو گا اور مروی ہے کہ اس کا پھل جہاں سے توڑا جائے گا اس کی جگہ فوراً دوسرا پھل موجود ہو جائے گا۔ پس وہ جگہ خالی نہ رہے گی۔

ایک روایت میں ہے کہ جو شخص تین مومنوں کو کھانا کھلائے خداوند کریم اس کو تین جنتوں سے کھانا کھلائے گا۔ ایک فردوس، دوسرے جنت عدن اور تیسرا طوبیٰ۔

تفسیر برہان میں بروایت موفی بن احمد بلال سے منقول ہے کہ ایک روز حضرت رسالت آج ہمارے پاس اشریف لائے کہ ان کا چہرہ مبارک خوشی سے چودہویں کے چاند کی طرح منور تھا۔ پس عبدالرحمن بن عوف نے دریافت کیا کہ حضورؐ آپ کی پیشانی میں یہ چمک اور نور کیسا ہے؟ آپؐ نے فرمایا کہ خدا نے مجھے اپنے چچا زاد بھائی علیؑ کے متعلق خوشخبری دی ہے کہ اُس نے اس کی شادی میری دختر نیک اختر فاطمہ کے ساتھ کر دی ہے۔ اور خازن جنت رضوان نے حکم پروردگار طوبیٰ کو حرکت دی تو اس پر اس قدر رقعے پیدا ہو گئے جس قدر تاقیامت میری اہلبیت کے محب ہوں گے اور خداوند کریم نے اس کے نیچے نورانی فرشتے پیدا کئے اور ہر فرشتے کو ایک ایک رقعہ سپرد کر دیا جب قیامت کے روز تمام انسان محشور ہوں گے تو وہ فرشتے ایک ایک رقعہ پر محب اہل بیت کو دے گا اور وہ چمکتے سے برأت نامہ اور جنت کا ٹکٹ ہو گا۔ پس میرے بھائی علیؑ اور میری بیٹی فاطمہ کی وجہ سے میری امت کے بہت سے ننانو مرد جہنم سے نجات پائیں گے۔

شان نزول | لَتَشَاوُ عَلَيْهِمْ آیت نمبر ۳۰ کے متعلق کہتے ہیں کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر نازل ہوئی جبکہ

عَلَيْهِمُ الَّذِي آوَجِبْنَا إِلَيْكَ وَهُمْ يَكْفُرُونَ بِالرَّحْمَنِ قُلْ

ان پر اس کی جو ہم نے تجھ پر وحی کی اور علیکہ وہ کفر کرتے ہیں رحمن کا کہہ دو

هُوَ رَبِّي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ مَتَابٌ ۝۳۱

وہی میرا رب ہے کہ اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں اس پر میں نے توکل کی اور اسی کی طرف میرا بلٹنا ہے

وَلَوْ أَنَّ قُرْآنًا سُيِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ أَوْ قُطِعَتْ بِهِ الْأَرْضُ

اور اگر تحقیق کوئی قرآن جو کہ چلائے جائیں اس کے ساتھ پہاڑ یا شکافندہ کی جائے زمین

أَوْ كَلِمَ بِهِ الْمَوْتَىٰ بَلْ لِلَّهِ الْأَمْرُ جَمِيعًا فَلَمْ يَأْتِ

یا بلائے جائیں اس سے مرنے والے یہ ہیں، بلکہ سارا معاملہ اللہ کے قبضہ میں ہے کیا نہیں جانتے

الَّذِينَ آمَنُوا أَنْ لَوْ يَشَاءُ اللَّهُ لَهْدَى النَّاسَ جَمِيعًا وَلَا

وہ لوگ جو ایمان لائے ہیں کہ اگر اللہ چاہے تو سب کو ہدایت کر دے اور ہمیشہ

حضور نے علیؑ سے فرمایا لکھو۔ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ تو سہیل بن عمرو نے کہا ہم رحمان کو نہیں جانتے آپ لکھیں بِاسْمِكَ اللَّهُمَّ۔ اور یہی زمانہ جاہلیت کا دستور تھا۔ پھر آپ نے فرمایا لکھو هَذَا مَا صَلَّحَ عَلَيْكَ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ۔ تو فوراً مشرکین کہنے لگے اگر ہم آپ کو رسول اللہ سمجھیں تو آپ سے لڑیں کیوں؟ صاف اپنا نام محمد بن عبد اللہ لکھو ایسے۔ بعض جو شیعہ صحابہ نے جنگ کی اجازت چاہی تو آپ نے فرمایا وہی کچھ لکھو جو یہ لکھواتے ہیں۔ پس یہ اُتری اور آیت نمبر ۲۱ کا شان نزول یہ ہے کہ چند مشرکین کعبہ کے پیچھے بیٹھے تھے پس ایک آدمی بچ کر انہوں نے رسول اللہ کو اپنے پاس بلایا چنانچہ آپ چلے گئے تو عبد اللہ بن امیہ نامی ایک مشرک کہنے لگا اگر آپ چاہتے ہیں کہ تیری تابعداری کریں تو قرآن پڑھ کر مکہ کے پہاڑوں کو دوڑ بٹھا دو تاکہ شہری آبادی کے لئے جگہ کشادہ ہو جائے کیوں کہ اب زمین تنگ ہے نیز قرآن کے ذریعے سے زمین کو شکافندہ کر کے چٹھے اور نہریں پیدا کر دیجئے تاکہ ہماری زمین آباد ہو کیونکہ اپنے قول کے مطابق آپ کا درجہ داؤد بنی سے کم نہیں ہے اور ہوا کو ہمارے لئے مسخر کر دیجئے تاکہ سامان خورد و نوش لانے کے لئے شام تک بخوبی آمد و رفت کر سکیں کیونکہ اپنے قول کے مطابق آپ کا درجہ سلیمان پیغمبر سے کم نہیں ہے اور ہمارے سامنے اپنے بزرگ قصی و دیگر اسلاف کو

يَزَالُ الَّذِينَ كَفَرُوا لِيُصِيبَهُمْ آصَافُ قَارِعَةٍ أَوْ مَخَلٍّ

سے کافروں کو پہنچتا رہتا ہے بوجہ اپنے کئے کے کوئی عذاب

قَرِيبًا مِّنْ دَارِهِمْ حَتَّىٰ يَأْتِيَ وَعْدَ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ لَا يُخْلِفُ

اثر ہے ان کے گھروں کے قریب یہاں تک کہ آجائے وعدہ اللہ کا تحقیق اللہ نہیں وعدہ خلافی

الْمِيعَادَ ۝۳۱ (۳۱) وَلَقَدْ اسْتَهْزَيْتُمْ بِرِسَالِ مِّنْ قَبْلِكُمْ فَأَمَلْتُمْ

کہتا اور تحقیق مسخری کی گئی رسولوں سے تمہارے پہلے تو میں نے ڈھیل دے

لِلَّذِينَ كَفَرُوا ثُمَّ أَخَذْتُهُمْ فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ ۝۳۲ (۳۲)

دی کافروں کو پھر ان کو پکڑ لیا تو کس طرح تھا میرا عذاب ؟

أَفَمَنْ هُوَ قَائِمٌ عَلَىٰ كُلِّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ ۗ وَجَعَلُوا لِلَّهِ

کیا وہ ذات جو نگران ہے ہر نفس پر وہ جو کمائے (اس کی طرح کوئی دوسرا ہو سکتا ہے) انہوں نے

شُرَكَاءَ ۗ قُلْ سَبُّوهُمْ أَمْ تُنَبِّئُونَهُ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي الْأَرْضِ

بنائے اللہ کے شریک کہہ دو کہ ان کے نام تو بتاؤ کیا خبر دیتے ہو اس کو ایسی بات کی کہ وہ نہیں جانتا زمین میں

کو زندہ کیجئے تاکہ ان لوگوں سے ہم پوچھ لیں کہ آپ سچ فرماتے ہیں یا نہیں۔ پس ہماری تسلی ہو جائے گی کیوں کہ حضرت

عیسیٰؑ مردوں کو جلا یا کرتے تھے اور آپ بقول خود حضرت عیسیٰ سے کم مرتبہ نہیں رکھتے۔ پس یہ آیت کریمہ اتری۔

أَفَلَمْ يَتَفَكَّرُوا ۚ یہاں یا اس علم کے معنی میں ہے یعنی مومنوں کو علم ہے کہ اگر خدا چاہے تو جبراً سب لوگوں کو ایمان پر لائے۔ لیکن یہ اس کی مشیت کے خلاف ہے۔

وَلَا يَزَالُ ۚ یعنی کافروں پر کوئی نہ کوئی عذاب آیا رہتا ہے۔ پس وہ اطمینان کا سانس نہیں لے سکتے یہاں تک

کہ فتح مکہ کے وعدہ کا وقت بھی آجائے گا اور خدا اپنے وعدہ کو جھوٹا نہیں کرتا۔

تفسیر برہان میں بروایت کافی امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے منقول ہے۔ ایک سائل کے جواب میں آپ

نے فرمایا کہ جناب رسالت مآبؐ تمام نبیوں سے اعلم تھے حضرت سلیمان بن داؤد ہدیہ پر ناراض ہوئے تھے جبکہ

وہ غائب تھا کیونکہ ہوا میں پرواز کے وقت وہ پانی کی نشاندہی کرتا تھا اور پرندہ کو خدا نے وہ علم دیا جو سلیمان کو

أَمْ بَظَاهِرٍ مِّنَ الْقَوْلِ بَلِّغِ زَيْنَ الَّذِينَ كَفَرُوا مَكْرَهُمْ وَ

یا مہل باتیں کرتے ہو بلکہ زینت دی گئی ہے کافروں کے لئے ان کی فریب کاری اور روکا انہوں نے اللہ کی راہ سے

صَدُّوْا عَنِ السَّبِيْلِ وَمَنْ يُضِلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهُ مِنْ هَادٍ ۝۳۳

لوگوں کو اور جس کو اللہ گمراہی میں چھوڑ دے اس کو کوئی راہ راست پر نہیں لا سکتا

لَهُمْ عَذَابٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَلِعَذَابٌ الْآخِرَةِ اَشَقُّ

ان کے لئے عذاب ہے زندگی دنیا میں اور البتہ آخرت کا عذاب زیادہ سخت ہے

وَمَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ وَّاقٍ ۝۳۴ مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِي وُعِدَ

اور نہیں کوئی اس کو اللہ سے بچانے والا مثال اس باغ کی جس کا وعدہ متقیوں سے کیا

الْمُتَّقِيْنَ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ كُلُّهَا دَائِمٌ وَّظِلُّهَا

گیا ہے بہتی ہیں ان کے نیچے نہریں ان کے پھل ہمیشگی ہیں اور سایہ بھی

تِلْكَ عُقْبَى الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَعُقْبَى الْكٰفِرِيْنَ النَّارُ ۝۳۵ وَالَّذِيْنَ

یہ انجام ہے ان کا جو تقویٰ کریں اور انجام کافروں کا دوزخ ہے اور جن کو

زیادہ کہو کہ وہ ہوا کے علاوہ جن وانس پر حکومت کے باوجود پانی کی تلاش میں پرندہ کا محتاج تھا اور رسول اللہ خدا کو قرآن دیا جس کے متعلق فرماتا ہے کہ اس کے ذریعہ سے پہاڑ چلائے جاسکتے ہیں۔ زمینوں کے فاصلے طے کئے جاسکتے ہیں اور مردے بھی زندہ ہو سکتے ہیں اور سلسلہ کلام کو جاری رکھتے ہوئے آپ نے فرمایا۔ ہم ہی وہ ہیں جن کو خدا نے چن لیا اور ہم ہی اس کتاب کے وارث ہیں۔

رُكُوْعٌ نُّمْبَرًا ۱۱ | قُلْ سَمَّوْهُمْ ص ۱۳۶ - یعنی کیا تم ان کو خالق و رزاق کا نام دے سکتے ہو؟ جن کی عبادت کرتے ہو۔ جَمَالًا لَّيَعْلَمَنَّ - خدا کو تم اس کے شریک کی خبر دیتے ہو جس کو وہ نہیں جانتا یعنی ہے ہی نہیں اگر ہوتا تو وہ جانتا۔

اَمْ بَظَاهِرٍ - یعنی ظاہری بوجس اور مہل باتیں کرتے ہو۔ جن کا واقع میں کوئی معنی نہیں ہے۔ مَثَلُ الْجَنَّةِ - مثل کا معنی شبہ ہوتا ہے لیکن یہاں اس کا معنی ہے صورت یا تعریف۔ یعنی جنت کی

آيْتَهُمُ الْكِتَابَ يَفْرَحُونَ بِمَا أُنزِلَ إِلَيْكَ وَمِنَ الْأَحْزَابِ

ہم نے کتاب دی ہے خوش ہوتے ہیں اس سے جو تجھ پر نازل ہوا اور ان فرقوں میں سے کئی

مَنْ يُنْكِرْ بَعْضَهُ قُلْ إِنَّمَا أُمِرْتُ أَنْ أَعْبُدَ اللَّهَ وَلَا أُشْرِكُ

لوگ انکار کرتے ہیں بعض کا کہہ دو کہ بس میں تو مامور ہوں کہ عبادت کروں اللہ کی اور نہ اس کا شریک

بِهِ دَالِيهِ أَدْعُوا وَإِلَيْهِ مَابِ ۝ (۳۶) وَكَذَلِكَ أَنْزَلْنَاهُ حُكْمًا

بنادوں اسی کی طرف بلاتا ہوں اور اسی کی طرف پلٹتا ہے اور اسی طرح ہم نے اس کو اتارا حکم

عَرَبِيًّا وَلَئِنْ اتَّبَعْتَ أَهْوَاءَهُمْ بَعْدَ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ

عربی اور اگر تم اتباع کرو ان کی خواہش کی بعد اس کے کہ تجھے علم ہو چکا ہے

مَا لَكَ مِنَ اللَّهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَلَا وَاقٍ ۝ (۳۷) وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلًا

تو نہ ہوگا تیرا اللہ سے کوئی مددگار اور نہ بچانے والا اور تحقیق ہم نے تجھ سے

مِّن قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمُ آيَاتٍ مُّوَاجِهَةً وَمَا كَانَ لِرَسُولٍ

پہلے رسول بھیجے اور ان کے لئے ہم نے ازدواج کا انتظام کیا اور اولاد کا اور نہیں جائزہ رسول کے لئے

صورت یا اس کی تعریف یہ ہے اور بعض مفسرین نے کہا ہے کہ مثل کا لفظ یہاں زائد ہے اور تھخین کلام کے لئے بڑھایا گیا ہے۔

أُكْلُهَا۔ یعنی اس کے پھلوں کی جگہ خالی نہ رہے گی۔ جب ایک پھل توڑا جائے گا تو اس کی جگہ دوسرا موجود ہو جائے گا اور بعضوں نے دوام کا مقصد یہ بیان کیا ہے کہ اُس کا ذائقہ منہ سے زائل نہ ہوگا اسی طرح اس کا سایہ دائمی ہوگا گویا جنت کی نعمتوں میں کہنگی یا القطار و بد مزگی قطعاً نہ ہوگی۔

إِنْقُؤًا۔ تقریاً کم از کم مرتبہ یہ ہے کہ واجبات کو ترک نہ کیا جائے اور حرام کا ارتکاب نہ کیا جائے پھر اس کے اوپر درجہ بدرجہ مراتب ہیں اور حضرت علیؑ سب متقیوں کا امام ہے۔

النَّاسِ۔ تفسیر برہان میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ دنیا کی آگ دوزخ کی آگ کا سرداں حصہ ہے جس کو سرد نہ بھجایا گیا اگر ایسا نہ ہوتا تو کوئی آدمی اس کی گرمی کو برداشت نہ کر سکتا اور جب بروز

أَنْ يَأْتِيَ بآيَةٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ يَكُلَّ أَجَلٍ كِتَابٍ ﴿٣٨﴾ يَمْحُوا

عجزہ دکھائے مگر خدا کے اذن سے کیونکہ ہر کام کے لئے ایک فیصلہ شدہ وقت ہے۔ اللہ مٹاتا

اللَّهُ مَا يَشَاءُ وَيُبَيِّنُ ۗ وَعِنْدَهُ أُمُّ الْكِتَابِ ﴿٣٩﴾ وَإِنْ

ہے جسے چاہے اور ثابت رکھتا ہے اور اس کے پاس ام الكتاب ہے اور یا

مَا نُزِّلَ عَلَيْكَ مِنْ بَعْضِ الْوَحْيِ نَعِدُهُمْ أَوتَوْفِيكَ فَإِنَّمَا

تجھے دکھائیں گے بعض وہ جس کا ان سے وعدہ کرتے ہیں یا تجھے (اس سے قبل) موت دیدیں گے

عَلَيْكَ الْبَلَّغُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ ﴿٤٠﴾ أَوَلَمْ يَرَوْا

ہیں سوائے اس کے نہیں کہ تیرے اور پہنچانا ہے اور ہم پر حساب لینا ہے کیا یہ دیکھتے نہیں کہ

مشرکوں کو دوزخ کی آگ پر رکھا جائے گا تو یہ دنیاوی آگ فریاد کرے گی کہ اس کی فریاد کو سن کر ملک مقرب اور نبی مرسل بھی گھبرا جائیں گے۔

وَالَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ وَأُوتُوا الْحُسْبَانُ لَمْ يَكُنْ لَهُم مَّا يَدْعُونَ مِن بَعْضِ الْوَحْيِ نَعِدُهُمْ أَوتَوْفِيكَ فَإِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلَّغُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ ﴿٤٠﴾

بن سلام وغیرہ۔
وَمِنَ الْأَحْزَابِ ۗ يَعْنِي اسلَام لانے والوں کے علاوہ باقی اہل کتاب اور جملہ مشرکین قرآن کے بعض احکام کا انکار کرتے ہیں جو ان کے مزاجوں اور رواجوں کے خلاف ہوں۔ مروی ہے کہ رحمن کا ذکر تو رات میں بہت زیادہ ہے اور قرآن میں چونکہ کم تھا اس لئے اسلام لانے والے یہودیوں کو بھی یہ بات کھٹکتی تھی پس یہ آیت اتنی قُلْ اذْعُوا لِلَّهِ أَوْادًا غَوًّا لِّرَحْمٰنٍ۔ یعنی اللہ کو پکارو یا رحمن کو پکارو دونو جائز ہیں تو اسلام لانے والے خوش ہو گئے لیکن مشرکین کو یہ بات بالخصوص ناگوار گذری اور ان کو احزاب اس لئے کہا گیا کہ انہوں نے بل جُل کر رسول خدا کے خلاف ایک حزب قائم کی تھی یعنی منظم متحدہ محاذ قائم کیا تھا۔

وَكَذٰلِكَ عَرَضْنَا فِي الْقُرْآنِ أَمْثَلَ الْآيَاتِ الَّتِي نَكْتُمُ فِي الْكِتَابِ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ﴿٤١﴾

وَكَذٰلِكَ عَرَضْنَا فِي الْقُرْآنِ أَمْثَلَ الْآيَاتِ الَّتِي نَكْتُمُ فِي الْكِتَابِ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ﴿٤١﴾

وَكَذٰلِكَ عَرَضْنَا فِي الْقُرْآنِ أَمْثَلَ الْآيَاتِ الَّتِي نَكْتُمُ فِي الْكِتَابِ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ﴿٤١﴾

وَكَذٰلِكَ عَرَضْنَا فِي الْقُرْآنِ أَمْثَلَ الْآيَاتِ الَّتِي نَكْتُمُ فِي الْكِتَابِ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ﴿٤١﴾

أَنَا نَاتِي الْأَرْضَ تَقْصِرُهَا مِنْ أَطْرَافِهَا وَاللَّهُ

ہم زمین کی اطراف کو کم کرتے ہیں اور اللہ

يُحْكِمُهَا لَمْ يُعَقِّبَ لِحُكْمِهِ وَهُوَ سَرِيعُ الْحِسَابِ ﴿۱۴۱﴾

حکم کرتا ہے کہ اس کے حکم کو کوئی رد نہیں کر سکتا اور وہ جلد حساب لینے والا ہے

وَقَدْ مَكَرَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلِلَّهِ الْمَكْرُ

اور تحقیق فریب کیا ان لوگوں نے جو پہلے تھے پس اللہ کے پاس سب

جَمِيعًا يَعْلَمُ مَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ وَسَيَعْلَمُ

تجویزیں ہیں وہ جانتا ہے جو کما ہے ہر نفس اور عنقریب جان لیں گے

اور ان کی اولادیں بھی تھیں۔ مثلاً حضرت سلیمان بنی کے گھر تین سو بیویاں اور سات سو کنیزیں تھیں اور حضرت داؤد پیغمبر کے گھر میں ایک سو بیویاں تھیں۔ لہذا یہ بات قابل اعتراض نہیں ہے۔

منا کان یعنی مجرہ کا دکھانا بنی کا اختیاری معاملہ نہیں ہے کہ جب چاہے اس کو ظاہر کر دے بلکہ یہ اللہ کی مشیت کے تابع ہے اور ہر کام کے لئے ایک وقت میں ہے بعض مفسرین کا کہنا ہے کہ آخری فقرے کا معنی معکوس ہے یعنی بکل کتاب اجل یعنی تورات زبور انجیل اور قرآن مجید میں سے ہر ایک کے لئے اللہ کے نزدیک ایک وقت مقرر تھا۔

محرواثبات۔ يَمْحُو اللَّهُ۔ محرواثبات کے کئی معانی کئے گئے ہیں، (۱) احکام کا محرواثبات مراد ہے۔ جسے منسوخ و ناسخ کہا جاتا ہے (۲) کرانا کا تبین کی تحریرات میں سے ان کو مٹایا جاتا ہے جو مباحات ہوں اور باقی کو برقرار رکھا جاتا ہے (۳) اپنے فضل و کرم سے قابل بخشش مومنوں کے گناہ بخشا ہے اور قابل سزا لوگوں کے گناہ برائے عقوبت اپنے عدل کے ماتحت باقی رکھتا ہے (۴) ہر شے کے متعلق ہے مثلاً رزق و عمر و غیرہ جسے چاہے بڑھائے جسے چاہے کم کرے۔ ابن عباس سے مروی ہے کہ ہونے والے امور و واقعات کے علم اللہ کے متعلق اللہ کے پاس دو دفتر ہیں ایک کتاب محرواثبات۔ اور دوسری ام الکتاب۔ پہلی کو لوح محرواثبات اور دوسری کو لوح محفوظ بھی کہا گیا ہے۔ پہلی کتاب کی رو سے محرواثبات جاری ہے مثلاً خداوند کرم نے عمر و رزق و بیماری و تندرستی وغیرہ مع اس کی مدت و اجل کے لکھ دی ہے لیکن ان کا کم و بیش ہونا یعنی محرواثبات بھی بعض اعمال کے لحاظ سے مقدر کر دیا کہ فلاں شخص فلاں

الْكَافِرِينَ مِنْ عِقْبَى الدَّارِ ﴿۴۲﴾ وَيَقُولُ الَّذِينَ

کافر لوگ کہ انجام کار اچھا گھر کس کا ہے اور کہتے ہیں وہ جو کافر

كَفَرُوا لَسْتَ مَرْسَلًا قُلْ كَفَىٰ بِاللَّهِ شَهِيدًا ۚ

ہیں کہ تو رسول نہیں ہے کہہ دو کہ کافی ہے اللہ گواہ میرے

بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ وَمِنْ عِنْدَهُ عِلْمُ الْكِتَابِ ﴿۴۳﴾

اور تمہارے درمیان اور وہ جس کے پاس پوری کتاب کا علم ہے

عمل خیر کرے گا تو اس کا رزق یا عمر اتنا بڑھا دیا جائے گا۔ اگر عمل بد کرے گا تو اس قدر کمی کی جائے گی اسی بنا پر تو اس قسم کی دعائیں آئمہ سے منقول ہیں کہ اے اللہ اگر میرا نام اشتیاء کے دائرے میں ہے تو اسے نیکیوں کی فہرست میں کر لے اور جس طرح محروا ثبات جاری ہے اسی طرح تقدیم و تاخیر بھی جاری ہے اور اس کا علم بھی اللہ سبحانہ کے پاس ہے اور دعاؤں سے تقدیروں کے بدل جانے کا مقصد بھی یہی ہے کہ کتاب محروا ثبات میں جو مقدر رہے وہ بدل سکتے ہیں اور اسی کا علم انبیاء اور اولیاء کو دیا جاتا ہے۔

چنانچہ تفسیر صافی میں بروایت عیاشی امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ حضرت امام علی زین العابدین علیہ السلام فرمایا کرتے تھے اگر قرآن مجید میں ایک آیت نہ ہوتی تو میں قیامت تک کے ہونے والے واقعات بتا دیتا۔ میں نے پوچھا حضور! وہ کونسی آیت ہے تو آپ نے یٰمُحُوَاللّٰہِ مَا یَشَاءُ الخ پڑھی۔

اسی طرح بروایت کافی و عیاشی حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ علم دو قسم کے ہیں ایک علم مخزون جو اللہ کے پاس ہے اور اس نے مخلوق میں سے کسی کو اس پر مطلع نہیں فرمایا اور دوسرا علم وہ ہے جو اس نے ملائکہ اور انبیاء کو تسلیم کیا ہے اور اس سلسلہ کلام کو جاری رکھتے ہوتے آپ نے فرمایا کہ جو علم اُس کے پاس ہے وہ جس کو چاہے مقدم یا مؤخر کرے اور جسے چاہے محو کرے یا ثابت رکھے۔ اور مقدر بدل جانے کے بعد جو صورت حال ہوتی ہے اس کو اصطلاح جعفریہ میں بد اسے تعبیر کیا گیا ہے اور اس مسئلہ کی وضاحت تفسیر کی پانچویں جلد ص ۱۹ پر ملاحظہ فرمائیے۔

محروا ثبات اور تقدیم و تاخیر کے بعد جو نتائج ہوتے ہیں ان کا اندراج ام الکتاب میں ہے جس کا علم سوائے پروردگار کے کسی کے پاس نہیں مگر وہ جسے چاہے دے دے۔ پس کتاب محروا ثبات میں جو مقدار رزق یا مقدار عمر وغیرہ درج ہے وہ غیر محتوم ہیں جو دعاؤں یا صدقات و خیرات سے زیادہ ہو سکتی ہے یا بد اعمالیوں سے کم بھی ہو سکتی ہیں اور جو ام الکتاب میں مرقوم ہیں ان میں کمی یا بیشی اور تقدیم و تاخیر کا کوئی امکان نہیں۔ پس ہو سکتا ہے کہ بعض چیزیں کتاب محروا ثبات

میں بھی ہوں اور بعینہ وہ اُمّ الکتاب میں بھی ہوں اور یہ بھی ممکن ہے کہ کتاب محو اثبات میں کچھ اور ہو۔ اور ام الکتاب میں اس سے اضافہ یا کمی موجود ہو۔

۱۵) محو اثبات کا ایک معنی یہ بھی ہے کہ وہ توبہ کے بعد گناہوں کو مٹا دیتا ہے اور ان کی بجائے نیکیوں کو بحال رکھتا ہے ۶۶، زمین کی آبادی کے لئے ایک قرن کو مٹایا دوسروں کو آباد کیا و علیٰ ہذا یقیناً۔

وَأَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ - یعنی مسلمانوں کے ساتھ جو فتوحات کے ہم نے وعدے کئے ہیں ان کی دو صورتیں ہیں یا وہ عین حیات تجھے دکھائیں گے یا تیری وفات کے بعد پورے ہوں گے لہذا ان کی انتظار نہ کیجئے۔ پس تیرا کام تبلیغ کرنا ہے اور حساب میرے ذمہ ہے کہ کفار کو اپنے کئے کا بدلہ دینا میں دوں یا آخرت میں دوں۔

اولم یروا - زمین کی اطراف کو کم کرنے کے کئی وجوہ ذکر کئے گئے ہیں، کفار کو تنبیہ ہے کہ تم دیکھتے نہیں ہو کہ ہم زمین کی اطراف سے زمین پر بسنے والوں کو موت کے ذریعے سے کم کرتے رہتے ہیں درنہ اگر یہ صورت نہ ہوتی تو زمین پر انسانوں کی جگہ نہ ہو سکتی گویا جانے والے آنے والوں کے لئے جگہ خالی کر کے جاتے ہیں اور زمین خدا آباد رہتی ہے خداوند علام نے اپنی حکمت و صنعت کی طرف متوجہ فرما کر کفار کو دعوتِ فکر دی ہے۔ نیز اس میں یہ تنبیہ بھی ہے کہ دوسروں کی موت کو دیکھ کر مطمئن نہ رہو کیونکہ ان کی طرح ایک دن تمہاری باری بھی آجائے گی۔ پس اپنے خالق کے پہچاننے میں سستی نہ کرو (۲) زمین کے اطراف کے کم کرنے کا مقصد علماء و فقہاء و صلحاء کی موت ہے۔ چنانچہ روایت میں ہے کہ جب عالم مرتا ہے تو اسلام میں ایک ایسی کمزوری پیدا ہوتی ہے جس کو کوئی شئی پر نہیں کر سکتی (۳) یہ نہیں دیکھتے کہ ہم آباد زمین کو بنجر بنا دیتے ہیں پس آباد زمین کے اطراف کم ہو جاتے ہیں اور بعض اوقات اس کا اٹھ ہو جاتا ہے۔

وَقَدْ مَكَوْ - جناب رسالت مآب کو تسلی دی گئی ہے کہ ہمیشہ لوگ انبسیار سے فریب کاری کرتے رہے ہیں اور اللہ کو ان کی سب سنگاریاں معلوم ہیں اور وہ قیامت کو حسبِ مصلحت ان کو بدلہ دیگا۔

کھنی باللہ - کافروں نے کہا کہ تو رسول نہیں تو جناب رسالت مآب کو حکم ہو کہ دو کہ میرے اور تمہارے درمیان اللہ گواہ ہے اور وہ جس کے

علم الکتاب علی کے پاس ہے

پاس کتاب کا علم ہے وَمَنْ عِنْدَهُ عِلْمُ الْكِتَابِ کا مصداق کون ہے؟ اس کے متعلق مفسرین کے تین قول ہیں (۱) اس سے مراد اللہ ہے (۲) اہل کتاب میں سے اسلام لانے والے مراد ہیں جیسے عبد اللہ بن سلام اور سلمان فارسی وغیرہ (۳) حضرت علیؑ اور اس کی اولاد ظاہرین علیہم السلام مراد ہیں۔ پہلا قول باطل ہے کیونکہ اس کا اللہ پر عطف ہے اور قاعدہ کی رو سے معطوف علیہ الگ الگ دو ہونے چاہئیں۔ دوسرا قول بھی باطل ہے کیونکہ یہ سورہ سب کا سب مکیہ ہے اور اہل کتاب میں سے مسلمان ہونے والے ہجرت کے بعد مدینہ میں مسلمان ہوئے لہذا ان کی شہادت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ پس تیسرا قول صحیح ہے کہ اس کا مصداق حضرت علیؑ اور اس کی اولاد ائمہ ظاہرینؑ

ہیں۔ اور کتب فریقین میں روایات بکثرت موجود ہیں کہ آیت مجیدہ میں مَنْ عِنْدَ كَلِمَاتِ الْكِتَابِ کا مصداق علی ہے۔ تفسیر مجمع البیان میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ اس سے مراد ہم ہیں اور رسول کے بعد اس کا پہلا مصداق حضرت علی ہے جو ہم سے افضل اور اکل ہے۔ اور دوسری روایت میں ہے آپ نے اپنے سینے کی طرف ہاتھ کا اشارہ کر کے فرمایا ہے کہ خدا کی قسم کتاب پوری کا علم ہمارے پاس ہے اور شعبی سے منقول ہے کہ رسول کے بعد قرآن کا پورا علم علی اور اس کی اولاد طاہرین کے علاوہ کسی کے پاس نہیں ہے۔ عبد اللہ بن مسعود سے منقول ہے اُس نے کہا کہ اگر میں جانتا کہ کوئی شخص مجھ سے کتاب اللہ کا زیادہ عالم ہے تو میں اس کی شاگردی قبول کرتا پس فوراً کہنے والے نے علی کا نام لیا تو ابن مسعود نے کہا کہ میں نے اُس سے حاصل نہیں کیا یعنی میں ان کی شاگردی قبول کر چکا ہوں اور ان سے حسب استعداد علم حاصل کر چکا ہوں۔ علامہ حلی اعلیٰ اللہ مقامہ نے آیت مجیدہ کو علی کی خلافت بلا فصل کی دلیل قرار دیا ہے۔ اور اس میں شک نہیں کہ جب علی کا نام امت سے اعلام ہونا ثابت ہو گیا تو اسے ہی رسول کا قائم مقام اور خلیفہ بلا فصل ہونا چاہیے۔

تفسیر صافی میں ہے امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا گیا ایک ہے۔ الَّذِي عِنْدَهُ عِلْمٌ مِنَ الْكِتَابِ اور دوسرا ہے عِنْدَهُ عِلْمٌ مِنَ الْكِتَابِ۔ ان دونوں میں کیا فرق ہے آپ نے فرمایا ان دونوں میں اتنا فرق ہے جتنا مچھر کے پَر پر آنے والے پانی اور سمندر کے پانی میں فرق ہے۔ پہلے کا علم آصف بن برخیا کا علم، مچھر کے پَر والے پانی کے قطرہ کی طرح ہے اور علی کا علم ایک موجزن سمندر کی طرح ہے آپ نے فرمایا وہ علم ہمارے پاس ہے۔ ہم نے اپنی تو تصنیف کتاب لعت الانوار میں حضرت علی کا مقام علم و ضاحت سے بیان کیا ہے۔

سُورَةُ اِبْرٰهِيْمَ

اس میں دو آیتیں مقتولین بدر سے تعلق رکھتی ہیں باقی سورہ مکہ ہے اسکی آیات کی تعداد بسم اللہ کے علاوہ باون ہے ۵۲
جناب رسالت مآب سے مروی ہے جس نے سورہ ابراہیم و سورہ حجر کی تلاوت کی اس کو بتہ پتزل
اور موحدوں کی تعداد سے دس گنا زیادہ اجر عطا ہوگا۔

امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے جو شخص ہر جمعہ کو اپنی ناز کی دو رکعتوں میں سورہ
ابراہیم و سورہ حجر کو پڑھے گا فقر دیوانگی اور اچانک مصیبت سے محفوظ رہے گا۔
تفسیر برسان میں خواص القرآن سے مروی ہے کہ اس سورہ کو سفید پارچہ پر لکھ کر بچہ کو باندھی
جاتے تو رونے سے، ڈرنے سے اور ام الصبیان سے محفوظ رہے گا۔

دوسری روایت میں ہے کہ سفید پارچہ پر لکھ کر چھوٹے بچے کے بازو پر باندھی جائے تو وہ
رونے، ڈرنے اور دیگر امراض سے محفوظ ہوگا نیز اس کا دودھ چھڑانا آسان ہوگا۔

تفسیر مجمع البیان میں ابوالدردوار سے منقول ہے جناب رسالت مآب نے فرمایا جب پسو
مچھڑ اور کھٹل وغیرہ تکلیف دیں تو ایک پیالہ میں پانی لو اور اس سورت کی آیت نمبر ۱۲ کو سات دفعہ
پڑھو اور اس کے بعد کہو فَإِنْ كُنْتُمْ مِّنْهُمْ بِاللَّهِ فَلْيَنْوُوا لِيْكُمْ وَأَإِذَا كُفِرْتُمْ
پس اس پانی کو اپنی خواب گاہ کے ارد گرد چھڑک دو تو رات کو ان کی ایذا رسانی سے محفوظ رہو گے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

ساتھ نام اللہ کے جو رحمن و رحیم ہے (شروع کرتا ہوں)

الرَّافِعُ كِتَابٌ أَنْزَلْنَاهُ إِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمَاتِ

اللہ یہ کتاب ہم نے تیری طرف اتاری تاکہ نکلے لوگوں کو (کفر کی، تاریکیوں سے طرف نور دیاں)

إِلَى النُّورِ بِإِذْنِ رَبِّهِمْ إِلَى صِرَاطٍ الْعَزِيزِ الْحَمِيدِ ۝

کے ان کے رب کے اذن سے (یعنی اطفائے اللہ کے) جو عزیز و حمید ہے

اللّٰهِ الَّذِي لَهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَوَيْلٌ

وہ اللہ جس کے لئے ہے وہ جو آسمانوں اور زمین میں ہے اور وہی ہے

لِلْكَافِرِيْنَ مِنْ عَذَابٍ شَدِيْدٍ ۝۲ ۙ الَّذِيْنَ يَسْتَحِبُّوْنَ الْحَيٰوةَ

کافروں کے لئے سخت عذاب ہے جو پسند کرتے ہیں زندگی دنیا کو آخرت کے مقابلہ

الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا

میں اور روکتے ہیں اللہ کے راستہ سے اور کجروی چاہتے ہیں

عِوَجًا ۙ اُولٰٓئِكَ فِي ضَلٰلٍۭۙۤ اَبْعٰدٍ ۝۳ ۙ وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ

ایسے لگ بھگ گمراہی میں ہیں اور ہم نے نہیں بھیجا کوئی رسول

الْحَىٰ صِرَاطِ الْعَزِيزِ - یہ نور سے بدل ہے یعنی وہ نور اللہ کا راستہ ہے جو عزیز و حمید ہے پس نبی
رکوع نمبر ۱۳ | لوگوں کو کفر کی تاریکی سے اللہ کے راستہ کی دعوت دیتا ہے۔ بعد میں لفظ اللہ ممکن ہے کہ حمید
سے بدل ہو۔ اور ممکن ہے ابتدا ہو اور اللہ کی اس کی خبر ہو پس بدل ہونے کی صورت میں مجبور پڑھا جائے گا اور
ابتدا ہونے کی صورت میں مرفوع ہوگا۔

وَيَبْغُوْنَهَا - ضمیر مونث کا مرجع سبیل ہے۔ اور سبیل کا لفظ مذکر و مونث دونوں طریقوں سے جائز ہوتا ہے
یعنی وہ اللہ کے سیدھے راستہ کو چھوڑ کر دوسرے طریقے سے تلاش کرتے پھرتے ہیں یا یہ کہ وہ دنیا کو غلط اور ناجائز
طریق سے حاصل کرتے ہیں ورنہ اگر حلال طریق سے حاصل کریں تو پھر ان کی یہ محبت آخرت کی محبت سے منافات
نہیں رکھتی۔

إِلَّا بِلِسَانٍ قَوْمِهِ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ فَيُضِلَّ اللَّهُ مَن يَشَاءُ وَيَهْدِي

مگر اپنی قوم کی زبان سے تاکہ ان کو سمجھا سکے پس گمراہی میں چھوڑتا ہے اللہ جس کو چاہے اور ہدایت کرتا

مَن يَشَاءُ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿۴﴾ وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مُوسَىٰ

جسے چاہے اور وہ غالب حکمت والا ہے اور تحقیق ہم نے موسیٰ کو

بِآيَاتِنَا أَنْ أَخْرِجَ قَوْمَكَ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ وَذَكَّرَهُمْ

اپنی نشانوں کیساتھ کہ نکالو اپنی قوم کو (وکفر کی) تاریکیوں سے نور (ایمان) کی طرف اور ان کو یاد دلاؤ

بِآيَاتِنَا إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُورٍ ﴿۵﴾ وَ

اللہ کے آیات تحقیق اس میں نشانیاں ہیں ہر صبر کرنے والے شکر گزار کے لئے اور

إِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ إِذْ كُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ آجَأَكُمْ

جب مرے نے کہا تھا اپنی قوم کو یاد کرو اللہ کی نعمت جو تم پر ہوئی کہ اس نے تم کو نجات دی

مِّنْ آلِ فِرْعَوْنَ يَسُومُونَكُم بِسُوءِ الْعَذَابِ وَيَذُبُّونَ

آل فرعون سے جو چکھاتے تھے تم کو سخت عذاب اور ذبح کرتے تھے تمہارے

أَبْنَاءَكُمْ وَيَسْتَحْيُونَ نِسَاءَكُمْ وَفِي ذَلِكَ بَلَاءٌ مِّنْ

بیٹوں کو اور زندہ رکھتے تھے تمہاری لڑکیوں کو اور اس میں تم پر تمہارے رب کی

فِيضِلُّ اللَّهُ - اللہ کی طرف نسبت مجاز ہے کیونکہ طاقتوں کے دینے والا وہی ہے۔

بِآيَاتِنَا اللہ - اس کے کئی معانی بیان کئے گئے ہیں (۱) ان کو وہ وقائع بتاؤ جو گذشتہ ایام میں سابقہ امتوں کے ساتھ گذرے (۲) ان کو اللہ کی نعمتوں کی یاد دہانی کراؤ جو تمام ایام میں ان پر ہوئیں (۳) ان کو اللہ کا قانون بتاؤ جو نیکوں اور بدکاروں کے ساتھ برتا جاتا ہے (۴) تفسیر صافی میں امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ اس سے مراد حضرت قائم آل محمد کا زمانہ ہے۔

بَلَاءٌ مِّنْ رَبِّكُمْ - بلا کا معنی احسان بھی ہے جس طرح سخت اللفظ ترجمہ کیا گیا ہے اور اس کا معنی آزمائش و مصیبت بھی ہو سکتا ہے یعنی فرعونوں کا تمہارے ساتھ یہ برتاؤ تم پر اللہ کی جانب سے سخت امتحان و آزمائش کا دور تھا تفسیر کی دوسری

رَبِّكُمْ عَظِيمٌ ﴿٦﴾ وَإِذْ تَأْتِيَنَّكُمْ رِجَالٌ لَّيِّنٌ أَشْرَكُوا مَعَكُمْ وَلَا يَدْرِكُوا
 عِلْمَ رَبِّكُمْ عَظِيمٌ

طرف سے بڑا احسان ہے اور جب تم کو اپنے رب نے خبر دی کہ اگر تم شکر کر گے تو میں زیادہ دہن گا

وَلَيْنُ كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابَ لِي لَشَدِيدٌ ﴿٧﴾ وَقَالَ مُوسَىٰ إِنَّ

اور اگر تم نے کفر کیا تو میرا عذاب بھی سخت ہے اور فرمایا موسیٰ نے اگر کفر کرتے

تَكْفُرُوا أَنْتُمْ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا فَإِنَّ اللَّهَ لَغَنِيٌّ

اور تمام زمین والے تو تحقیق اللہ سب سے بے نیاز

حَمِيدٌ ﴿٨﴾ الْمِّيَّاتِكُمْ نَبَأَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ قَوْمِ نُوحٍ

لائق حمد ہے کیا تمہارے پاس نہیں پہنچی خبر ان کی جو تم سے پہلے تھے قوم نوح و

وَعَادٍ وَثَمُودَ وَالَّذِينَ مِنْ بَعْدِهِمْ لَا يَعْلَمُهُ إِلَّا اللَّهُ

عاد و ثمود اور وہ لوگ جو ان کے بعد تھے جن کو سوائے خدا کے کوئی نہیں جانتا

جلد میں مفصل بیان کیا جا چکا ہے۔

رَبِّكُمْ عَظِيمٌ ﴿٦﴾ لَيْتُنْ شَكَرْتُمْ مَّا آتَاكُمْ مِنْهُ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿٧﴾
 رکوع نمبر ۱۴ نعمت ہو پس وہ اس کا دل سے اعتراف کرے اور زبان سے اس کی حمد کرے تو ابھی اس کی بات ختم
 نہیں ہوتی کہ خدا اس میں زیادتی کا فیصلہ کر دیتا ہے نیز آپ کے مروی ہے کہ چھوٹی یا بڑی نعمت پر الحمد للہ کہہ لے تو اس نے اسکا
 شکر ادا کر دیا اور بعض روایات میں شکر کا معنی ہے حرام سے بچنا۔ تفسیر برہان میں امالی شیخ سے بروایت ابن عباس سے
 منقول ہے کہ ایک روز مسجد نبوی میں رسالت مآب تشریف فرما تھے اور مہاجرین و انصار میں سے صحابہ کا جم غفیر موجود
 تھا بدری و شجری سب موجود تھے۔ خدا کی نعمت کا ذکر چلا تو آپ نے صحابہ کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ بتاؤ تم پر خدا کی پہلی نعمت
 کونسی ہے۔ پس سب نے جان و مال و رزق و اولاد و ازواج کو گنتا شروع کر دیا۔ جب خاموش ہوئے تو آپ علی کی طرف
 متوجہ ہوئے کہ ساتھیوں کی باتیں سن چکے ہو اب تم بتاؤ اللہ کی پہلی نعمت کونسی ہے؟ آپ نے جواب دیا کہ میں کچھ نہ تھا اور
 اس نے وجود عطا فرمایا۔ آپ نے فرمایا پھر دوسری؟ آپ نے جواب دیا کہ اس نے مجھے زندگی بخشی۔ آپ نے فرمایا تیسری؟
 علی نے جواب دیا اُس نے مجھے اچھی شکل و صورت عطا کی۔ آپ نے فرمایا کہ چوتھی؟ علی نے جواب دیا اُس نے مجھے فکر کرنیوالا

جَاءَتْهُمْ رُسُلُهُم بِالْبَيِّنَاتِ فَرَدُّوا أَيْدِيَهُمْ فِي أَفْوَاهِهِمْ

ان کے پاس رسول آئے واضح دلیلیں لے کر تو انہوں نے (غصہ سے) اپنے ہاتھوں کو کاٹا اور

وَقَالُوا إِنَّا كُنَّا بِنَاءِ رَسُولِنَا بِنَاءِ مَا أَرْسَلْتُمُوهُ وَإِنَّا فَئِشْكٌ مِّمَّا

کہنے لگے تحقیق ہم نہیں مانتے جس کے ساتھ تم بھیجے گئے ہو اور تحقیق ہم کو شک ہے جس

تَدْعُونَنَا إِلَيْهِ قُرَيْبٍ ۖ قَالَتْ رُسُلُهُمْ إِنِّي اللّٰهُ

کی طرف تم بلا تے ہو تو ان کو رسولوں نے کہا کیا اللہ میں شک ہے

شَكِّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَدْعُوكُمْ لِيَغْفِرَ لَكُمْ مِّنْ

جو آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے وہ تم کو بلاتا ہے تاکہ وہ بخشنے تمہارے گناہ

ذُنُوبِكُمْ وَيُوخِّرَ كُمُآلِيَ اٰجَلٍ مُّسَمًّى ۗ قَالُوا اِنْ اَنْتُمْ

اور ہمیں مہلت دیتا ہے ایک وقت مقررہ تک کہنے لگے تم تو ہماری طرح کے

اِلَّا لَشَرِّ مِثْلِنَا ۗ تَرِيدُونَ اَنْ تَصَدُّوْنَ اَعْمٰمًا كَانِ يَعْبُدُ اٰبَاءَنَا

انسان ہی ہو تم چاہتے ہو کہ روک دو ہمیں اُس سے جس کی عبادت کرتے تھے ہمارے باپ، دادا

بنایا غافل نہیں بنایا۔ آپ نے فرمایا کہ پانچویں؛ اُس نے مجھے سوچنے کی قوتیں عطا فرمائیں۔ آپ نے فرمایا کہ چھٹی؛ اُس نے

مجھے اپنے دین کی ہدایت کی کہ میں گمراہ نہیں ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ ساتویں؛ تو علی نے جواب دیا کہ اُس نے میرے لئے

بازگشت ایسی بنائی کہ وہاں فنا نہ ہوگی۔ پھر آٹھویں؛ اُس نے مجھے آزاد بنایا غلام نہیں بنایا۔ نویں؛ اُس نے آسمان و

زمین اور ان کے درمیان کی تمام چیزوں میں میرے لئے پیدا کیں۔ دسویں؛ اُس نے مجھے مرد اور حاکم بنایا عورت نہیں بنایا

آپ نے فرمایا۔ آگے چلو تو علی نے عرض کی حضور! خدا کی نعمتیں شمار سے باہر ہیں۔ پس آپ ہنس پڑے اور فرمایا مجھے

یہ علم و حکمت مبارک ہو تو یہی تو میرے علم کا وارث اور امت کا معلم ہے جو تیری اتباع کرے گا وہ صراطِ مستقیم پر

ہوگا اور جو مجھے چھوڑ دے گا وہ ذلیل ہوگا۔ (ملخصاً)

فَرَدُّوا اَيْدِيَهُمْ سے اشارہ کیا کہ خاموش ہو جاؤ (۳) اپنے ہاتھ ان کے منہ پر رکھ دیئے تاکہ نہ بولی سکیں (۴) ان کے اپنے ہاتھ پکڑ کر ان کے منہ پر رکھ دیئے۔

لَفِي شَكٍّ۔ یعنی تمہاری دعوت سے ہم کو شک ہے کہ شاید تم اپنے اقتدار کی خاطر ایسا کرتے ہو تو فرمایا واضح دلیلوں

فَاتُونَا بِسُلْطٰنٍ مُّبٰیۡنٍ ۝۱۰ قَالَتْ لِمَۡرَسُلٰمِۡرٰنِۡنِۡ اِلَّا

تو کوئی واضح معجزہ لے کر آؤ گہا ان کو رسولوں نے ہم تمہاری طرح بشر ہی ہیں لیکن

بَشَرٍ مِّثْلِكُمْۙ وَاٰلِکٰۤرِۡنِ اللّٰہِ یَمُرُّۢ عَلٰیۢ مَنۢ یَّشَآءُۙ مِّنۡ عِبَادِہٖۙ وَمَا

خدا احسان کرتا ہے جس پر چاہے اپنے بندوں میں سے اور ہمارے

کَانَ لَنَاۤ اَنْ نَّاتٰیۡکُمْۢ بِسُلْطٰنٍۙ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰہِ وَعَلٰی اللّٰہِ فُلِیۡتَوَکَّلِۙ

ہیں میں نہیں کہلائیں کوئی معجزہ مگر ساتھ اذن خدا کے اور آپہ اللہ کے ہی مومنوں کو

اَلْمُؤْمِنُوۡنَ ۝۱۱ وَمَا لَنَاۤ اَلَّا نَتَّوۡکَلَّ عَلٰی اللّٰہِ وَقَدْ هَدٰۤنَا

توکل کرنی چاہیے اور ہم کیوں نہ اللہ پر توکل کریں حالانکہ اُس نے ہمیں ہدایت فرمائی راستے

سَبَلًاۙ وَلَنَصْبِرَنَّ عَلٰی مَاۤ اٰذٰیۡتُمْۡوَنَا وَعَلٰی اللّٰہِ فُلِیۡتَوَکَّلِۙ

کی ہم صبر کریں گے اور اس کے جو ہم کو ستاؤ اور اللہ پر توکل کرنے والوں کو توکل کرنی

اَلْمُتَّوۡکِلُوۡنَ ۝۱۲ وَقَالَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا الرِّسٰلٰہِمۡ لَنُخْرِجَنَّکُمْ

چاہیے اور کہا کافروں نے اپنے رسولوں کو ہم تم کو ضرور نکال دیں گے

کے بعد اللہ میں شک کی کوئی گنجائش ہو سکتی ہے۔

اِنَّ اَسْتَفۡدَ۔ قرآن بتلاتا ہے کہ کافر لوگ ہمیشہ ہی سمجھتے رہے کہ رسول وہ ہوتا ہے جو بشر نہ ہو اگرچہ رسول ان کو سمجھاتے رہے کہ تمہاری طرح ہم بشر ہیں لیکن ہم پر خدا کا احسان ہے کہ ہم کو اُس نے رسول بنا کر بھیجا ہے لیکن وہ بصد ہے کہ جو رسول ہو بشر ہو ہی نہیں سکتا۔ آخر کار عذاب میں گرفتار ہوتے لیکن اپنی ضد کو نہ چھوڑا۔

وَلَنَسۡیَکُنَّکُمْۙ ضَلٰۤا۔ چاہ کن راچاہ درپیش والی بات ہے جو دوسرے کے لئے کنواں کھورتا ہے۔
رکوع نمبر ۱۵ وہ خود اس میں گرتا ہے اسی طرح جو دوسرے کو برباد اور بے گھر کرنا چاہے وہ خود برباد اور بے گھر

ہوتا ہے اور وہ مظلوم ہی ظالم کے گھر میں آباد ہو جاتا ہے چنانچہ اس قسم کے ہزاروں واقعات سُنئے اور دیکھے ہیں اور حدیث میں ہے وَمَنۡ اٰذٰیۡ جَادًا وَّسَّآءَ اللّٰہُۙ ذٰرًاۙ جو اپنے ہمسایہ کو تکلیف دے خدا اس ہمسایہ کو ہی اس کا وارث بنا دیتا ہے اور آیت مجیدہ اسی مطلب کی ترجمانی کر رہی ہے۔

مِّنْ أَرْضِنَا أَوْ لَتَعُوذَنَّ فِي مِلَّتِنَا فَأَوْحَىٰ إِلَيْهِمْ رَبُّهُمْ

اپنے شہر سے یا واپس آ جاؤ ہمارے دین پر تو وحی کی ان پر ان کے رب نے کہ ہم فرمادے

لَنُهْلِكَنَّ الْفٰلِیْمِیْنَ ﴿۱۳﴾ وَلَنُسَكِّنَنَّكُمْ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ

ہلاک کریں گے ظالموں کو اور تم کو سکونت دیں گے زمین کی ان کے بعد

ذٰلِكَ لِیَنْ خَاۡفَ مَقَامِیْ وَخَاۡفَ وَعِیۡدِ ﴿۱۴﴾ وَاسْتَفْتَحُوا

یہ اس کے لئے ہے جس کو حساب کا ڈر ہو اور میری گرفت سے غون کرتا ہو اور انہوں نے نفع

وَخَاۡبَ كُلِّۭ جَبَّارٍ عَیۡدِ ﴿۱۵﴾ مِنْۢ وَّمَرَّآئِہٖ جَهَنَّمَ ۚ وَیَسْقٰی

طلب کی اور ناکام ہوا ہر شکر شخص اس کے آگے جہنم سے اور پلایا جائے گا

مِنْ مَّآءٍ صَدِیۡدٍ ﴿۱۶﴾ یَتَجَرَّعُہٗ وَلَا یَکَادُ لِیَسِیۡفَہٗ وَیَاۡتِیۡہٗ

اس کو پیپ بدبودار اس کے گھونٹ گھونٹ لے گا اور پی نہ سکے گا اور اس پر موت

الْمَوۡتُ مِنْۢ کُلِّ مَکَانَ ۚ وَمَا هُوَ بِمِیۡتٍ ۚ وَمِنْ وَّرَآئِہٖ عَذَابٌ

ہر طرف سے آئے گی اور وہ مرے گا نہیں اور اس کے آگے اور سخت عذاب

مِنْ قَوَادِیۡہٖ۔ یہ لفظ لغات اُضداد میں سے ہے آگے اور پیچھے دونو معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔
مَاءٍ صَدِیۡدٍ۔ امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ اس سے مراد زانیوں کی شرمگاہ کا غلیظ پانی اور
جناب رسالت مآب سے مروی ہے کہ جب یہ پانی ان کو دیا جائے گا تو وہ ناپسند کریں گے جب منہ سے نکالیں
گے تو منہ جل جائے گا اور کھوپڑی اتر جائے گی جب پئے گا تو انہیں ٹوٹ جائیں گی اور یہ ڈبر کے راستے سے
نکل جائے گا اور آپ نے فرمایا جو شخص شراب پئے چالیس روز تک اس کی نماز قبول نہیں ہوتی اور اسی حال میں
مرے گا تو اس کو جہنم میں ہی پانی پلایا جائے گا۔

یَاۡتِیۡہٗ مِنَ الْمَوۡتِ۔ یعنی ہر طرف سے عذاب اس کو گھیرے گا کہ دنیا میں اس کا معمولی حصہ بھی موت کا باعث
بن جاتا لیکن وہاں وہ عذاب میں مبتلا رہے گا اور موت نہ آئے گی کیونکہ موت عذاب میں تخفیف کا باعث ہو جاتی ہے
مَثَلُ الَّذِیۡنَ۔ یعنی کفار کے اعمال بروز محشر قابل جزا نہ ہوں گے پس ان کے پاس سوائے حسرت کے اور
کچھ نہ ہوگا۔

غَيْظٌ ①۶ مَثَلُ الَّذِينَ كَفَرُوا بِرَبِّهِمْ أَعْمَالُهُمْ كَمَا رَمَوْا

ہرگا مثل ان کی جنموں نے کفر کیا اپنے رب سے ان کے عمل مثل اس خاکستر کے ہیں

أَشَدَّتْ بِهِ الرِّيحُ فِي يَوْمٍ عَاصِفٍ لَا يَقْدِرُونَ مِمَّا كَسَبُوا

جس کو ہوا اٹالے جائے تیز آندھی کے دن نہ نفع حاصل کر سکیں گے اپنے کمائے

عَلَى شَيْءٍ ذَلِكَ هُوَ الضَّلَالُ الْبَعِيدُ ①۷ أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ خَلَقَ

سے کچھ بھی یہ محرومی بہت سخت ہے کیا تم دیکھتے نہیں تحقیق اللہ نے پیدا کیا

السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ بِالْحَقِّ ۗ إِن لَّشَآئِدٌ هَبِكُمْ وَيَأْتِ بِخَلْقِ

آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ اگر وہ چاہے تو تم کو ختم کر دے اور نئی مخلوق کو

جَدِيدٍ ①۹ وَمَا ذَلِكُ عَلَى اللَّهِ بِعَزِيزٍ ②۰ وَبَرَزُوا لِلَّهِ

لے آئے اور نہیں یہ بات اللہ پر نامشکنی اور لگ نکل آئیں گے اللہ

جَمِيعًا فَقَالَ الضُّعَفَاءُ لِلَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا إِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا

کے سامنے سب تو کہیں گے کزدر بڑے بڑوں کو تحقیق ہم تو تمہارے پیچھے تھے

بِالْحَقِّ۔ یعنی آسمانوں اور زمینوں کی پیدائش عبث نہیں ہے بلکہ خدا نے اپنی مشیت اور حکمت سے ہی اس کو درست اور سجا خلق فرمایا ہے۔

خداوند علیم و حکیم نے تقریباً ہر سورہ قرآنی میں اکثر مقامات پر جہاں بھی اپنے وجود پر دلیل و برہان قائم فرمائی ہے اور اپنی عبادت کے لئے لوگوں کو دعوت دی ہے اپنا خالق ہونا ضرور بیان کیا ہے تاکہ

لوگ مسئلہ خلق کو سمجھ کر دعوت توحید کو سمجھیں لیکن دور حاضر میں قوم شیعہ پر سخت ترین آزمائش کا مقام ہے کہ قومی و مذہبی منبر پر ایسے طالع آزمابدضمیر دین فروش اور مذہب کے اصول و فروع سے اعلانیہ بغاوت کرنے والے لوگ

مسلط ہو چکے ہیں جن کے ہاتھ میں مذہب ایک کھلونے سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا اور ان کی نگاہوں میں دین کا لباس صرف سادہ لوح انسانوں سے مفاد حاصل کرنے کا ذریعہ ہے اس سلسلہ میں بعض علماء رسو بھی شامل

ہیں جنہوں نے منظم طور پر دین کی بنیاد کو کھوکھلا کرنے کا پروگرام مرتب کیا ہے اس سے قبل علمائے اعلام اس بات

فَمَلُّ أَنْتُمْ مَغْنُونٌ عَنَّا مِنْ عَذَابِ اللَّهِ مِنْ شَيْءٍ قَالُوا

پس کیا تم بچاؤ گے ہمیں اللہ کے عذاب سے کچھ تو وہ کہیں گے کہ اگر اللہ نے ہمیں بچالیا تو ہم بھی

لَوْ هَدَانَا اللَّهُ لَهَدَيْنَاكُمْ سَوَاءٌ عَلَيْنَا أَجْرُنَا أَمْ

تم کو بچالیں گے برابر ہے کہ ہم جزع فرزع کریں یا صبر کریں ہمارا

صَبْرُنَا مَا لَنَا مِنْ مَحِيصٍ ۝ وَقَالَ الشَّيْطَانُ لَمَّا

چھٹکارا نہیں ہے اور اب میں کہے گا جب فیصد ہو

قُضِيَ الْأَمْرُ إِنَّ اللَّهَ وَعَدَكُمْ وَعَدَ الْحَقُّ وَ

جائے گا کہ تحقیق اللہ نے تم سے سچا وعدہ کیا تھا اور

سے نالاں تھے کہ نااہل لوگوں نے گانے کو فضائل آل محمد کے بہانے سے مذہبی و دینی رواج سمجھ رکھا ہے کہ ہر گلوکار منبر حسین پر سوار ہو گیا اب جبہ پوش علماء سوہ نے دین سے باغی کرنے کے لئے منبر حسین کو آلہ کار بنایا ہے چنانچہ آیات قرآنی کی کھل کر مخالفت کی جاتی ہے اور حد یہ کہ خدا کی خالقیت اور رازقیت بلکہ اس کی جملہ صفات مخصوصہ کو چیلنج کیا جاتا ہے اور آل محمد کو خدا کا شریک ثابت کرنے میں ایڑی چوٹی کا زور لگایا جاتا ہے بلکہ بیانگ دہل یہ فقرے کہے جاتے ہیں کہ خدا نے ان کو پیدا کیا اور انہوں نے سب مخلوق کو پیدا کیا حالانکہ آل محمد خود ان مشرک و عقائد سے بری و بیزار ہیں اور ایسے عقائد والوں پر وہ لعنت کرتے ہیں۔ اب حالت یہ ہے کہ علماء سوہ کے خطابیات سے متاثر ہو کر گلوکار طبقہ نے بھی کھل کر توحید سے نبوہ آزمائی کو اپنا محبوب مشغلہ بنایا ہے۔ غلط سلسلہ روایات کو اس میں مذہب قرار دیکر عوام کیلئے گمراہی کا سامان خوب فراہم کیا گیا ہے۔ اسی داستان کو قرآن دہرا رہا ہے کہ کفر و عوام اس قسم کے متکبرین علمائے سوہ اور دیگر مشوایان قوم اور صاحبان منبر حضرات سے خواہش کریں گے کہ ہم نے تمہارے پیچھے پڑ کر اپنے دین نکلتا ہوں کیا تھا کیا اب تم ہم کو عذاب سے چھڑا سکتے ہو تو وہ کہیں گے کہ ہم خود مبتلائے عذاب ہیں تو تم کو کیسے چھڑائیں؟ آخر میں مایوس ہو کر کہیں گے کہ ہماری جزع فرزع سے کچھ نہیں بنا لہذا ہمارے لیے کوئی چھٹکارا نہیں ہے۔ بے شک دنیا میں علمائے اعلام اگر توحید پر در دگار کا علم بلند کریں اور آئمہ طاہرین کے ارشادات کو پیش کریں تو دین سے باغی گروہ ان کو دہلی و دشمن اہل بیت کے بڑے القاب سے یاد کر کے عوام کو ان کے خلاف بھڑکائیتا ہے اور اپنا دنیاوی مفاد حاصل کرنے میں اسے کامیابی حاصل ہو جاتی ہے لیکن بارگاہ پروردگار میں جب یہ معاملہ پیش ہوگا تو وہاں سچا پاس و حسرت کے اور کچھ ان کے پاس نہ ہوگا۔

وَعَدْتُمْ فَأَخْلَفْتُمْ وَمَا كَانَ لِي عَلَيْكُمْ مِنْ سُلْطٰنٍ اِلَّا اَنْ

میں نے جو وعدہ کیا تھا اس کو پورا نہیں کیا اور میں نے تم کو زبردستی سے نہیں کہا تھا مگر یہ کہ میں نے

دَعْوَتَكُمْ فَاَسْتَجَبْتُمْ لِي فَلَاقِلْوَمُوْنِيْ وَلَوْ مَوَّآ اَنفُسَكُمْ مَا

صرف دعوت دی اور تم نے قبول کر لی پس مجھے ملامت نہ کرو اور اپنے نفسوں کو ملامت کرو اب نہ

اَنَا بِبَصْرِكُمْ وَمَا اَنْتُمْ بِبَصْرِخِيْ اِنِّيْ كَفَرْتُ بِمَا اَشْرَكْتُمْ

میں تمہاری فریاد سن سکتا ہوں اور نہ تم میری سن سکتے ہو میں تو انکاری ہوں اس کا جو تم نے مجھے شریک بنا لیا

مِنْ قَبْلُ اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۲۲﴾ وَاَدْخِلِ الَّذِيْنَ

اللہ کا اس سے پہلے تھیں ظالموں کے لئے وہ تک عذاب ہوگا اور داخل کئے جائیں گے وہ

اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنَّتِ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ

جنہوں نے ایمان کے ساتھ نیک عمل کئے بہشت میں کہ بہتی ہیں ان کے نیچے نہیں

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ تَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلَامٌ ﴿۲۳﴾

وہ اللہ کے اذن سے اس میں ہمیشہ رہیں گے ان کا آپس میں تحیہ سلام ہوگا

وَقَالَ الشَّيْطٰنُ - تفسیر برہان میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ ابلیس کو ستر طوق
رکوع نمبر ۱۶ اور ستر جولانوں کے ساتھ مشور کیا جائے گا۔ لیکن ایک دوسرے شخص کو ایک سو بیس طوقوں اور

جولانوں کے ساتھ لایا جائے گا تو شیطان ازراہ حیرت پوچھے گا یہ دوسرا میرا ثانی کون ہے تو کہا جائے گا یہ وہ ہے جس

نے غسلی پر لغات کی تھی شیطان کہے گا مجھے تو اس دن سے اس کی معرفت ہو گئی تھی جب مجھے کہا گیا تھا کہ میرے

خالص بندوں پر تجھے دسترس حاصل نہ ہوگی۔ تو نے ان کی دشمنی کا بھاری کئے اٹھایا تو وہ کہے گا کہ تیرے کہنے سے

میں نے یہ کام کیا تھا پس شیطان کہے گا اللہ نے جو وعدہ کیا تھا وہ ٹھیک تھا اور میرا وعدہ غلط ہے الخ۔ بیشک ہر وہ

آدمی جو شیطان کی دعوت پر اللہ کے دین اور دین والوں سے دشمنی کرے گا تو شیطان بروزی قیامت اس سے بیزار ہوگا

اور یہ شخص بخول اور شرمسار ہوگا۔

شجرہ طیّہ اور شجرہ بخیمہ اَلْمَدَّتْ ص ۱۵۴۔ ان آیتوں میں کلمہ طیّہ سے مراد کلمہ توحید و نبوت و ولایت ہے یعنی

أَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ

کیا تم دیکھتے نہیں کس طرح بیاں کی اللہ نے مثال کلمہ طیبہ (ایمان) کہ وہ مثل پاکیزہ درخت کے ہے

أَصْلُهَا ثَابِتٌ وَفَرْعُهَا فِي السَّمَاءِ ۝۲۴ تُوْتِي

جس کی اصل ثابت ہو اور اسکی شاخ آسمان میں ہو کہ دے وہ

أَكْلَهَا كُلَّ حِينٍ بِأُذُنٍ رَّبِّهَا وَيُضْرَبُ اللَّهُ الْأَمْثَالَ لِلنَّاسِ

اپنا پھل ہر وقت باذن پروردگار اور بیان کرتا ہے اللہ مثالیں لوگوں کے لئے تاکہ

لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ۝۲۵ وَمَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيثَةٍ كَشَجَرَةٍ خَبِيثَةٍ

وہ نصیحت حاصل کریں اور مثال کلمہ خبیثہ (کفر) کی مثل درخت خبیث کے ہے جو

يُجْتَثُّ مِنْ فَوْقِ الْأَرْضِ مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ ۝۲۶ يَثْبُتُ اللَّهُ

اکھاٹا جائے زمین کے اوپر سے جس کی کوئی جڑ نہ ہو اور ثابت کرتا ہے اللہ

الَّذِينَ آمَنُوا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ

ایمان الیکبر ساتھ قول ثابت کے زندگی دنیا میں اور آخرت میں

وَيُضِلُّ اللَّهُ الظَّالِمِينَ وَيَفْعَلُ اللَّهُ مَا يَشَاءُ ۝۲۷ أَلَمْ تَرَ

اور راہ حق سے دور کرتا ہے ظالموں کو اور خدا جو چاہتا ہے کرتا ہے کیا تم نے نہیں دیکھا

ایمان کی تعبیر ہے کلمہ طیبہ اور کلمہ خبیثہ سے مراد ہے عقیدہ کفر پس کلمہ طیبہ کی مثال عقولِ انسانیہ سے مطلب کو قیام
ترک کرنے کے لئے پاکیزہ درخت کو قرار دیا جیسے کھجور کا درخت مثلاً کہ اس کی جڑیں زمین میں ثابت ہوتی ہیں کہ تیز سے
تیز آندھیاں اور طوفان اس کو گرا نہیں سکتے اور اس کی شاخیں آسمان کی طرف بلند ہوتی ہیں اور اذن پروردگار سے
وہ چھ ماہ کے بعد پکتا ہے اور لوگوں کو فائدہ پہنچاتا ہے۔ ویسے تو حین کا معنی ہے وقت خواہ کوئی سا وقت ہو لیکن
یہاں چھ ماہ کا عرصہ مراد ہے کیونکہ کھجور کا پھل چھ ماہ میں پکتا ہے اسی طرح ہر میوہ کے لئے اپنا اپنا وقت ہوا کرتا ہے۔
حتیٰ کہ علامہ حلّی سے قواعد میں مذکور ہے اگر کوئی شخص نذر کرے کہ میں ایک حین تک روزہ رکھوں گا تو چھ ماہ کے

روزے اس پر واجب ہوں گے۔ اور اسی آیت مجیدہ کی ذیلی احادیث سے انہوں نے استدلال کیا ہے۔ پس اسی طرح ایمان کی اصول مومن کے دل میں اس طرح ثابت ہوتی ہیں کہ کفر و الحاد کی تیز سے تیز تر آندھیاں اور دین سے باغی عناصر اور علمائے سحر کی چکنی چٹری باتیں غرضیکہ اہل باطل کے باطل پرور اور ایمان سوز نعرے اور ان کی بے انتہا دھاندلیوں اور بد تمیزیوں کے طوفان مومن کے دل میں جھے ہوئے اصول عقائد کو متزلزل نہیں کر سکتے پس اس کی شاخیں یعنی مقام عمل میں اس کا ثواب آسمان تک پہنچتا ہے اور وہ اس کی برکات و لذات سے ہر وقت بہرہ ور ہوتا رہتا ہے۔ احادیث آئمہ میں متواتر طور پر اس کی تاویل یہ بیان کی گئی ہے۔ چنانچہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ حضور رسالت مآب نے فرمایا میں شجرہ طیبہ کی اصل ہوں علی فرع ہے اور آئمہ اس کی شاخیں ہیں اور آئمہ کا علم اس کا پھل ہے اور شیعیان آل محمد اس کے پتے ہیں آخر میں آپ نے فرمایا۔ جب کوئی شیعہ پیدا ہوتا ہے تو اس درخت میں ایک نیا پتہ اُگ آتا ہے اور جب کوئی شیعہ مرتا ہے تو اس کا ایک پتہ گر جاتا ہے۔

اسی طرح کلمہ خبیثہ یعنی کلمہ کفر کی مثال ہے زمین پر پڑی ہوئی وہ ردی بوٹیاں جن کی جڑیں نہیں ہوتیں وہ ایک جگہ سے دوسری جگہ تک آسانی سے منتقل ہو جاتی ہیں اور ہواؤں کے معمولی جھونکے ان کو تھس تھس کر دیتے ہیں اور احادیث آئمہ میں متواتر منقول ہے کہ اس کی تاویل بنی امیہ میں ہے۔

عالم برزخ کا حال **وَيُثَبِّتُ اللَّهُ** یعنی مومنوں کو خدا قول ثابت پر یعنی کلمہ ایمان پر ثابت رکھتا ہے پس وہ دنیا میں بھی لغزش نہیں کرتا اور آخرت کی نعمات سے بھی ہم کنار رہتا ہے چنانچہ تفاسیر میں سچا

کافی شریف سوید بن غفلہ سے مروی ہے کہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا۔ انسان کی موت کے وقت اس کے مال اولاد اور عمل کی صورتیں اس کے سامنے آتی ہیں پس مال سے مخاطب ہو کر کہتا ہے کہ میں نے بڑی محنت سے تجھے جمع کیا تھا اب تو میری کیا مدد کرے گا تو وہ جواب دے گا کہ مجھ سے صرف کفن ہی لے سکتا ہے اور بس۔ پھر اولاد کی طرف مخاطب ہو گا کہ میں نے زندگی بھر تمہاری خدمت کی اب تم میری کیا مدد کرو گے تو وہ جواب دیں گے کہ ہم قرین دفن کر کے واپس آجائیں گے۔ پھر عمل سے خطاب کرے گا کہ خدا کی قسم میں تجھ سے لاپرواہ تھا اور تو مجھے اس وقت تاوان معلوم ہوتا تھا لیکن اب امداد کا محتاج ہوں کیا تو کچھ کر سکے گا تو جواب ملے گا کہ قبر و حشر اور دہر بار خداوندی میں تیرے ساتھ ہوں گا۔ پس اگر وہ مومن ہو گا تو بہت شائستہ اور خوبصورت منظر کے ساتھ اس کے سامنے آئے گا اور اس کو جنت کی بشارت دے گا۔ مومن پوچھے گا تو کون ہے؟ تو وہ جواب دے گا میں تیرا نیک عمل ہوں۔ وہ غسل دینے والے اور میت کو اٹھانے والوں کو پہچانتا ہے اور ان کو جلدی کی تلقین کرتا ہے۔ پس جب قبر میں پہنچتا ہے تو دو فرشتے آتے ہیں جن کے بال اور دانت زمین تک پہنچتے ہیں ان کی آواز رعد کی کڑک اور ان کی آنکھیں بجلی کی چمک پیدا کرتی ہیں اور روایت عیاشی حضرت صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ وہ منکر و نیکر کو تک اس میں روح داخل

إِلَى الَّذِينَ بَدَّلُوا نِعْمَتَ اللَّهِ كُفْرًا وَحَلُّوا قَوْمَهُمْ هَادِرًا ۖ الْبَوَارِ ۙ (۲۸)

ان لوگوں کو جنہوں نے تبدیل کیا اللہ کی نعمت کو کفر سے اور اتارا اپنی قوم کو ہلاکت کے گھر میں

جَهَنَّمَ يَصْلَوْنَهَا وَيَبِسُ الْقَرَارُ ۙ (۲۹) وَجَعَلُوا لِلَّهِ أَنْدَادًا

یعنی دوزخ جس میں جلیں گے اور وہ بڑا ٹھکانا ہے اور انہوں نے بتائے اللہ کے شریک

لِيُضِلُّوا عَنْ سَبِيلِهِ ۗ قُلْ تَمَتَّعُوا فَإِن مَّصِيرِكُمْ إِلَى النَّارِ ۙ (۳۰)

تاکہ گمراہ کریں اس کے راستہ سے کہہ دو کہ فائدہ اٹھا لو پس تحقیق تمہاری بازگشت جہنم ہے

قُلْ لِعِبَادِيَ الَّذِينَ آمَنُوا يُقِيمُوا الصَّلَاةَ وَيُنْفِقُوا مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ

کہہ دو میرے ان بندوں کو جو ایمان لائے کہ قائم کریں نماز کو اور خرچ کریں اُس سے جو ہم نے ان کو رزق دیا ہے

کر کے اس کو سیدھا بٹھائیں گے اور پوچھیں گے تیرا رب کون ہے؟ کہے گا کہ اللہ۔ وہ پوچھیں گے تیرا نبی کون ہے؟ جواب دے گا کہ محمد مصطفیٰ ہے اور پوچھیں گے تیرا دین کیا ہے؟ کہے گا کہ اسلام ہے۔ پھر پوچھیں گے کہ تیرا امام کون ہے؟ تو جواب دے گا کہ علی ہے پس ندا آئے گی کہ میرا بندہ پیچ کہہ رہا ہے اس کو جنت کا بستر دے دو اور جنت کا لباس بھی پیش کرو اور اس کی قبر میں جنت کی طرف دروازہ کھول دو۔ پس پہلی بیوی کی بنا پر وہ فرشتے اس کو کہیں گے خدا تجھے ثابت رکھے اور اسی کے متعلق خدا فرماتا ہے کہ اللہ ثابت رکھتا ہے ایمان والوں کو قول ثابت پر دنیا و آخرت میں۔ پھر قبر میں نظر کی حد تک وسعت دی جائے گی اور وہ اس کی قبر میں جنت کا دروازہ کھول دیں گے اور کہیں گے کہ آرام سے سو جا جس طرح بے فکر حوان سویا کرتے ہیں اور اگر وہ کافر ہوگا تو وہ عمل بُری شکل میں اس کے پیش ہوگا اور دوزخ کی بشارت دے گا اور قبر میں فرشتے اُس سے رب بنی اور دین کے متعلق پوچھیں گے تو وہ کہے گا مجھ کوئی پتہ نہیں ہے پس اس کے سر پر جہنم کا گرز ماریں گے کہ تمام ذی روح سوائے جنوں اور انسانوں کے اس کی آواز سن کر گھبرا جائیں گے پس اس کے لئے جہنم کا دروازہ کھلے گا جہنم کافر اور جہنم کا لباس اس کو دیا جائے گا۔ جہنم کے سانپ بچھو اس کو کاٹتے رہیں گے اور اس کا دماغ ناخنوں کے راستے سے پگھل کر باہر آئے گا اور تاقیام قیامت اسی میں گرفتار رہیگا۔ نَعُوذُ بِاللَّهِ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ۔

الفتر۔ ان لوگوں کی مذمت ہے جنہوں نے نعمت پروردگار کے بدلہ میں، سچائے شکر کے کفران
نعمت کیا۔ تفسیر برہان میں ہے بروایت اصبخ بن نباتہ حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام نے فرمایا۔ بندوں پر اللہ کی عطا کردہ نعمت ہم ہیں اور قیامت کے روز جو کامیاب ہوگا پس وہ ہماری وجہ سے ہی ہوگا۔

رکوع نمبر ۱۱

سِرًّا وَعَلَانِيَةً مِّن قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَ يَوْمٌ لَا بَيْعٌ فِيهِ وَلَا خِلَالٌ ﴿۳۱﴾

چھپ کر جس اور ظاہر بھی پہلے اس کے کہ آئے وہ دن جس میں نہ سودا بازی ہوگی اور نہ دوستانہ مراسم

اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَأَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجَ

نائدہ دیں گے اللہ وہ ہے جس نے پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو اور اتارا آسمان سے پانی پس پیدا کیا

بِهِ مِنَ الثَّمَرَاتِ رِزْقًا لَّكُمْ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْفُلْكَ لِتَجْرِيَ فِي

اس کے ذریعہ سے پھلوں سے تمہارا رزق اور میطع کیا تمہارے لئے کشتیوں کو کہ چلیں سمندر میں اس کے

الْبَحْرِ بِأَمْرِهِ ۗ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْأَرْضَ ۗ ﴿۳۲﴾ وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ

اذن سے اور میطع کیا تمہارے لئے دریاؤں کو اور میطع کیا تمہارے لئے سورج اور چاند

وَالْقَمَرَ ۗ وَإِبْرَاهِيمَ ۖ وَسَخَّرَ لَكُمُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۗ ﴿۳۳﴾ وَآتَكُمْ مِّن

کو عادت چاریہ کے ساتھ اور میطع کیا تمہارے لئے رات اور دن کو اور تمہیں دیا ہر اس چیز

كُلِّ مَا سَأَلْتُمُوهُ وَإِن تَعُدُّوا نِعْمَتَ اللَّهِ لَا تَحْصُوهَا ۗ إِنَّ

سے جو تم نے سوال کیا اُس سے اور اگر گنے لگو اللہ کی نعمتوں کو تو شمار نہ کر سکو گے تحقیق

الْإِنْسَانَ لظَلُومًا كَفَّارًا ۗ ﴿۳۴﴾ وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ اجْعَلْ هَذَا

انسان بہت ظلم کرنے والا ہے شکر ہے اور جب کہا ابراہیم نے اے رب کہ اس شہر کو امن والا

الْبَلَدَ آمِنًا وَاجْنُبْنِي وَبَنِيَّ أَنْ نَعْبُدَ الْأَصْنَامَ ۗ ﴿۳۵﴾

شہر اور بچاؤ مجھے اور میری اولاد کو اس سے کہ عبادت کریں بتوں کی

وَيَسْفِقُوا - تفسیر مجمع البیان میں ہے مستحب صدقات خفیہ دینے یا نوافل خفیہ ادا کئے جائیں تاکہ ریاکاری

کی تہمت سے بچ جائے اور فرائض کو اعلانیہ ادا کیا جائے تاکہ تارک واجبات نہ سمجھا جائے۔

اللَّهُ الَّذِي - خدا نے اپنی معرفت کے لئے پھر مسئلہ خلق کو دہرایا ہے کہ اللہ وہ ہے جس نے سب کچھ پیدا کیا

الجزء اور تمام چیزوں کے شمار کے بعد دیدہ دانستہ انکار کرنے والوں یا اور تاویل نکالنے والوں کو ظالم اور کفار کے لفظ سے یاد

رَبِّ اِنَّهُمْ اَضَلُّنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ فَمَنْ تَبِعَنِ فَاِنَّهٗ

اے رب تحقیق انہوں نے گمراہ کیا بہتوں کو لوگوں سے پس جو میری اتباع کرے گا

مِنِّيْ ۚ وَمَنْ عَصَانِيْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۳۶﴾ رَبَّنَا اِنَّا

تو وہ مجھ سے ہوگا اور جو میری نافرمانی کرے گا تو تو ہی بخشنے والا رحیم ہے اے رب تحقیق میں نے

اَسْكَنْتُ مِنْ دُوْرِيْتِيْ بُوَادٍ غَيْرِ ذِيْ زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ ۙ

بھڑائی ہے اپنی اولاد ایک وادی غیر آباد میں تیرے عزت والے گھر کے پاس

رَبَّنَا لِيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ فَاَجْعَلْ اَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِيْ

تاکہ قائم کریں نماز کو پس کہ لوگوں کے دلوں کو کہ مائل ہوں ان کی

اِلَيْهِمْ ۚ وَاَرْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ شٰكِرُوْنَ ﴿۳۷﴾

طرف اور ان کو رزق دے پھلوں سے تاکہ وہ شکر گزار ہوں

فرمایا۔

وَاَتَاكُمْۙ یعنی انسان جو جو چیزیں مانگتا ہے۔ مثلاً رزق۔ تندرستی۔ مال۔ گھر۔ دولت اور نبوی سچے وغیرہ اُس نے

یہ سب عطا فرمائی ہیں بلکہ اگر شمار کرنا چاہو تو اس کی نعمات حد و حساب سے باہر ہیں۔ غالباً مقصد یہ ہے کہ جو چیزیں

مانگتے ہیں اس نے بے مانگے عطا فرمائی ہیں پس وہ لائق شکر ہے۔

رَبِّ اجْعَلْ۔ اس مقام پر بلد سے مراد مکہ مکرمہ ہے جب حضرت ابراہیم علیہ السلام تعمیر کعبہ سے

رکوع نمبر ۱۸ | فارغ ہو چکے تو یہ دعا مانگی۔ اس کی تفصیل تفسیر کی دوسری جلد ص ۲۱ پر مذکور ہے۔ وہاں بلداً

مکہ مستعمل ہے اور یہاں البلد الف دلام عہد خارجی سے معرفہ کیا گیا ہے کیونکہ مکہ جب مکرر ذکر کیا جائے تو دوسری

دفعہ اس پر الف دلام کا داخل کرنا قاعدہ عربی کا تقاضا ہے۔

وَاجْبُلُنِيْ۔ چونکہ آپ نے جب اولاد کے لئے امامت کی دعا کی تھی اور جواب ملا تھا کہ وہ ظالموں کو نہیں

مل سکتی تو چونکہ شرک سب ظلموں سے بڑا ظلم ہے اس لئے اپنی اولاد کے لئے شرک سے بچنے کی دعا کر رہے ہیں

اور اپنے آپ کو اس میں شریک کرنے کا مقصد صرف ثابت قدمی کی توفیق طلب کرنا ہے جس طرح اھدنا میں

ہدایت پر برقرار رہنے کی دعا مطلوب ہوتی ہے۔ پھر فرمایا کہ ان بتوں نے بہت سوں کو گمراہ کر رکھا ہے مقصد یہ ہے

رَبَّنَا إِنَّكَ تَعْلَمُ مَا نُخْفِي وَمَا نُعْلِنُ وَمَا يَخْفَىٰ عَلَى اللَّهِ مِنْ شَيْءٍ

اے رب تحقیق تو جانتا ہے جو ہم چھپائیں یا ظاہر کریں اور نہیں مخفی رہتی اللہ پر کوئی چیز

فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ ﴿۳۸﴾ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي وَهَبَ لِي عَلَى الْكِبَرِ

زمین میں نہ آسمان میں حمد ہے اس اللہ کی جس نے بچشا مجھے بڑھاپے میں

إِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ إِنَّ رَبِّي لَسَمِيعُ الدُّعَاءِ ﴿۳۹﴾ رَبِّ اجْعَلْنِي

اسماعیل اور اسحاق تحقیق میرا رب دعا کا سننے والا ہے اے رب کر مجھے ادا

مُقِيمَ الصَّلَاةِ وَمِنْ ذُرِّيَّتِي رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَاءِ ﴿۴۰﴾ رَبَّنَا

کرنے والا نماز کا اور میری اولاد میں سے اے رب تو قبول کر دعا کو اے رب

کہ ان کی وجہ سے بہت سے لوگ گمراہ ہوتے ہیں۔ پس نسبت مجازی ہے جس طرح خدایا قرآن کی طرف یہ نسبت مجاز ہوا کرتی ہے۔

أَسْأَلُكَ - اسماعیل اور اس کی والدہ ہاجرہ کو مکہ کی زمین میں ٹھہرانے کا قصہ تفسیر کی دوسری جلد ص ۲۱۳ پر گزرا ہے۔

بَيْتِكَ الْحَرَامِ - جب حضرت ابراہیم نے یہ دعا مانگی اس وقت یہ گھرنہ بنا تھا بلکہ جب اسماعیل جوان ہونے تو کعبہ کی تعمیر کی گئی۔ پس مقصد یہ ہے کہ تیرے بننے والے گھر کے قریب میں اپنی ذریت کو چھوڑ کر جا رہا ہوں کیونکہ حضرت ابراہیم کو یہ بات معلوم تھی کہ یہاں بیت اللہ بنا ہے یا یہ کہ بیت اللہ پہلے موجود تھا پس طسم و جلیس کے قبیلوں نے منہدم کر دیا تھا یا یہ کہ طوفان نوح کے زمانہ میں اوپر اٹھایا گیا تھا پس یہاں گھر سے مراد ہے گھر کا مقام وقوع۔ فَاجْعَلْ أَفْئِدَةً لِّلرَّغْوَىٰ كَافَّةً۔ لوگوں کے دلوں کو مائل کرنے کی دعا اس لئے کی تاکہ ان کی روزی کشادہ ہو ورنہ اگر لوگوں کے دل حج و عمرہ کی غرض سے یا تجارت کی نیت سے اس طرف مائل نہ ہوں تو وہاں کے لوگوں کے لئے زندگی مشکل ہو جائے۔ مِنَ النَّاسِ۔ پر من بعضیہ لگا دیا۔ پس دعا کو مسلمانوں کے لئے خاص کر دیا ورنہ یہود و نصاریٰ و مجوس کی کثرت سے مکہ میں جگہ تنگ ہو جاتی اور حضرت ابراہیم کی دعا کا نتیجہ ہے کہ ہر موسم میں مکہ میں ہر ملک کا تازہ پھل موجود ہوتا ہے۔

عَلَى الْكِبَرِ۔ بڑھاپے کے زمانہ میں آپ کو اولاد عطا ہوئی۔ چنانچہ تفسیر مجمع البیان میں ہے جب آپ کی عمر

اعْفُرْ لِيْ وَ لِوَالِدَيَّْ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ يَقُوْمُ الْحِسَابُ ﴿١١﴾

مجھے بخش اور میرے والدین کو بخش اور مومنوں کو جس دن قائم ہو حساب

وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ اِنَّمَا يُؤَخِّرُهُمْ

اور نہ سمجھو خدا کو غافل اس سے جو ظالم کرتے ہیں سوائے اس کے نہیں ان کو

هُمَّ لِيَوْمٍ تَشْخَصُ فِيْهِ الْاَبْصَارُ ﴿١٢﴾ مَهْطِعِيْنَ مُقْنِعِيْ

مہلت دیتا ہے اس دن کے لئے جس دن ٹٹلے گی آنکھیں جلدی کرنے والے ہوں گے سروں کو

رُءُوْسِهِمْ لَا يَرْتَدُّ اِلَيْهِمْ ظَرْفُهُمْ وَاَفْدَتْهُمُ هَوَاءُ

انہیں بلند کر نہ لے ہوں گے کہ ان کی نظر رہوں محشر سے واپس نہ پلٹے گی اور ان کے دل خالی ہوں گے

وَاَنْذِرِ النَّاسَ يَوْمَ تَأْتِيهِمُ الْعَذَابُ فَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا

اور ڈراؤ لوگوں کو جس دن آئے گا ان پر عذاب تو کہیں گے وہ جو ظالم ہیں

رَبَّنَا اٰخِرْنَا اِلَىٰ اَجَلٍ قَرِيْبٍ لَّحَبْ دَعْوَتِكَ وَنَتَّبِعِ

اے پروردگار ہمیں مہلت دے ایک وقت قریب تک ہم تیری بات مانیں گے اور رسولوں

الرُّسُلِ اَوْلَمَ تَكُوْنُوْا اَقْسَمْتُمْ مِنْ قَبْلِ مَا لَكُمْ مِنْ زَوَالِ

کی اطاعت کرنے کے (ترجیب ملے گا) کیا تم قسم نہیں کھالی تھی پہلے (دنیا میں) کہ تمہاری یہاں سے جانا نہ ہوگا

۹۹ برس تھی تو حضرت اسمعیل پیدا ہوئے اور جب آپ کی عمر ۱۱۲ برس تھی تو حضرت اسحاق پیدا ہوئے اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت اسمعیل حضرت اسحاق سے سن و سال میں ۱۳ برس بزرگ تھے اور بعض روایات میں حضرت اسحاق کا بڑا ہونا بھی مذکور ہے۔ اور حضرت ابراہیم کا ایک تیسرا لڑکا بھی بعض کتب میں منقول ہے جس کا نام مدین تھا۔

مروی ہے کہ جب آپ نے دعا مانگی کہ لوگوں کے دلوں کو میری اولاد کی جائے سکونت کی طرف پھیر دے تو حکم ہوا کہ کوہ البقیس پر چڑھ کر لوگوں کو دعوت دو چنانچہ آپ نے کوہ البقیس پر کھڑے ہو کر حج بیت اللہ

وَسَكَنُوا فِي مَسْكِنٍ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَنفُسَهُمْ وَتَبَيَّنَ لَكُمْ

اور مسکن ہو کر بیٹھ گئے ان لوگوں کے گھروں میں جنہوں نے اپنے اور پر ظلم کیا اور تم کو معلوم تھا کہ ہم نے

كَيْفَ فَعَلْنَا بِهِمْ وَضَرَبْنَا لَكُمُ الْأَمْثَالَ ۝۴۵ وَقَدْ مَكَرُوا

ان کے ساتھ کیا سوکھ کیا اور ہم نے تم کو ان کی مثالیں دی تھیں اور تحقیق مکر کیا

مَكَرَهُمْ وَعِنْدَ اللَّهِ مَكْرُهُمْ وَإِنْ كَانَ مَكْرُهُمْ لِتَزُولَ

انہوں نے بڑا مکر اور اللہ کے پاس محفوظ ہے ان کا مکر اور اگرچہ مکر ان کا ایسا ہو کہ اس کے ذریعہ

مِنْهُ الْجِبَالُ ۝۴۶ فَلَا تَحْسَبَنَّ اللَّهَ مُخْلِفًا وَعْدِهِ ۝۴۷ إِنَّ

پہاڑے منزلزل ہو جائیں پس نہ خیال کرو اللہ کو کہ خلاف کرے گا اپنے اس وعدہ کا جو اس نے سوار کیا تحقیق

اللَّهُ عَزِيزٌ ذُو انْتِقَامٍ ۝۴۸ يَوْمَ تَبْدُلُ الْأَرْضَ غَيْرَ الْأَرْضِ

اللہ غالب انتقام لینے والا ہے جس دن بدلی جائے گی زمین علاوہ اس زمین کے اور

وَالسَّمَاوَاتِ وَبَرَزُوا لِلَّهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ۝۴۹ وَتَرَى الْمُجْرِمِينَ

آسمان بھی اور سب لوگ نکلیں گے اللہ کے سامنے جو واحد قہار ہے اور دیکھو گے مجرم لوگوں کو

يَوْمَ يَذُمُّقَرْنِينَ فِي الْأَصْفَادِ ۝۵۰ سَرَّابِلُهُمْ مِّنْ قَطْرَانَ

آس دن بندھا ہوا زنجیروں میں ان پر قمیصیں تارکھل کی ہوں گی اور

وَتَغْشَىٰ وُجُوهُهُمُ النَّارُ ۝۵۱ لِيَجْزِيَ اللَّهُ كُلَّ نَفْسٍ مَّا

ڈھانپے گی ان کے چہروں کو آگ تاکہ جزا دے اللہ ہر نفس کو جو اس نے کمایا

کی طرف لوگوں کو بلایا اور بقدرت خدا مشرق و مغرب تک آپ کی آواز پہنچی حتیٰ کہ قیامت تک ہونے والوں میں سے

جن جن لوگوں کے ارواح نے آپ کی آواز پر لبیک کہی وہی حج پر موفق ہوتا ہے۔ (برہان)

رَبِّ اجْعَلْنِي مِمَّنْ - آپ نے اپنے لئے اور اپنی ذریت کے لئے غازی ہونے کی دعا کی بروایت امام محمد باقر علیہ السلام

كَسَبَتْ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿٥١﴾ هَذَا بَلَّغٌ لِلنَّاسِ

تحقیق اللہ جلد حساب لینے والا ہے یہ قرآن اتمامِ حجت ہے لوگوں کے

وَلِيُنذِرُوْا بِهِ وَلِيَعْلَمُوْا اَنَّ سَمُوۡالَهُ وَاٰحِدٌ وَّ

لئے اور تاکہ اس کے ذریعے سے ڈر جائیں اور جان لیں کہ صرف اللہ ایک ہی ہے اور

لِيَذْكُرْ اَوْلِيَ الْاَلْبَابِ ﴿٥٢﴾ ع ۱۹

تاکہ نصیحت حاصل کریں دانش مند

نے فرمایا ہم ہی حضرت ابراہیم کی ذریت کا بقیہ ہیں۔
تفسیر برہان میں اختصاص مفید سے مروی ہے کہ بنی اُمیہ میں سے ایک شخص جس کا نام سعد تھا۔ عبدالعزیز بن مروان کی اولاد میں سے تھا۔ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام اس کو سعد الخیر کے نام سے یاد فرماتے تھے۔ ایک دن وہ روتا ہوا آیا آپ نے فرمایا کیوں روتے ہو؟ اس نے عرض کی میں اس لئے روتا ہوں کہ میں قرآن میں مذکورہ شجرہ ملعونہ کا فرد ہوں تو آپ نے فرمایا نہیں نہیں تو ہم میں سے ہے اگرچہ نسل کے لحاظ سے اموی ہے۔ دیکھو حضرت ابراہیم کی دعا میں ہے کہ جو میری اطاعت کرے گا وہ مجھ سے ہوگا۔

وَالْوَالِدٰتِ - حضرت ابراہیم کا والدین کی بخشش کے لئے دعا کرنا ان کے مومن ہونے کی دلیل ہے کیونکہ مشرک کی بخشش کی دعا باطل عبث ہے۔

لِيَوْمٍ تَشْخَصُ - یعنی محشر کے ہول و ہیبت کی وجہ سے لوگوں کی آنکھیں کھلیں گی
رکوع نمبر ۱۹ ہول محشر

کھلی رہ جائیں گی اور بلانے والے کی آواز کی طرف جلدی سے دوڑتے ہوئے جائیں گے۔ (مُطَاعِبِينَ) کا معنی تیزی کرنے والے اور ان کے سر بلند ہوں گے آنکھیں آسمان کی طرف لگی ہوں گی۔ نیچے دیکھنے کی ہمت تک نہ ہوگی (اقناع) کا معنی بلند کرنا ہے اور تحیر و عجب کی وجہ سے آنکھیں بند ہونا تو درکنار چھپکانی بھی نہ جا سکیں گی اور ان کے دل ہر محبت تعلق اور رشتہ کی طرف بالکل خالی ہوں گے جس طرح آسمان و زمین کے درمیان ہوا کی حالت ہے بس جنت و جہنم کا تصور تک ان کے دل سے اڑ جائے گا صرف ہیبت و عجب ہی کا منظر ہوگا۔

فَيَقُوْلُ مَا - عذاب کا منظر دیکھ کر ظالم کہیں گے۔ ایک مرتبہ ہمیں واپس دنیا میں جانے کی مہلت دی جائے تو ہم اللہ کی دعوت کو قبول کریں گے لیکن ان کی اس درخواست کو قبول نہیں کیا جائے گا۔

عِنْدَ اللّٰهِ ۱۶۱ یعنی اللہ کے پاس ان کے مکر و فریب کی خبر محفوظ ہے کہ وہ ان کو دیکھا۔

وَ اِنْ كَانَتْ اِن كُو و صلیہ قرار دیا جائے تو معنی یہ ہے کہ اگر ان کے مکر و فریب اس قدر مضبوط تھے کہ ان سے پہاڑ ہل جاتے لیکن قرآن و اسلام کی بنیادیں دیں و برہان کے لحاظ سے اس قدر سختہ ہیں کہ ان کو متزلزل کرنا مشکل تر ہے اور اگر اس کو شرطیہ قرار دیا جائے تو معنی یہ ہے کہ اگر ان کا مکر پہاڑ کو ہلادے تب بھی قواعد اسلام کو نقصان نہیں پہنچا سکتا کیوں کہ دیں و برہان کی رو سے اس کی بنیاد پہاڑوں سے مضبوط تر ہے لیکن ان کا مکر تو پہاڑوں کو گرانے سے بھی قاصر ہے پس وہ اسلام کا کیا بگاڑ سکتا ہے ؟

ہر دور میں مکر و فریب کا لوگ دین والوں سے برس پیکار رہتے ہیں۔ چنانچہ اپنے زمانہ میں فرود نے توحید کو باطل کرنے اور عوام ان اس کو اپنے دام تزویر میں پھنسانے کے لئے یہ ڈھونگ رچایا کہ ایک غبارہ ناصندوق بنایا۔ اور لمبی لمبی لکڑیاں اس کے ساتھ باندھ کر اوپر گوشت باندھ دیا اور پھر اس غبارہ ناصندوق میں خود اپنے وزیر کے ساتھ بیٹھ گیا اور گدیں پکڑوا کر ان کے پاؤں کے ساتھ صندوق کو باندھ دیا اس انداز سے کہ وہ اڑ کر گوشت تک نہ پہنچ سکیں چنانچہ جب انہوں نے گوشت کو دیکھا تو اس کی طرف پرواز کی۔ پس وہ صندوق بھی بلند ہو گیا اور گوشت جو اوپر بندھا ہوا تھا وہ اور اوپر کو بلند ہو گیا۔ بس جو نہی وہ گدیں اوپر پرواز کرتی تھیں صندوق اٹھتا جاتا تھا اور اس کے ساتھ گوشت بھی بلند سے بلند ہوتا جاتا تھا۔ چنانچہ کافی وقت گزر جانے کے بعد فرود سمجھا کہ اب آسمان تک پہنچ گیا ہوں اور پروازہ کھولا تو آسمان اتنا دور نظر آیا جس قدر زمین سے نظر آتا تھا پھر زمین کی طرف کا دروازہ کھولا تو وہ نظر سے غائب تھی۔ پس اوپر جانے سے حوصلہ پست ہو گیا گدوں کو آزاد کر دیا اور صندوق زمین پر آن پہنچا۔

یَوْمَ تَبْدُلُ الْاَرْضَ ۱۶۲۔ تفسیر صافی میں بروایت عیاشی امام زین العابدین سے منقول ہے کہ اس زمین کے علاوہ دوسری زمین لائی جائے گی جس پر کوئی گناہ واقع نہ ہوگا اور وہ بالکل صاف و ہموار ہوگی نہ اس پر پہاڑ ہوں گے اور نباتات کا نشان ہوگا۔ اور تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ اس کے ٹیلے گھاٹیاں اور پہاڑ و جھاڑیاں سب ختم کی جائیں گی اور چاندی کی طرح سفید زمین ہوگی۔ جس پر نہ خون ییزی کی گئی ہوگی اور نہ کوئی گناہ اس پر واقع ہوگا۔ اور آسمان کی تبدیلی اس طرح ہوگی کہ سورج چاند اور ستاروں سے بالکل خالی ہوگا اور بعض کہتے ہیں کہ آسمان کی جگہ ایک دوسرا آسمان لایا جائے گا۔ ہر کیفیت موجودہ صورت سے وہ صورت حال الگ ہوگی خواہ اس کی کیفیت جو بھی ہو۔ اور لوگ اپنی قبروں سے نکل کر اپنے حساب و کتاب کے لئے اپنے پروردگار کے پیش ہوں گے۔ مجرمین زنجیروں میں اپنے اپنے شیطانوں کے ساتھ محشور ہوں گے چنانچہ **وَ اِذَا النُّفُوسُ رُوِّجَتْ**۔ کا یہی معنی بعضوں نے کیا ہے۔

سَرَابِیْلُهُمْ ۱۶۳ یعنی نر کے طور پر ان کے جسم پر تار کھل گیا جائے گا جو بحیثیت قمیص کے ہو جائیگا تاکہ آگ کو جلدی قبول کرے۔ بعض کہتے ہیں وہ پگھلا ہوا تانبہ یا پتیل ہوگا لیکن ان کے منہ پر قطر ان نہ ہوگا اور

ان کو جلائے کے لئے خود آگ براہ راست پہنچے گی۔

تفسیر صافی میں بروایت کافی امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ جو لوگ خوشنودی خدا کے لیے ایک دوسرے سے محبت رکھیں گے وہ ہول محشر کے وقت یمن عرش میں عرش کے سایہ میں زیر جہد کی زمین پر ہوں گے۔ نیز اس کتاب میں آپ سے مروی ہے کہ اسی زمین پر جب سے یہ پیدا ہوئی ہے، اولاد آدم سے قبل سات عالم گذر چکے ہیں جو ذریت آدم نہ تھے پس وہ یکے بعد دیگرے اسی زمین پر رہے۔ پھر آدم آیا اور اس کی ذریت سے زمین آباد ہوئی اور جب سے جنت پیدا ہوئی وہ مومنوں کے ارواح سے خالی نہیں ہوئی اور جب سے دوزخ پیدا ہوا وہ بھی ارواح کافریں سے خالی نہیں ہوا۔ تو تم کیا سمجھے کہ اہل جنت کے جنت میں جانے کے بعد اور اہل دوزخ کے دوزخ میں جانے کے بعد زمین خدا میں اس کی عبادت کرنیوالا اور اس کی توحید کا پرستار اور اس کی عظمت کا ذاکر کوئی نہ ہوگا۔ ایسا نہیں بلکہ وہ نر مادہ کے بغیر ایک مخلوق پیدا کرے گا جو اس کی توحید و تجہید بیان کرے اور ان کی رہائش کے لئے زمین بھی ہوگی اور آسمان بھی ان پر سایہ فگن ہوگا اسی لئے فرمایا ہے کہ قیامت کے دن اس زمین کے علاوہ کوئی دوسری زمین اور اس آسمان کے علاوہ کوئی دوسرا آسمان لایا جائے گا۔

سُورَةُ حَجْرٍ

آیت نمبر ۸۸ کے علاوہ سب سورہ مکہ ہے۔ اور سورہ یوسف بعد اتر ہے۔ اس کی کل آیات ۹۹

ہیں۔ بسم اللہ کو ملا کر آیات کی تعداد ایک سرتبتی ہے۔

تفسیر برہان میں کتاب خواص القرآن سے منقول ہے حضور نے فرمایا جو اس سورہ کی تلاوت کرے۔ مہاجرین و انصار کے برابر اس کی یکیاں لکھی جائیں گی اور جو شخص زعفران سے لکھ کر تھوڑے دودھ والی عورت کو پلائے تو اس کا دودھ بڑھ جائے گا۔ اگر بازو کے ساتھ باندھ کر خرید و فروخت کرے تو اس کے ساتھ خرید و فروخت اچھی رہے گی۔ اور لوگ اس سے معاملہ کرنا پسند کریں گے اور جب تک اس کے پاس رہے گا رزق میں وسعت ہوگی۔

امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ زعفران سے لکھ کر تھوڑے دودھ والی عورت کو پلایا جائے تو اس کا دودھ بڑھ جائے گا اور جو شخص اس کو لکھ کر اپنے خزانہ میں رکھے یا اپنی جیب میں ڈالے اور اس کے ساتھ سفر کرے تو اس کا کسب ترقی کرے گا اور کوئی شخص اس سے معاملہ کرنے میں گریز نہ کرے گا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے جو رحمن و رحیم ہے (شروع کرتا ہوں)

الرَّتِّکَ اَیْتِ الْکِتَابِ وَقُرْآنِ مُبِیْنٍ ①

ایسا یہ کتاب اور قرآن میں کی آیتیں ہیں

وَقُرْآنٍ - کتاب سے کلام مکتوب اور قرآن سے کلام ملفوظ مراد ہے اور اسی معنوی اختلاف کی وجہ سے عطف مستحسن ہے اگرچہ عطف کے جواز کے لئے صرف اختلاف لفظی بھی کافی ہو کرتا ہے۔

مزید توضیح خلاصہ نہ کریم نے لوگوں کی ہدایت کے لئے بیانِ قرآنی کو ایسا سہل اور قابلِ قبول انداز سے پیش فرمایا کہ ہر طبقہ کا انسان جہاں اس کے طرزِ بیان سے لطف اندوز ہوتا ہے وہاں اس کے اسلوبِ استدلال اور طریقِ ادہام سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا چنانچہ قرآن کی صفتِ مبین یا دوسری جگہ کتاب کی صفتِ مبین قرآنِ مجید کی اسی معنوی خوبی کے اظہار کے لئے ہے۔ اور قرآنی مضامین کا اگر بغور جائزہ لیا جائے تو اس کے جملہ استدلالات و براہین جس اہم مقصد کے گرد گردش کرتے ہیں وہ محروم و مرکوز نظریہ توحید ہے اور عقائدِ اسلامیہ کی جس فرو کردیا جائے اس کا مثبتاً نظریہ توحید ہی ملتا ہے چنانچہ ارسالِ رسل اور انزالِ کتب اسی مقدس نظریہ کی تبلیغ و ترویج کے لئے ہی ہے۔ کیونکہ انسانی معاشرہ کی جملہ خرابیاں عقیدہ توحید سے انحراف کے نتیجے میں ظہور پذیر ہو کرتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ ہر دور میں انسانی وقار کے ساتھ کھیلنے والے اور نامرسل انسانیت کو تباہ کرنے والے عیاش طبع جابر و ظالم انسان سب سے پہلے نظریہ توحید سے ہی اٹھتے ہیں۔ اور مسلمانوں میں سے اولیاء اللہ یا انبیاء کے حق میں یاشیوں میں سے بعض محمد و آل محمد کے حق میں غلو و تفویض کا عقیدہ رکھنے والے اگر قرآنی بیانات کا مطالعہ کریں تو ان کے لئے راہِ اعتدال پر آنا مشکل نہیں

شیخی فرقہ اگرچہ ہم نے شیخ احمد احسانی کے معتقدات کا اس کی کسی تصنیف سے جائزہ نہیں لیا۔ تاہم علماء و نجف و قم کی اس سے برأت صاف ظاہر کرتی ہے کہ اس کے بعض عقائدِ شیعہ نقطہ نظر سے عقیدہ توحید سے متصادم تھے جن کی وجہ سے بنا بر مشہور ان پر کفر کا فتویٰ عائد کیا گیا۔ اور اس وقت تک اس کی جماعت کا نجف اور قم جیسے شیعہ مراکز سے دور رہ کر کویت یا کرمان کو اپنا مرکز بنانا اور مشاہیرِ شیعہ علمائے اعلام سے ان کا مکمل بائیکاٹ و علیحدگی بھی اس کی تائید کرتی ہے کہ ان کے بعض عقائد غیر معمولی طور پر شیعہ صحیح معتقدات سے ٹکراتے ہیں جن کی بنا پر وہ ایک الگ جماعت کی حیثیت رکھتے ہیں۔ بہر کیف توحید کے متعلق شیعہ عقیدہ بالکل واضح ہے کہ ہم نہ محمد و آل محمد کو اللہ کا شریک جانتے ہیں اور نہ ان کے حق میں تفویض کے قائل ہیں پس ہر وہ عقیدہ جس سے محمد و آل محمد

علیم السلام کے حق میں غلو و تفویض لازم آتی ہو ہمارے نزدیک باطل اور کفر ہے اور اس قسم کا عقیدہ رکھنے والے یقیناً کافر ہیں اور ہماری کتابیں اس قسم کے بیانات سے مملو ہیں۔ پس جو شخص محمد و آل محمد کی شان میں گستاخی کرے اور انکو گھٹائے یا ایسا عقیدہ رکھے جس سے محمد و آل محمد کی توہین یا ان کے حق میں گستاخی لازم آئے وہ مقصر و ناصبی ہے اور جو ان کے حق میں غلو و تفویض کا قائل ہو یا ایسا عقیدہ رکھے جس سے غلو و تفویض لازم آئے وہ غالی و مفرض ہے اور علمائے حقہ اثناعشریہ کے نزدیک ناصبی و غالی و فاجر کافر ہیں۔ اعاذنا اللہ منہ۔

اور حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام سے صاف طور پر منقول ہے کہ میرے بارے میں دو قسم کے لوگ ہلاک ہونگے ایک محب غالی یعنی وہ شخص جو محبت کی وجہ سے غلو کا قائل ہو جائے اور دوسرا مبغض قال یعنی وہ شخص جو بغض کی وجہ سے ہمارے ساتھ دشمنی رکھے۔

حضرات محمد و آل محمد علیہم السلام خدا کی اول مخلوق ہیں اور اول ما خلق اللہ تبارک و تعالیٰ کا فرمانِ نبویؐ اس پر صریح گواہ ہے اور یہی نور مقدس خطابِ انبویؐ کو لاک لما خلقت الافلاك کا مصداق ہے اور اس کا مقصد یہ ہے کہ سب سے پہلے خداوند کریم نے نور محمدیؐ کو خلق فرمایا۔ اور اسی کو مقصد و تخلیق کائنات قرار دیا۔ لیکن جس طرح وہ اس نور کا خالق ہے۔ اسی طرح اس نور کی خاطر تمام پیدا ہونے والی مخلوق کا خالق بھی خود ہے اور جس طرح وہ محمد و آل محمد کا رازق ہے اسی طرح باقی تمام مخلوق کا رازق بھی وہی ہے نیز وہ باقی تمام مخلوق کے پیدا کرنے میں محمد و آل محمد کا محتاج نہیں جس طرح کہ محمد و آل محمد کے پیدا کرنے میں کسی اور کا محتاج نہیں تھا۔ البتہ اس نے محمد و آل محمد کو اپنے اور باقی مخلوق کے درمیان وسیلہ قرار دیا کہ باقی تمام مخلوق خواہ نبی ہوں یا رسول، ملک ہوں یا روح، جن ہوں یا بشر۔ خاکی ہوں یا نوری اور علوی ہوں یا سفلی ان کی دلا کے بغیر نہ کسی خدائی عہدہ پر فائز ہو سکے اور نہ کسی شرف سے مشرف ہو سکے اور نہ بروز قیامت ان کے بغیر منازلِ قربِ خداوندی پر فائز ہو سکیں گے کیونکہ حضرت علیؑ قسیم الجنتہ والنار ہیں اور حسینؑ شریفین تمام جو انانِ جنت کے سردار ہیں خواہ اولین سے ہوں یا آخرین سے ہوں۔ اور ہم نے شیعی معتقدات پر اپنی تصانیف میں متعدد مقامات پر روشنی ڈالی ہے۔ چنانچہ تفسیر انوار الجنان کی مجلدات۔ لحد الانوار۔ اسلامی سیاست اور امامت و ملکیت کے اوراق اس کے گواہ ہیں۔

پارہ ۱۲

رَبَّائِيَوْمَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْ كَانُوا مُسْلِمِينَ ﴿۲﴾ ذُرِّيَّتًا لَكُمْ

بعض اوقات درست رکھتے ہیں کافر کہ کاش مسلمان ہوتے ان کو چھڑیئے کھائیں

وَيَتَمَتَّعُوا وَيُلْهِمُهُمُ الْاَمَلُ فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ ﴿۳﴾ وَمَا

اور نفع اٹھائیں اور ان کو غافل کریں امیدیں پس عنقریب جان لیں گے اور ہم نے

رکوع نمبر ۱ رَبَّعًا اہل مدینہ اور عاصم نے اس کو اسی طرح پڑھا ہے لیکن باقی قاریوں نے رَبَّعًا یعنی شد کے ساتھ پڑھا ہے۔ نحویوں کے قانون کی رو سے رَبَّ کے بعد آنے والا مادہ و طرح کا ہوتا ہے (۱) نکرہ اور یہ شی کے معنی میں ہوتا ہے یعنی رَبَّ شَيْءٍ اور آیت مجیدہ میں رَبَّ وُجُوہِ لَوْ كَانُوا مُسْلِمِينَ (۲) دوسری صورت یہ ہے کہ ما کاذ ہوگا جو اپنے مدخل کو اپنے عمل سے روک دینے کے علاوہ اور کوئی معنی واثر نہیں رکھتا اور یہی وجہ ہے کہ فعل پر داخل ہو رہا ہے ورنہ اس کو اسم پر داخل ہو کر اسے جر دینی چاہیے تھی۔ اور حق تو یہ ہے کہ اس کے بعد والا فعل ماضی ہو لیکن یَوْمَ چونکہ حکایت حال ماضی کے لئے ہے اگرچہ وہ مستقبل میں ہی ہوگا اس لئے اس کو جائز قرار دیا گیا ہے اور رَبَّ کو تخفیف کے ساتھ یعنی شد کے بغیر پڑھنے کی وجہ یہ ہے کہ عربی میں اکثر مضاعف و مشدّد حروف میں کسی قانون کے بغیر بھی تخفیف ہو جایا کرتی ہے جس طرح حروف مشبہ بالفعل کی مثال سے واضح ہے۔ اَنَّ، اِنَّ، اِنَّ، اِنَّ، اِنَّ وغیرہ۔ اور یہ بھی اسی قسم سے ہے مقصد یہ ہے کہ جب کفار موت کی سختی دیکھیں گے یا بروز محشر حنت دناہ کی تقسیم کا مرحلہ پیش آئے گا پس اپنی گرفتارگی اور اہل اسلام پر نعمات خداوندی ملاحظہ کریں گے تو خواہش کریں گے کہ کاش! ہم مسلمان ہوتے۔ اور تفسیر مجمع البیان میں جناب رسالت سے مروی ہے جب دوزخی دوزخ میں پہنچیں گے اور ان میں بعض گنہ گار مسلمان بھی شامل ہوں گے تو کافر لوگ مسلمانوں کو دیکھ کر کہیں گے کہ ہم تو کافر تھے لیکن تم بتاؤ تم کو اسلام نے کیا فائدہ دیا تو مسلمان

أَهْلَكْنَا مِنْ قُرْبَيْهِ إِلَّا وَلَهَا كِتَابٌ مَعْلُومٌ ﴿۴﴾ مَا

نہیں بلکہ کیا کسی بستی کو مگر یہ کہ ان کے لئے وقت مقرر تھا

تَسْبِقُ مِنْ أُمَّةٍ أَجَلَهَا وَمَا يَسْتَأْخِرُونَ ﴿۵﴾ وَقَالُوا يَا

سبقت کرتی کوئی اُمت اپنی مقررہ مدت سے اور نہ پیچھے ہرتی ہے اور کہنے لگے اے وہ جن

أَيُّهَا الَّذِي نُزِّلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ إِنَّكَ لَمَجْنُونٌ ﴿۶﴾

پر قرآن نازل کیا گیا تو تو دیوانہ ہے

لَوْ مَا تَأْتِينَا بِالْمَلَكَةِ إِنْ كُنْتَ مِنَ الصَّادِقِينَ ﴿۷﴾ مَا

کیوں نہیں لاتے تم فرشتوں کو اگر تم سچے ہو

نَزَّلَ الْمَلَكَةَ إِلَّا بِالْحَقِّ وَمَا كَانُوا إِذًا مُنظَرِينَ ﴿۸﴾

نہیں اتارتے فرشتے مگر حق کے ساتھ اور وہ اس وقت نہ دئے جائیں گے

جواب دیں گے کہ یہ ہمارے گناہوں کی سزا ہے پس رحمت پروردگار کا سمندر جوش میں آئے گا اور مسلمانوں کی آزادی جہنم کا حکم صادر ہوگا تو اس وقت کفار حسرت بھری آواز سے کہیں گے کاش ہم بھی مسلمان ہوتے۔ اس مقام پر مسلمان سے وہ لوگ مراد ہیں جو پیغمبر کی اُمت کے تہتر فرقوں میں سے ایک ناجحی فرقے سے تعلق رکھنے والے ہوں گے ورنہ جن لوگوں نے رسول کے بعد رسول کی وصیت پر عمل نہ کیا اور ظاہری اسلام کا لباس پہن کر اسلام کے درخت کو کاٹنے کے درپے رہے پس قرآن کی بے حرمتی کی اور عزت پیغمبر کی ناقدری کر کے انہیں اپنے مقام سے ہٹا کر اقتدار ناپائیدار کے متوالے ہوئے وہ بروز محشر کافروں اور ظالموں کے زمرے میں حسرت کرنے والے ہوں گے اور رسول کی تعلیمات کو اپنا کر جنہوں نے آل رسول کی پیروی کی وہ اپنے آقاؤں کی غلامی میں نثر شاہ ہوں گے اور ان میں سے جن گنہ گاروں کو جہنم میں بھیجا جائے گا وہ آل اطہار کی شفاعت کی بدولت عذاب سے نجات پانچا کر دشمنوں کی حسرت میں اضافہ کا موجب ہوں گے۔

ذُرِّهْمُ يَأْكُلُوهُ أَصْحَابُهَا۔ یہ کفار کو تنبیہ ہے کہ بے شک اس فانی دنیا کی فانی لذات سے چند روزہ دل بہلائیں، کھا پی لیں اور طول امید میں اپنے آپ کو کھوتے رہیں آخر وہ اپنی سرکشوں اور کفریہ کارستانیوں کا انجام ضرور دیکھیں گے۔

تفسیر صافی میں حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام سے منقول ہے آپ نے فرمایا مجھے تم لوگوں پر دو چیزوں کا خطرہ

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَفُظُونَ ﴿۹﴾ وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا

تحقیق ہم نے ہی اتارا قرآن کو اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں اور تحقیق ہم نے رسول

مِنْ قَبْلِكَ فِي شَيْعِ الْأَوَّلِينَ ﴿۱۰﴾ وَمَا يَأْتِيهِمْ مِنْ

بھیجے تجھ سے پہلے پہلی جماعتوں میں اور نہیں آتا ان کے پاس

ہے ایک خواہش کی اتباع اور دوسری طول امید۔ کیونکہ اتباع خواہش حق سے روکتی ہے اور طول امید آخرت سے غافل کر دیتی ہے اور بروایت امام محمد باقر علیہ السلام حدیث نبوی میں ہے کہ انسان کا ساتھ جب اللہ کی دوستی اور نیک بختی دیتی ہے۔ تو موت کی یاد آنکھوں کے سامنے اور لمبی امیدیں پشت کے پیچھے ہو جاتی ہیں لیکن جب شیطان کی محبت اور شقاوت گھیرے تو لمبی امیدیں سامنے اور موت کی یاد پشت کے پیچھے ہو جایا کرتی ہے۔

کِتَابٌ مَّعْلُومٌ ۙ۔ یعنی اللہ کے علم میں جس قوم کی ہلاکت یا عذاب کا جو وقت مقرر ہوگا اس سے مقدم یا موخر نہ ہو سکے گا گویا جلدی گرفتار نہ ہونا تم کو دھوکا نہ دے بلکہ اس مہلت کو غنیمت سمجھ کر اعمال بد سے توبہ اور آئندہ کی اصلاح کی کوشش کرو ورنہ وقت آجانے پر حسرت اور ندامت کے سوا اور کچھ نہ ہوگا۔ پس یہ تاخیر اس کی مصلحت و مشیت کے ماتحت ہی ہے۔

يَسْتَأْخِرُونَ ۙ۔ باب استفعال ہے لیکن یتاخرون کے معنی میں ہے۔

بالحق۔ اس مقام پر حق کا معنی حکمت و مصلحت یا موت لیا گیا ہے۔

نَزَّلْنَا الذِّكْرَ۔ آیت مجیدہ قرآن کی تحریف کے قائلین کے منہ پر زبردست طمانچہ ہے۔

آیت مجیدہ کی تفسیر میں علمائے اسلام کے چار اقوال ہیں۔

مسئلہ تحریف قرآن ارا، قتادہ اور ابن عباس کا قول ہے کہ کمی بیشی تحریف اور تغیر سے حفاظت کا خدا نے ذمہ لیا

ہے جس طرح دوسرے مقام پر فرمایا لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ۔ یعنی اس کے سامنے اور پیچھے سے باطل اس کے پاس نہیں آسکتا مقصد یہ کہ باطل کے ہاتھ رد و بدل یا زیادتی و کمی کے لئے اس کی طرف نہیں بڑھ سکتے (۲) حسن کا قول ہے کہ آیت کا مقصد یہ ہے کہ اللہ اس کی موجودہ صورت کی حفاظت کا ہمیشہ کے لئے ضامن ہے کہ نسل بہ نسل امت اس کو نقل کرے گی اور سینہ بہ سینہ اس پر ایمان دل کی گہرائیوں میں اترتا رہے گا اور قیامت تک ہر زمانہ میں لوگ اس کی حفظ کا عہدہ عہدہ اتہام کرتے چلے جائیں گے تاکہ حجت قائم رہے (۳) جباتی سے منقول ہے کہ خدا اس کو مشرکوں کے شر سے محفوظ رکھے گا پس وہ اس کو مٹانے دبانے اور بھلانے پر قادر نہ ہو سکیں گے (۴) قرآن سے مروی ہے کہ لہٰذا میں ضمیر غائب کا مرجع حضرت رسالت مآب ہے اور معنی یہ ہے کہ قرآن

کو ہم نے نازل کیا ہے اور حضرت رسالت مآب کی حفاظت کے ہم خود ذمہ دار ہیں۔ آخری قول کے علاوہ باقی تمام اقوال قرآن مجید سے تحریف کی نفی کرتے ہیں۔ اور شیعہ عقیدہ یہی ہے کہ قرآن مجید باطل پرستوں کے تصرفات سے ہر دور میں محفوظ رہا ہے اور کسی زمانہ میں تحریف و تصحیف کا باعث اسے نہیں چھو سکا۔ اور نہ قیامت تک اسے چھو سکے گا۔ پس جو لوگ قوم شیعہ کی طرف قرآن کی تحریف کی نسبت دیتے ہیں وہ کذاب و مفتری ہیں ان کی یہ نسبت جاہل عوام کی نظروں میں قوم شیعہ کو بدنام کرنے کا حربہ ہے اصل بات یہ ہے کہ چونکہ قوم شیعہ جناب رسالت مآب کی آخری وصیت و جس میں ثقیین یعنی کتاب و اہل بیت سے تمسک کرنے کا تاکید ہی حکم تھا، کے سختی سے پابند ہیں چنانچہ وہ اس حدیث کے مقابلہ میں کسی بڑی سے بڑی شخصیت کو نظر انداز کرنے میں تامل نہیں کرتے نہ اس بارے میں ان کو وقتی تشدد اپنے سامنے جھکا سکتا ہے اور نہ وہ کسی اقتدار سے مرعوب ہو سکتے ہیں حتیٰ کہ ان کے سرکٹ سکتے ہیں لیکن قدم صراطِ مستقیم سے نہیں ہٹ سکتے۔ پس پیغمبر کی وفات کے بعد جن لوگوں نے اقتدار کو مذہب بنا لیا اور اس کی خاطر صرف قرآن مجید کو کافی کہہ کر عترت پیغمبر کو نظر انداز کر دیا انہوں نے جہاں تعلیمات اسلامیہ کو بالعموم اپنی خواہشات کے سانچے میں ڈھالنے کی ناپاک کوشش کی وہاں بالخصوص قوم شیعہ کو نیست و نابود کرنے کے ہزاروں منصوبے تیار کئے اور ان کو عملی جامہ پہنانے کے لئے ہزاروں تھکنڈے استعمال کئے چنانچہ اسی نظریے کے ماتحت پورے ساٹھ سال تک یعنی نبی سے تالیف تک حضرت علی اور اولاد علی کو سب و شتم کا نشانہ بنایا گیا اولاد رسول کو ہر قسم کے مظالم کا ہدف بنایا گیا اور شیعیان علی سے اس سلسلہ میں بڑی سے بڑی قربانی لی گئی جس کو ہر دور کے شیعوں نے خندہ پیشانی سے برداشت کیا۔ پس انجام کار ظالم ظلم سے تھک گئے لیکن مظلوم مصائب و آلام کی چکیوں میں پسنے کے بعد بھی نہ گھبرائے پس ظلم کا ہتھوڑا ٹوٹا تشدد کا ہاتھ نکل گیا اور اقتدار کا ٹھنڈا ڈھیلہ ہوا لیکن حق والوں نے جل جل کر مر مر کر اور پس پس کر بھی حق کا دامن نہ چھوڑا جس کے نتیجہ میں حق کا بول اور دشمن کا منہ کالا رہا پس زمانے کی ہوا کے ساتھ ساتھ قوم شیعہ کو بدنام کرنے کے نئے نئے حربے اور جدید تھکنڈے استعمال کئے گئے جن کو قوم شیعہ کی مذہبی صداقت اور ایمانی استقلال نے کبھی سینے کا موقع نہ دیا۔ چنانچہ ہر میدان مقابلہ و مناظرہ میں مذہب شیعہ کی صداقت کا لوہا منوایا جاتا رہا۔ پس قرآن مجید میں تحریف کی شیعوں کی طرف نسبت اہل باطل کے ان اچھے ہتھیاروں میں سے ہے جو حق کے مقابلہ میں جواب نہ دے سکتے۔

پر جھوٹا فریق استعمال کیا کرتا ہے۔

بے شک شیعہ قرآن کو اللہ کی سچی کتاب بلکہ تمام کتب سماویہ سے افضل اور ان کی ناسخ مانتے ہیں اور اسی کتاب کو آخری آسمانی کتاب جانتے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ حضرت علی سے لے کر حضرت مہدی آخر الزمان تک بارہ اماموں کو اس کتاب کا صحیح مفسر مانتے ہیں اور شیعہ قرآن مجید کی اس تفسیر کو قبول کرتے ہیں جو ائمہ اہل بیت سے منقول ہو چونکہ آل محمد کے علاوہ کوئی بھی علوم قرآنیہ میں ان کے ہم پلہ نہیں ہے خواہ اس کی شخصیت کتنی ہی بڑی کیوں نہ ہو لہذا شیعہ

رَسُولٍ إِلَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ ﴿۱۱﴾ كَذَلِكَ نَسُكُّهُ فِي

کئی رسول مگر یہ کہ وہ اس کے ساتھ مسخری کرتے تھے اسی طرح ہم چلاتے ہیں اس داپنے ذکر ا کو

قُلُوبِ الْمُجْرِمِينَ ﴿۱۲﴾ لَا يُؤْمِنُونَ بِهِ وَقَدْ خَلَتْ سُنَّةُ

مجرموں کے دلوں میں حالانکہ وہ اس پر ایمان نہیں لاتے اور تحقیق گذر چکی سیرت پہلے

الْأَوَّلِينَ ﴿۱۳﴾ وَلَوْ فَتَحْنَا عَلَيْهِمُ أَبَابًا مِّنَ السَّمَاءِ فَظَلُّوا فِيهِ

لوگوں کی اور اگر ہم کھول دیں ان پر دروازہ آسمان کا پس وہ اس میں سے اہیر

يَعْرَجُونَ ﴿۱۴﴾ لَقَالُوا إِنَّمَا سُكِّرَتْ أَبْصَارُنَا بَلْ نَحْنُ

چڑھ جائیں کہیں گے کہ ہماری آنکھوں کو بے حس کر دیا گیا ہے بلکہ ہم لوگوں

قَوْمٌ مَّسْحُورُونَ ﴿۱۵﴾ وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِي السَّمَاءِ بُرُوجًا وَ

پر جاو کر دیا گیا ہے اور تحقیق ہم نے بنائے آسمان میں دربارہا برج اور ان کو مزین کیا

قوم کے نزدیک قرآنی علوم کے متعلق کسی کے قول کی کوئی وقعت نہیں۔ جب آل محمد سے نہ لیا گیا ہو۔

اکثریتی اسلامی جماعت چونکہ صرف قرآن مجید کو ہی کافی سمجھنے لگی تھی اور پہلے دن سے ہی انہوں نے اس نظریہ کا

اعلان کر دیا تھا کہ حَسْبُنَا كِتَابُ اللَّهِ۔ لہذا ہر دور میں ان کے مفسروں نے قرآن کی من مانی تفسیریں کیں اور حسب استطاعت

آئمہ اہل بیت سے جاہل عوام کو متنفر کرنے کے لئے ہر گند ا کیچڑان پر اچھانے کی سازشیں بلکہ کوششیں کیں اگرچہ تاریخی

مسلمات میں سے ہے کہ ہر زمانہ میں قرآن کی باریکیوں اور مسائل مشکلا کی پیش آمدہ گہوں کو جب درباری علماء و فضلاء

کے ناخن تدبیر نہ کھول سکے تو خانوادہ علم و رسالت اور دو دمان شرف نبوت کے در دولت پر جبہ سائی کی جاتی رہی اور علمی

بھیک مانگ کر مشکل کشائی کے بعد لولا کے ترانے گائے جاتے رہے۔ لیکن ساتھ ساتھ دلوں میں حسد و کدورت کی آگ

بھی جلتی رہی اور آئے دن ظلم و استبداد کے بدل بدل کر طریقے بروئے کار لاتے جاتے رہے اور کینہ و بغض کی دلوں

میں بھڑکتی ہوئی آتش غضب کو ٹھنڈا کیا جاتا رہا۔ بہر کیف چونکہ قوم شیعہ کے نزدیک آل محمد کی تفسیر کے علاوہ کوئی دوسرا

تفسیر قابل قبول نہیں ہے لہذا شیعوں کو منکر قرآن کہا گیا لیکن جب منہ تو بوجواب ملا تو کہہ دیا کہ شیعہ تحریف قرآن کے

قائل ہیں۔ وَ لَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الْكَافِرِينَ۔ اور ہم نے قرآن پر شیعہ عقیدہ کی وضاحت اپنی نو تصنیف کتاب شیعہ

لسعۃ الانوار فی عقائد اہل ہر میں کی ہے جس کا مطالعہ شیعہ نوجوانوں کے لئے بے حد ضروری ہے۔

زَيْتُمَا النَّظْرَيْنِ ﴿١٧﴾ وَحَفِظْنَاهَا مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ رَجِيمٍ ﴿١٨﴾

دیکھنے والوں کے لئے اور ہم نے محفوظ کیا آسمانوں کو ہر شیطانِ رجیم سے

إِلَّا مِنْ أَسْتَرَقَ السَّمْعَ فَاتَّبَعَهُ شِهَابٌ مُبِينٌ ﴿١٨﴾ وَالْأَرْضِ

مگر جو چرائے باتوں کو تو اس کے پیچھے لگتا ہے ظاہر بچکدار ستارہ اور زمین

وَمَا يَأْتِيهِمْ^{۱۷۹} حُضْرًا كَوَسَلَىٰ دَىٰ كُنِيَ هِيَ كَآءِ كَبْرًا مِيں نَهِيں كِيُونكِهْ كُزْشْتِهْ اِنْبِيَارِ كِي بِي كِيْفِيْت رِهِي هِي هِي هِي
 جب وہ رسولوں کو اپنے باپ دادا کے خلاف پاتے تھے تو ان سے مسخری کر کے ان کی باتوں کو ٹھال دیا کرتے تھے۔
 نَسْلُكُهْ ضَمِيرٌ غَائِبٌ كَا مَرْجِعٌ ذَكَرَ يَهِي يَعْنِي هَمُ دِينِ حَقِّ كَا بَيَانِ اَوْرَا حِكَامِ اِسْلَامِي كِي وَضَا حَتِّ مَحْرَمِ لُؤْكَوْنِ يَعْنِي كَا فِرْوَن
 کے سامنے کیا کرتے ہیں۔ پس ہمارا بیان کافروں کے دلوں تک راتہ پا کر پہنچ جاتا ہے خواہ وہ تسلیم کریں یا نہ کریں۔
 يَهِي اِنْبِيَارِ عَجْتِ سِي كُوْنِي قَوْمِ خَالِي نَهِيں رِهِي۔

وَلَوْ فَتَنَّا^{۱۸۰} اِس كَا مَعْنَى دُو طَرَحِ سِي كِيَا كِيَا هِي دَا اَكْرَهَمُ اِن كِي سَا مَعْنَى اَسْمَانُوْنِ كِي دُرُوَا زِي كِي كِهْوَلِي كِي
 فرشتے ان سے آمدورفت کریں اور یہ لوگ اپنی آنکھوں سے دیکھیں۔

۱۷۹ یا یہ خود ان دروازوں سے گذر کر اوپر پہنچیں اور آسمانی مخلوق کو دیکھیں پس دو فو تصور توں میں یہ کہیں گے کہ ہماری
 آنکھوں کو بے حس کر دیا گیا ہے یا یہ کہ جادو کر دیا گیا ہے کہ ہم اشیاء کو اپنی حقیقت پر نہیں دیکھ رہے۔

وَلَقَدْ جَعَلْنَا^{۱۸۱} يَهْمُنِي اَسْمَانِ مِيں سُرُجٌ يَهِيَا كُنِي هِي حِيْنِ مِيں سُوْرَجِ كِي كُرْدِشِ شَمْسِي نِظَامِ كُو ظَا هِر كُرْتِي هِي

موسم بنتے ہیں اور ان کی مناسبت سے انسان و حیوان کی بود و باش اور خورد و نوش کا انتظام بد قدرت کی دستکاری کا منظر
 ہے اور چاند کی اپنی برجوں میں گردش قمری نظام کی موجب ہے اور شمسی و قمری دونوں نظام ملکر انسان کے لئے یوم و ہفتہ

و ماہ و سال کی مقدار کے تعین کے ساتھ اس کے سکون قلب اور اطمینانِ نفس کے بہترین ذرائع ہیں بلکہ تمدنی زندگی

کا دار و مدار اگر مکمل ان دونوں پر نہیں تو اس کا زیادہ تر انحصار ان پر ضرور ہے پھر آسمان کو دیدہ زیب دلکش اور جاذبِ نظر منظر
 بنانے کے لئے اُس نے اس کو چھوٹے بڑے ستاروں سے مزین فرمایا اور سقفِ نیلگوں پر مختلف حجم و ڈیزائن کے تقویوں

کی آب و تاب شب و تار یک میں جو سہانا منظر پیش کرتی ہے دن بھر کے تھکے ماندوں کے لئے اس سے بہترین سیرگاہ و

مقام تفریح کا تصور بھی نہیں ہو سکتا اور یہ سب چیزیں توحید پروردگار اور اس کی حسنِ صنعت و تدبیرِ محکم کا کھلا اعلان ہیں
 جس کو کوئی ذی ہوش ٹھکرانے کی جرأت نہیں کر سکتا۔

حَفِظْنَاهَا كَا مَعْنَى هِي كَسِي شِي كِي لِي اِي سِي صُوْرَتِ مِيْدَا كُرْنَا جِس سِي وَه ضَا عِ نِزْهُو سَكِي پَس هِر

رکوع نمبر ۲ | شے کا حفظ اس کی اپنی نوعیت کے لحاظ سے ہوگا مثلاً علم قرآن کا حفظ کرنا درس و تدریس سے

ہے نماز کا حفظ کرنا اس کو قائم کرنا ہے۔ قرآنی الفاظ کا حفظ کرنا یاد کر لینا ہے مال کا حفظ کرنا اس کو محفوظ مقام میں بند کرنا ہے اور رقم کا حفظ کرنا خزانہ یا بنگ میں جمع کرنا ہے وغیرہ بنا بریں آسمانوں کا شیطان سے حفظ کرنا اس کو روک دینا ہے کہتے ہیں کہ پہلے زمانہ میں شیاطین آسمانوں پر جاتے تھے اور ملائکہ کی زبانی آئندہ ہونے والے واقعات سن کر پلٹتے تھے پس کاہن لوگ جن کے پاس تسخیر جن و شیاطین کا عمل ہوتا تھا وہ ان سے سن کر لوگوں کو بتاتے تھے۔

استترق بقرہ سے ہے جس کا معنی ہے چوری کرنا اور ہر شے کا اپنے مقام محفوظ سے بغیر رضامت کا حاصل کر لینا چوری شمار ہوتا ہے چنانچہ شیاطین کا ملائکہ سے باہیں سنا چوری سے بغیر کیا گیا ہے۔

شہاب ثاقب ہمیں آسمان کی طرف بعض اوقات جو دوڑتا ہوا ستارہ نظر آتا ہے کہ اس کے پیچھے آگ کے شعلے کی طرح ایک نورانی خط ہوتا ہے۔ منقول ہے کہ حضرت عیسیٰ جب مبعوث ہوئے تو شیاطین کو صرف تین آسمانوں سے روکا گیا لیکن جب حضور پیدا ہوئے تو پہلے چار آسمانوں سے بھی اس کو روک دیا گیا حتیٰ کہ جب یہ اوپر جانے کا قصد کرتے ہیں تو فرشتے ان کو آگ کے شعلوں کے ندیے سے پیچھے بھگاتے ہیں ان کی حقیقت کو اللہ ہی بہتر جانتا ہے تو گویا شہاب ثاقب کا وجود حضرت رسالت مآب کی تشریف آوری کے بعد ان کا تاقیامت جاری و ساری معجزہ ہے۔

معجزات ولادت رسالت مآب | تفسیر برہان میں روایت قوی حضرت آمنہ خاتون سے منقول ہے کہ جب آنحضرتؐ میرے شکم میں آئے تو مجھے حمل کا بوجھ محسوس نہ ہوا اور مجھے عالم خواب میں کسی کہنے والے نے کہا کہ تیرے شکم میں خیر الانام ہے۔ جب آپ پیدا ہوئے تو دو نورانی اور گھٹنے زمین پر ٹیک کر سر کو بلند کیا اور ایک نور ساطع ہوا جس نے زمین و آسمان کے درمیان اجالا کر دیا اور شیطانوں کو آسمانوں سے روک دیا گیا۔ قریشیوں نے بہت سے شہاب ثاقب ادھر ادھر متحرک دیکھے اور گھبرا کر ایک دوسرے کو کہنے لگے کہ شاید قیامت آنے والی ہے چنانچہ ولید بن مغیرہ کے پاس جمع ہوئے جو ان کا بزرگ اور تجربہ کار ماہر تھا پس اس نے جواب دیا اگر ادھر ادھر چلنے پھرنے والے ستارے اپنے اپنے مقام پر موجود ہیں تو یہ کوئی اور بات ہے۔

کہ میں ایک یوسف نامی یہودی رہتا تھا اس نے ستاروں کی نقل و حرکت دیکھ کر قریشیوں سے دریافت کیا کہ تم میں آج رات کوئی سچہ پیدا ہوا ہے یا تو انہوں نے جواب دیا کہ نہیں تو اس نے کہا تو رات کی قسم تم غلط کہتے ہو۔ کیونکہ اپنی کتابوں سے جہاں تک میری معلومات کا تعلق ہے وہ یہ ہے کہ خاتم الانبیاء آج رات پیدا ہوئے ہیں اور شیطانوں کو آسمانوں سے روکنے کے لئے شہاب ثاقب کا ٹوٹنا۔ اس کی علامت ہے۔ پس قریشیوں نے پوچھ گچھ کی تو معلوم ہوا کہ عبد اللہ بن عبد المطلب کا لخت جگر پیدا ہوا ہے وہ یہودی قریشیوں کے ہمراہ در دولت پر حاضر ہوا اور مولود مسعود کی زیارت سے باریابی کی درخواست کی اور قریشیوں نے بھی اس کی سفارش کی چنانچہ جناب آمنہ خاتون ایک بندھنے میں لپیٹ کر سامنے لائی۔ پس یہودی نے آپ کی آنکھیں پھر مہر نبوت کے مقام سے کپڑا اٹھا کر نشان دیکھا تو یہوش

مَدَدُنَّهَا وَالْقِنَاءَ فِيهَا رَوَّاسِي وَأَبْتَنَا فِيهَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ

کو ہم نے بچھایا اور اس میں پہاڑ رکھ دئے اور اگایا اس میں سے ہر شے کو مناسب

مَّوْزُونٍ ۱۹ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيهَا مَعَالِيشَ وَمَنْ لَسْتُمْ

انداز سے اور سقر کی تمہارے لئے اس میں روزی اور ان کے لئے بھی جن کے

لَهُ بِرِزْقَيْنِ ۲۰ وَإِنْ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا عِنْدَنَا خَزَائِنُهُ

تم رازق نہیں ہو اور کوئی شے نہیں مگر یہ کہ ہمارے پاس اس کے خزانے ہیں

ہو کر گر پڑا جس سے قریشیوں میں ہنسی مچ گئی۔ اُس نے ہوش سنبھالتے ہوئے کہا کیا تم ہنس رہے ہو یا در کھولے قریشیوں نے تلوار لے کر اٹھے گا اور تمہیں موت کے گھاٹ اتارے گا۔ اور اب نبوت نبی اسراہیل سے ہمیشہ کے لئے پہلی گئی ہے اور جب شیاطین پرستارے ٹوٹے اور آسمانوں کا داخلہ بند ہوا تو گھبرا کر ابلیس کے پاس پہنچے کہ ہم پر شہاب ثاقب برسائے گئے ہیں تو اس نے کہا زمین میں کسی نئے حادثے کی خبر لاؤ انہوں نے کہا کہ ہمیں کسی نئے حادثے کا پتہ نہیں پس وہ مشرق سے مغرب تک خود پھرا۔ آخر کار زمین حرم پر ملا مگر کابے پناہ ہجوم دیکھا اور جبریل کو دروازہ حرم پر بطور سنتری کھڑا ہوا پایا کہ اُس نے اس کو دیکھتے ہی دھتکار کر دفع کیا۔ ابلیس نے پوچھا کہ یہ اجتماع کیوں ہے؟ تو جبریل نے بتایا پیغمبر آخر الزمان کی ولادت کی خوشی ہے۔ اس نے پوچھا اس میں میرا بھی کچھ حصہ ہے؟ تو جواب ملا کہ نہیں۔ پھر پوچھا کہ اس کی امت میں میرا کچھ حصہ ہے؟ تو جواب دیا گیا کہ ہاں۔ پس وہ خوش ہو کر واپس چلا۔

بروایت ابن بابویہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ پہلے ابلیس ساتوں آسمانوں کی سیر کیا کرتا تھا ولادت عیسیٰ سے اس کو تین آسمانوں سے روکا گیا۔ پس چار تک جاتا تھا اور ولادت سرور کائنات کے بعد اس کو سب آسمانوں سے روک دیا گیا۔ اس روایت میں ولید بن مغیرہ کی بجائے عمرو بن امیہ کا نام مذکور ہے کہ قریشی گھبرا کر اس کے پاس آئے اور اس نے وہ مذکورہ بالا جواب دیا۔

اس روایت میں مذکور ہے کہ وقت ولادت پیغمبر تمام بت منہ کے بل گر پڑے اور ایسا زلزلہ آیا کہ ایران کسریٰ کی بنیادیں ہل گئیں اور اس کے چودہ کنگرے ٹوٹ کر گرے ساوہ کا پانی خشک ہو گیا ایران کا ہزار سال سے جھڑکتا ہوا آتش کدہ خاموش ہو گیا اور حجاز کی طرف سے ایک نور ساطع ہوا جو مشرق تک پھیل گیا دنیا بھر کے سلاطین کی گردنیں جھک گئیں اور اس دن کچھ بول نہ سکے کاہن لوگوں کا علم باطل ہو گیا اور جادو گروں کا جادو ختم ہو گیا اور عرب کے سب کاہن ایک دوسرے سے پوشیدہ ہو گئے۔

وَمَا نُنزِّلُهَا إِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُومٍ ﴿۲۱﴾ وَأَرْسَلْنَا الرِّيحَ لَوَاقِحَ

اور ہم اس کو نہیں اتارتے مگر ایک انداز سے جو ہمیں معلوم ہے اور بھیجا ہم نے ہواؤں کو حاملہ کرنیوالی

فَأَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَسْقَيْنَكُمُوهُ وَمَا أَنْتُمْ لَهُ

ربادوں کی پانی سے، پس اتارا ہم نے آسمان سے پانی تم کو سیراب کیا اس سے حالانکہ تم اس کی حفاظت کرنے

بِخَزَائِنٍ ﴿۲۲﴾ وَإِنَّا لَنَحْنُ مُحِيٌّ وَنَمِيتٌ وَنَحْنُ الْوَارِثُونَ ﴿۲۳﴾

والے نہیں ہو اور تحقیق ہم ہی جلاتے اور مارتے ہیں اور ہم ہی مالک ہیں

مُؤَدُّونَ^{۱۴۵}۔ بعض مفسرین نے اس مقام پر وزن سے قول مراد لیا ہے کہ خدا نے زمین سے تو لےنے کی جنسیں پیدا فرمائی ہیں اور پیداوار میں سے چونکہ اس کو ناپ اور شمار کی جانے والی اشیاء پر غلبہ حاصل ہے اس لئے مجازاً مؤدوں کا لفظ استعمال فرمایا ہے اور مراد تمام پیداوار ہے لیکن سید مرتضیٰ علم الہدیٰ نے اس معنی کی تردید کر کے فرمایا ہے کہ یہاں مؤدوں سے مراد مقدار مناسب ہے کہ خدا نے اشیاء کو ضرورت سے کم بھی پیدا نہیں کیا تاکہ عبث لازم آئے پس اتنی مقدار میں پیدا کیا جو حکمت و مصلحت کے مطابق تھی۔

وَمَنْ لَّسْتُمْ^{۱۴۶}۔ اس کی تین ترکیبیں کی گئی ہیں۔ اور ہر ترکیب کے لحاظ سے معنی کیا گیا ہے۔
۱۔ معاش پر عطف ہے پس جَعَلْنَا۔ کا مفعول ہو کر محلاً منسوب ہے اور معنی یہ ہے کہ ہم نے اس زمین میں تمہاری روزی اور اسباب عیش و آرام پیدا کئے اور ایسی مخلوق تمہارے لئے پیدا کی جس کے رزاق تم نہیں ہو یعنی غلام کینزیں اور حیوانات کہ ان کو رزق اللہ دیتا ہے اور خدمت تمہاری کرتے ہیں اور ذوی العقل یعنی غلام و کینزیوں کے غلبہ کی وجہ سے لفظ مَنْ ذکر کیا ہے جس کا استعمال ذوی العقول کے لئے مخصوص ہے۔

۲۔ کَلْفٌ کی ضمیر جمع مخاطب مجرور پر مَنْ کا عطف ہے اور معنی یہ ہوگا کہ زمین میں تمہارے لئے روزی بنائی اور ان تمہارے خدمت کا ر غلاموں و کینزیوں اور حیوانوں کے لئے روزی بنائی جن کے تم رزاق نہیں ہو لیکن اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ ضمیر مجرور پر عطف ناجائز ہے جب تک حرف جار کا اعادہ نہ ہو۔

۳۔ اس کو انک مستقل جملہ قرار دیا جائے اور مَنْ محلاً مرفوع مبتدا ہو اور اس کی خبر محذوف ہو یعنی وہ مخلوق جن کے تم رزاق نہیں ہو خدا نے تمہارے لئے پیدا کی۔

علامہ طبرسی نے پہلے قول کو تفسیر صحیح دی ہے اور وہی السب معلوم ہوتا ہے۔
وَإِنِّ مِّنْ شَيْءٍ لِّعِنْدِي بِجُودٍ مِّنَ السَّمَاءِ سَائِلٌ ﴿۲۴﴾ اور جو کچھ زمین آگائی ہے اس سب کے خزانے اللہ کے پاس

وَلَقَدْ عَلَّمْنَا الْمُسْتَدْرِمِينَ مِنْكُمْ وَلَقَدْ عَلَّمْنَا الْمُسَاخِرِينَ ﴿۲۸﴾ وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُو

اور تحقیق ہم آگے آیتوں کو جانتے ہیں اور تم میں سے پیچھے آنے والوں کو بھی جانتے ہیں اور تحقیق تیرا رب ان کو جمع

ہیں یعنی اس کی تمام قدرت اللہ کو حاصل ہے۔ جتنا چاہتا ہے اور جسے چاہتا ہے اپنی حکمت و مصلحت کے ماتحت ایجاد کرتا ہے۔ پس خزانوں سے مقدرات خداوندی مراد ہے۔ لیکن علامہ فیض کاشانی نے تفسیر صافی میں اس معنی کو ناقابل قبول قرار دیتے ہوئے فرمایا ہے کہ خزانوں سے مراد لوح قضا یعنی لوح محفوظ ہے جس میں کوئی تغیر و تبدل نہیں ہو سکتا اور اس میں تمام کائنات عالم کا علم موجود ہے اور یہ جو فرمایا کہ ہم اس کو ایک معلوم انداز سے نازل کرتے ہیں اس سے مراد لوح قدر یعنی لوح محفوظات ہے اور قومی سے مروی ہے کہ خزانوں سے مراد آسمان سے نازل ہونے والا پانی ہے جس کی بدولت ہر قسم کے حیوانات کا رزق مقدر پیدا ہوتا ہے۔

مخزن پانی یعنی ہم آسمان سے پانی برساتے ہیں یا زمینوں سے چشمے دور یا جاری کرتے ہیں اس کے محافظ اور خازن بھی ہم ہیں یعنی قدرت ایجاد ہمیں حاصل ہے کہ مقدار معلوم کے ماتحت ایجاد کرتے ہیں ورنہ تمہارے بس ہیں نہیں کہ اس کو جمع کر لو اور خزانہ کر کے حسب ضرورت اپنے پاس محفوظ کر لو۔

نَحْنُ وَنَمِيتُ ۚ یعنی موت و حیات صرف ہمارے قبضہ میں ہے اور سب مخلوق کے تنہا ہم ہی مالک ہیں خداوند کیم نے ان آیات میں اپنی توحید کے آثار بیان فرمائے ہیں (۱) زمین کا پھانا (۲) پہاڑوں کا پیدا کرنا (۳) نباتات کا اگانا (۴) اسباب رزق کا مناسبت سے پیدا کرنا (۵) حیوانات کی تخلیق (۶) بادل بنا کر (۷) مینہ برسانا (۸) پانی کا محفوظ رکھنا (۹) زندہ کرنا (۱۰) مارنا اور ان کے مفصل ذکر کے بعد فرمایا۔ بس سب کے ہم مالک و وارث ہیں۔ پس ان امور کی کسی دوسرے کی طرف تخلیقی و تکوینی نسبت دینا یقیناً شرک ہے۔

وَلَقَدْ عَلَّمْنَا ۚ تفسیر مجمع البیان میں مروی ہے حضور نے لوگوں کو جماعت کی پہلی صف میں کھڑے ہونے کی تاکید فرمائی کہ مردوں کے لئے پہلی صف افضل ہے اور آخری صف مکروہ ہے اور عورتوں کے لئے پہلی صف مکروہ ہے۔ اور آخری صف افضل ہے۔ کیونکہ مردوں کی آخری صف عورتوں کی پہلی صف کے قریب ہوتی تھی اور شیطانی وسوساں کا زیادہ سے زیادہ خطرہ تھا، نیز آپ نے فرمایا نماز جماعت میں پہلی صف والوں پر فرشتے درود بھیجتے ہیں چونکہ بنوعذرہ کے گھر مسجد سے دور تھے تو انہوں نے اپنے گھر فرودخت کر کے مسجد کے قریب گھر بنانے کا ارادہ کیا تاکہ بروقت پہنچ کر نماز کی صف اول میں شامل ہو سکیں۔ پس یہ آیت اتری کہ خدا آگے آنے والوں اور پیچھے رہنے والوں کی نیتوں سے واقف ہے نیز مروی ہے کہ بعض لوگ تو صف اول کے ثواب کے لئے جلدی آجاتے تھے لیکن بعض شرارتی قسم کے آدمی دیر سے حاضر ہوتے تھے تاکہ پہلی صفوں میں کھڑی ہوئی عورتوں کو دیکھتے ہوئے آگے آئیں۔ پس یہ آیت ان کی سرزنش کے لئے اتری۔

يَحْشُرُهُمْ إِنَّهُ حَكِيمٌ عَلِيمٌ ﴿٢٥﴾ وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ

کرنے کا تحقیق وہ حکیم و عظیم ہے اور تحقیق ہم نے پیدا کیا انسان کو

مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَإٍ مَّسْنُونٍ ﴿٢٦﴾ وَالْجَانَّ خَلَقْنَاهُ مِنْ

آواز کرنے والی مٹی سے جو لیسدار ٹھسالی ہوئی تھی اور قوم جن کو ہم نے اس سے

اور بعض مفسرین نے دیگر تاویلات بھی کی ہیں، امام گذشتہ و آئندہ (۲) اولین و آخرین (۳) جہاد میں بڑھنے والے اور پیچھے ہٹنے والے (۴) نیک کاموں میں سبقت کرنے والے اور جی چرانے والے ان سب کو خدا جانتا ہے۔ پس سب لوگ اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہوں گے اور جزایا سزا پائیں گے۔

رکوع نمبر ۳ ذکر خلقت انسان | صَلْصَالٍ - مضاعف رباعی صَلْصَلَتْ سے ہے لہے کے جھنکار اور ہونے کے بعد اوپر چلنے سے جو آواز پیدا کرتی ہے اس کو صلصال کہا گیا ہے۔

حَمَإٍ - مٹی پر پانی ڈالنے اور گوندھنے کے بعد کچھ عرصہ تک رکھ دیا جاتا ہے تاکہ لیس دار بن جائے۔ پس اس کا رنگ سیاہی مائل ہوتا جاتا ہے اور دیر کے بعد اس میں لزوبت اور لیس پیدا ہو جاتی ہے تاکہ اس سے بنائی ہوئی چیز پختہ دیر پا اور خوبصورت ہو۔ پس اس کو حَمَإٍ کہا جاتا ہے

مَسْنُونٌ - اس کا معنی ہے ڈھالی ہوئی چیز اور یہ سنن سے ہے جس کا معنی ہے کسی سانچے میں شے کا ڈھاننا اور سنن کا لفظ بھی اسی مادہ سے ہے اور ترکیب نجومی کے لحاظ سے حَمَإٍ مَسْنُونٌ بدل ہے۔

نکتہ لطیفہ | مٹی کی چار انگ انگ حالتوں کے انگ انگ نام ہیں مثلاً خشک مٹی کا نام تراب پھر پانی کی آمیزش کے بعد کھینچ کر کا نام طین پھر کچھ وقت تک پڑا رہنے، لیسدار بننے اور عہدہ گارا ہو جانے کا نام حَمَإٍ اور اس کو سانچے میں ڈھال کر خشک حالت پر آ جانے کا نام صلصال ہے۔ جب وہ ٹھوکر مارنے سے آواز کرنے لگے اسی بنا پر قرآن مجید میں خلقت انسانی کا مادہ مختلف مقامات پر مٹی کی ان چار حالتوں میں سے کسی ایک کو قرار دیا گیا ہے۔

۱، خَلَقْنَاهُ مِنْ تَرَابٍ ۲، خَلَقْنَاهُ مِنْ طِينٍ ۳، مِنْ حَمَإٍ مَّسْنُونٍ ۴، مِنْ صَلْصَالٍ نیز آگ میں پختہ کرنے سے پہلے صلصال کہا جاتا ہے اور پختہ ہونے کے بعد اس کو نَخَّاز کہا جاتا ہے چنانچہ ایک مقام پر ارشاد قدرت ہے۔ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ۔

وَالْجَانَّ - تفسیر برہان میں بروایت تحفۃ الاخوان حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے ایک قوم جن کی پیدائش | طویل روایت میں منقول ہے کہ خداوند کریم نے نارِ سموم کو پیدا کیا اور وہ ایسی آگ ہے جس

قَبْلَ مِنْ نَارِ السَّمُومِ ﴿۲۷﴾ وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰئِكَةِ اِنِّيْ خَالِقٌ

پہلے پیدا کیا بھڑکتی ہوئی آگ سے اور جب فرمایا تیرے رب نے فرشتوں کو تحقیق میں پیدا کرنے والا

بَشَرًا مِّنْ صَلٰوٰتٍ مِّنْ حَمَءٍ مَّسْنُوٰنٍ ﴿۲۸﴾ فَاِذَا سَوَّيْتُهُ وَ

بشروں بشر کو آواز کرنے والی لیس دار ڈھالی ہوئی مٹی سے پس جب اس کو پورا بنا لوں اور

میں گرمی نہیں اور اسی سے جان کو خلق کیا اور اس کا نام مارچ رکھا پھر اسی سے اس کی زوجہ کو پیدا کیا جس کا نام مارچہ رکھا پھر ان دو نو میاں بیوی سے جان پیدا ہوا پھر جان کا بیٹا جن پیدا ہوا اور اس سے آگے قوم جن کی نسل پھیلی اور ایسے اسی کی اولاد میں سے ہے اس نے جان کی اولاد میں سے لہبا بنت روحا نامی ایک عورت سے شادی کی پہلی دفعہ اس کا ایک لڑکا بلیقس اور لڑکی طونہ جوڑویں پیدا ہوئے دوسری دفعہ بیٹا فطس اور بیٹی فقطسہ پیدا ہوئے اور اسی طرح اس کی اولاد کا سلسلہ بڑھتا گیا اور اس کی نسل اس قدر بڑھی کہ جنگلوں، گھاٹیوں، وادیوں، جھارٹیوں اور پہاڑیوں میں کھیموں اور چھروں کی طرح پھیل گئی اور اسی روایت میں آگے چل کر آپ فرماتے ہیں کہ بنی آدم کے ایک ایک بچہ کے ساتھ اس کے ہاں سات سات بچے پیدا ہوتے ہیں اور سلسلہ کلام کو جاری رکھتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ ہزاروں برس زمین پر سجدہ کرنے کے بعد اس کو آسمان اول پر ترقی دی گئی۔ پھر ایک ہزار سال کی عبادت کے بعد دوسرا آسمان پر ایک ہزار سال کے بعد تیسرے آسمان پر علیٰ ہذا القیاس ساتویں آسمان تک پہنچا۔

حدیث سابق میں ہے جب ابلیس نے آدم کی خلقت کا ذکر سنا تو زمین پر آیا اور کہنے لگا کہ خدا خلقت آدم تجھ سے ایک ایسی مخلوق پیدا کرنا چاہتا ہے جس کو تمام خلق پر فضیلت ہوگی لیکن جو ان میں سے نافرمان ہوگا اُسے آگ کا عذاب دیا جائے گا۔ پس جب جبریل کو حکم ہوا کہ زمین کے مشرق و مغرب اور پستی و بلندی سے ایک ایک مٹی اٹھا کر لاؤ تاکہ نئی اور افضل مخلوق پیدا کی جائے تو جبریل زمین پر پہنچا ہی تھا کہ زمین نے خدا کی قسمیں دے دے کر دہائی شروع کر دی کہ مجھ سے مٹی نہ اٹھاؤ کہ مجھ میں عذاب کی تاب برداشت نہیں ہے چنانچہ ناکام واپس ہوا پھر میکائیل آیا تو وہ بھی زمین کی فریاد اور اُس کی قسموں سے مرعوب ہو کر واپس خالی ہٹا پس عزرائیل کو حکم ہوا تو اس نے زمین کی فریاد پر کان دھرے بغیر مشرق و مغرب سے بلندی و پستی سے شور و شیریں سے اور عمدہ و ناقص سے ایک ایک مٹی اٹھائی اور واپس آگیا پس ارشاد خداوندی ہوا مجھے اپنی عورت و جلال کی قسم قبض ارواح کے لئے بھی تو ہی موزوں ہے۔

سلسلہ کلام کو جاری رکھتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ ایک عرصہ دراز تک آدم کا پتلانے خاک کی بغیر روح کے پڑا رہا پھر روح کو اس میں داخل ہونے کا حکم ملا اور اس مقام پر روح کی اللہ کی طرف اضافت ملکیت کو ظاہر کرتی ہے۔ روحی یعنی

نَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُوْحِي فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِيْنَ ﴿٢٩﴾ فَسَجَدَ

اپنا روح اس میں داخل کر لوں تو گر جانا اس کے لئے سجدہ کرتے ہوئے پس سجدہ کیا

الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهَا جٰمِعُوْنَ ﴿٣٠﴾ اِلَّا اِبٰلِيْسَ اَبٰى اَنْ

تمام فرشتوں نے مگر ابلیس اس نے انکار

میرا مملوک (روح) پس دماغ کی جانب سے روح داخل ہوا پہلے آنکھیں کھلیں تو جانب عرش نگاہ کی۔ پس لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا کلمہ لکھا ہوا نظر آیا۔ پھر کانوں میں روح پہنچی تو تسبیح ملائکہ سنی وہ اپنے مقام پر حکم سجدہ کے منتظر تھے پس ناک کے نتھنوں تک روح پہنچی تو چھینک لی اور حواس خمسہ کے بند سوراخ سب کھل گئے اور آدم نے الحمد للہ کا کلمہ زبان پر جاری کیا تو زبان توحید سے اس کو زیرِ جحک اللہ سے جواب ملا اور اس کو اولاد آدم میں سنت قرار دیا گیا اور حدیث نبوی میں ہے جب کوئی چھینک دینے والا الحمد للہ کہے اور سننے والا اس کو یرحکم اللہ سے جواب دے تو اس سے ابلیس بہت کڑھتا ہے۔ روح کے متعلق وضاحت ۱۸۲ پر ملاحظہ کیجئے۔

فَسَجَدَ۔ حدیث سابق میں ہے جب آدم کے پورے جسم میں روح داخل ہو چکی تو وہ اٹھ کھڑے ہوئے اور یہ جمعہ کا دن زوال کا وقت تھا۔ پس فرشتوں کو سجدہ کا حکم ہوا تو سب سے پہلے جبریل پھر میکائیل پھر عزرائیل اور آخر میں اسرافیل نے سجدہ کیا ان کے بعد تمام ملائکہ مقربین سجدہ میں جھک گئے۔ اور عصر تک سر بسجود رہے۔ پس اسی وجہ سے یوم جمعہ کو اولاد آدم کے لئے عید کا دن قرار دیا گیا ہے۔

راقول ملائکہ کا آدم کو سجدہ کرنے کا مقصد صرف آدم کا اعزاز و اکرام تھا اور یہ سجدہ شکر پروردگار تھا حضرت آدم علیہ السلام کو قبل کی حیثیت دی گئی تھی جیسا کہ روایات میں بھی مضمون وارد ہے اور ہم نے اس مقصد کو اپنی کتاب لغتہ الاثر فی عقائد الابرار میں اچھی طرح واضح کیا ہے۔

حدیث سابق میں ہے حکم پروردگار فرشتوں نے حضرت آدم کو اپنے کندھوں پر اٹھا کر عالم بالا کی سیر کرائی اور آدم کا گذر جب کسی صفت ملائکہ سے ہوتا تھا تو السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہتے تھے اور فرشتے جواب میں وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہتے تھے۔ اور آدم کو پروردگار کی جانب سے ندا پہنچی کہ یہ سلام تیرے اور تیری اولاد کے لئے تا قیام قیامت نیچے رہیگا اور جس قوم میں سلام کا یہ رواج عام ہو گا وہ میرے عذاب سے محفوظ رہیں گے اور حدیث نبوی میں ہے آپ نے فرمایا میں تم کو ایسی تعلیم دوں جس پر عمل کرنے سے تم جنت کے حقدار بن جاؤ۔ لوگوں نے کہا بے شک یا رسول اللہ بتائیے تو آپ نے فرمایا۔ اَلْعَمُو وَالطَّعَامُ وَافْتَشُوا السَّلَامَ وَصَلُّوا لِنَافِي اللَّيْلِ وَالنَّاسُ نِيَامٌ تَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ لِسَلَامٍ۔ یعنی کھانا کھلاؤ، سلام کو عام کرو۔ رات کو نماز پڑھو جب کہ لوگ محو خواب ہوں پس سلامتی سے جنت میں داخل ہو گے اور حضور نے

يَكُونُ مَعَ السَّاجِدِينَ ﴿٣١﴾ قَالَ يَا بَلِيسَ مَا لَكَ أَنْ لَا تَكُونَ

کیا کہ ہو جائے شامل سجدہ کرنے والوں میں فرمایا اے ابلیس تجھے کیا ہو گیا کہ تو سجدہ کرنے والوں میں

مَعَ السَّاجِدِينَ ﴿٣٢﴾ قَالَ لَمَّا كُنْتُ لَأَسْجُدَ لِبَشَرٍ خَلَقْتَهُ مِنْ

شامل نہ ہوا ؟ کہنے لگا میں ایسے بشر کے لئے سجدہ کرنے کو تیار نہیں جس کو تو نے

فرمایا یہ مومن جب مومن پر سلام کرتا ہے تو ابلیس رو دیتا ہے اور ابھی یہ دونوں آپس میں جدا نہیں ہوتے کہ خدا ان کے گناہ بخش دیتا ہے۔ پس آدم کو خدا نے ملائکہ کا خطیب بنایا اور آپ نے خطبہ میں پہلے پہل الحمد للہ کا کلمہ کہا جو ہمیشہ کیلئے سنت قرار دیا گیا۔

قَالَ لَمَّا كُنْتُ جَهَنَّمَ۔ یہاں پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ ابلیس فرشتہ تھا یا جن۔ پس اگر جن تھا تو ملائکہ کے حکم سجدہ میں اس کو کیوں شامل کر لیا گیا؟ اور اگر فرشتہ تھا تو فرشتوں سے نافرمانی کا صدور کیسے ممکن ہے جبکہ وہ نوری مخلوق ہیں۔ اس کا جواب تفسیر کی دوسری جلد ص ۱۱۱ میں مفصل مذکور ہے۔ ابلیس نے سجدہ سے انکار کی وجہ آدم کا مٹی سے پیدا ہونا بیان کیا اور اپنی ناری خلقت پر ناز کیا اُس کا یہ قیاس مٹی کی حقیقت کو نہ سمجھنے کی بنا پر تھا اور ہم نے اس کی وضاحت تفسیر کی چھٹی جلد پر ص ۱۱۱ میں کر دی ہے۔ لہذا یہاں دہرانے کی ضرورت نہیں۔

اس میں شک کرنے کی گنجائش نہیں کہ ابلیس کو قرآنِ عالیہ کی رو سے حکم سجدہ میں شامل ہونے کا یقین تھا جیسی تو خدائی سرزنش کے بعد یہ کہنے کی جرأت نہ کر سکا کہ میں حکم سجدہ میں شامل نہیں تھا کیونکہ حکم صرف فرشتوں کو ہی تھا اور میں قوم جن سے تھا بلکہ انکار کی وجہ اپنا تکبر اور آدم کی خاکی پیدائش کو ہی قرار دیا۔ پس خدا کی اس پر لعنت برسی اور تفسیر برہان کی سابقہ روایت میں ہے کہ اس کی حسین و جمیل صورت بد صورتی سے بدل گئی۔ پس فرشتے آگ کے حربے لیکر اس کے پیچھے پڑ گئے اور اس کو وہاں سے نکال دیا۔ پہلے پہل اس پر جبریل نے لعنت کی پھر میکائیل پھر اسرافیل اور آخر میں عزرائیل نے کی۔ اس کے بعد ہر طرف سے لعنت کی پھسکار ہوئی اور وہ بھاگ کھڑا ہوا اور ابلیس کی اس جرأت و سرکشی سے آسمانوں میں لرزہ کی کیفیت طاری تھی۔

ابلیس کے دل میں حضرت آدم پر حسد کی آگ بھڑک اٹھی اور اس کی اولاد کو گمراہ کرنے کا مصمم ارادہ کر لیا۔ سابقہ روایت میں ہے کہ ملائکہ کے سامنے خطبہ پڑھنے اور اپنا علمی وقار تسلیم کرانے کے بعد جب آپ منبر سے نیچے اترے تو ان کی پہلی ضیافت انگوروں سے کی گئی جو جنت کی پیداوار تھی پس تناوکی فرمانے کے بعد انہوں نے الحمد للہ کا کلمہ زبان سے جاری کیا جو سنت جاری بن گیا اس کے بعد آپ سو گئے جب ابلیس کو یہ پتہ چلا کہ وہ کھانا پینا اور سونا بھی ہے تو خوش ہوا کہ اس کو گمراہ کرنا آسان ہے۔ اور اسی حدیث میں آگے چل کر فرماتے ہیں کہ مالِ حرام اور اولادِ حرام میں شیطان حصہ دار ہوتا ہے

صَلِّصَالٍ مِّنْ حَمَاءٍ مَّسْنُونٍ ﴿۳۳﴾ قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَإِنَّكَ

آواز کرنے والی لیس وار مٹی سے ڈھالا ہے فرمایا نکلی جا اس سے تحقیق تو لعنتی

رَجِيمٌ ﴿۳۴﴾ وَإِنَّ عَلَيْكَ اللَّعْنَةَ إِلَى يَوْمِ الدِّينِ ﴿۳۳﴾ قَالَ رَبِّ

ہے اور تحقیق تجھ پر قیامت کے دن تک لعنت ہوگی کہنے لگا اے رب

فَانظُرْنِي إِلَى يَوْمِ يَبْعَثُونَ ﴿۳۵﴾ قَالَ فَإِنَّكَ مِنَ الْمُنظَرِينَ ﴿۳۶﴾

مجھے مہلت دے اس دن تک جب اٹھائے جائیں گے فرمایا تحقیق تجھے مہلت دی گئی

إِلَى يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُومِ ﴿۳۷﴾ قَالَ رَبِّ بِمَا أَغْوَيْتَنِي لَأُزِينَ

ایک معلوم وقت تک کے لئے کہنے لگا اے رب چونکہ تو نے مجھے گمراہ کیلئے لہذا میں مزین

لَهُمْ فِي الْأَرْضِ وَلَا أُوَيْبِيَهُمْ أَجْمَعِينَ ﴿۳۸﴾ إِلَّا عِبَادَكَ

کروں گا باطل کہا ان کے سامنے زمین میں اور ضرور گمراہ کروں گا ان سب کو مگر تیرے وہ بندے جو

مِنْهُمْ الْمُخْلِصِينَ ﴿۳۹﴾ قَالَ هَذَا صِرَاطٌ عَلَيَّ مُسْتَقِيمٌ ﴿۴۰﴾

ان میں سے مخلص ہوں گے (گمراہ نہ ہونگے) فرمایا یہ میرا سیدھا راستہ ہے

إِنَّ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ إِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ

تحقیق میرے بندوں پر تجھے غلبہ حاصل نہ ہو سکے گا مگر وہ لوگ جو گمراہوں میں سے تیرے پیچھے چلیں گے

اور آپ نے فرمایا کہ حلال عذرت سے مجامعت کرتے وقت بھی اللہ کا نام لیا کرو۔ (بسم اللہ کو پڑھا کرو) ورنہ شیطان شریک ہوگا

قَالَ رَبِّ - تفسیر برہان میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ ابلیس نے چوتھے آسمان پر دو رکعت نماز

پڑھی تھی جو چھ ہزار سال میں تمام ہوئی۔ اسی کے بدلہ میں خدا نے اس کو وقت معلوم تک مہلت دی ہے۔ نیز آپ سے

منقول ہے کہ اس سے مراد قائم آل محمد کا زمانہ ہے پس یہ گرفتار ہو کر آپ کے پیش ہوگا جب کہ آپ مسجد کوفہ میں تشریف

فرماں ہوں گے پس آپ کے حکم سے اس کی گردن اڑادی جائے گی۔ اعیوشی - اس کی تفسیر چھٹی جلد ص ۱۸ پر گنڈر چکی ہے

شیطان کے پاس گمراہی کے جال بہت سے ہیں چنانچہ جب اس کو نکالا گیا تو حدیث سابق میں ہے اس نے پوچھا

اے پروردگار میرا شکنازین میں کہاں ہوگا؟ تو فرمایا مزابل پر یعنی غلیظ جگہوں پر کہا میں پڑھوں گا کیا؟ تو جواب ملا کہ شجرہ پوچھا میرا موزن کون ہوگا؟ تو جواب ملا کہ جلد سارنگی دریافت کیا کہ میری غذا کونسی ہوگی؟ تو جواب ملا ہر وہ چیز جس پر میرا نام نہ لیا گیا ہو پوچھا کہ میرا شروب کیا ہوگا؟ تو جواب ملا کہ ہر قسم کی شراب۔ کہا میرا گھر کہاں ہوگا؟ تو جواب ملا کہ حمام۔ کہنے لگا میری مجلس کہاں ہوگی؟ تو جواب ملا کہ بازار میں اور عورتوں کے اجتماعات میں۔ کہنے لگا میرا لباس کیا ہوگا؟ تو جواب ملا کہ راگ و رنگ۔ پھر پوچھا میری شکارگاہ کیا ہوگی تو جواب ملا کہ عورتیں۔ پس یہ خوش ہو کر چلا گیا تو آدم نے عرض کی میری اولاد کیا کرے گی؟ تو ارشاد ہوا تجھے تین چیزیں عطا کرتا ہوں۔ ایک صرف میرے لئے، دوسری صرف تیرے لئے اور تیسری میرے اور تیرے درمیان مشترک ہوگی۔ پہلی چیز جو صرف میرے لئے ہے وہ ہے عبادت کہ اس میں کسی کو شریک نہ کیا جائے دوسری جو صرف تمہارے لئے ہے وہ یہ کہ ہر نیکی کا بدلہ دس گنا دوں گا کہ اس کا ایک ایک حصہ بڑے سے بڑے بہاڑ سے بھی وزنی ہوگا۔ اور تیسری چیز جو مشترک ہے وہ یہ کہ تمہارا کام ہے دعا مانگا اور میرا کام ہے قبول کرنا۔ پس یہ سن کر ابلیس سٹپٹا اور چلایا کہ ہائے میں بنی آدم کو کیسے گمراہ کروں گا۔

صراط علیٰ مستقیم۔ علیٰ کو علی بھی پڑھا گیا ہے اور جو پڑھنے کی کوئی قرأت منقول نہیں۔ لیکن تفسیر اہلبیت میں جبر کی قرأت کا احتمال ہے چنانچہ تفسیر برہان و صفائی میں بروایت عیاشی امام جعفر صادق علیہ السلام سے صراط علی منقول ہے اور بروایت کافی امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ خدا کی قسم وہ علی ہیں اور خدا کی قسم وہی میزان اور صراط مستقیم ہیں۔ نیز تفسیر برہان میں مناقب ابن شاذان سے منقول ہے کہ ایک مرتبہ عمر بن خطاب نے عرض کی حضور! آپ علیؑ کے متعلق فرماتے ہیں۔ اَنْتَ مَنِّي بِمَنْزِلَةِ هَارُونَ مِنْ مُوسَى۔ حالانکہ ہارون کا قرآن میں ذکر موجود ہے اور علیؑ علیہ السلام کا نہیں تو آپ نے جھڑک کر فرمایا کہ کیا اللہ نے نہیں فرمایا۔ هَذَا صِرَاطٌ عَلَيَّ مُسْتَقِيمٌ۔ اِنَّ عِبَادِي۔ امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ اس سے مراد آئمہ اور ان کے شیعہ ہیں۔

اِنَّ جَهَنَّمَ۔ جہنم کے سات دروازوں سے مراد اس کے تہ بہ تہ سات طبقے ہیں جن کو درجات جہنم کہا جاتا ہے تفسیر برہان میں بروایت امام محمد باقر علیہ السلام ترتیب اس طرح ہے (۱) حجیم (۲) لظی (۳) سقر (۴) حطہ (۵) ہادیہ (۶) سعیر (۷) جہنم اور اسی میں وہ کنواں ہے جس کا ڈھکن کھولنے سے دوزخ کے تمام طبقات بھڑک اٹھتے ہیں اور اس کا عذاب سب درجات جہنم سے زیادہ ہے اور مجمع البیان میں درجات جہنم نیچے سے اوپر اس ترتیب سے منقول ہیں۔ (۱) سب سے نیچے جہنم (۲) لظی (۳) حطہ (۴) سقر (۵) حجیم (۶) سعیر (۷) ہادیہ اور ایک روایت اس کے الٹ ہے۔ یعنی سب سے نیچے ہادیہ اور سب سے اوپر جہنم ہے اور ابن عباس کی روایت میں ترتیب جہنم سعیر۔ سقر۔ حجیم۔ لظی۔ حطہ اور ہادیہ ہے تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ جنت کے طبقات ایک دوسرے کے اوپر نیچے نہیں بلکہ ایک دوسرے کے عرض میں ہوں گے اور تفسیر برہان میں حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے مروی ہے کہ جنت کے آٹھ دروازے ہوں گے

داٹھ طبقت ہوں گے ایک دروازہ نبیوں اور صدیقیوں کے لئے۔ دوسرا جملہ شہدار اور صالحین کے لئے پھر پانچ دروازے ہمارے شیعوں اور مجبوں کے لئے ہوں گے۔ میں صراط پر کھڑے ہو کر کہوں گا اے میرے پروردگار! میرے شیعوں مجبوں، مددگاروں اور موالیوں کو بچالے تو بطنان عرش سے ندا آئے گی کہ تیری دعا مقبول ہے۔ پس میرا ایک ایک شیعوں موال اپنے ہمسایوں اور قریبوں میں سے ستر ستر ہزار آدمیوں کی شفاعت کر سکے گا جنہوں نے میری مدد کی ہوگی۔ اور میرے دشمنوں سے دشمنی دکھی ہوگی اور جنت کا آٹھواں دروازہ ان عام مسلمانوں کے لئے ہوگا جن کے دلوں میں ایک مثقال برابر بھی اہل بیت کا بغض نہ ہوگا۔

۱۲، تفسیر صافی میں امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ روح کی اللہ کی طرف نسبت اسرار روحانیہ پسندیدگی، برگزیدگی اور اشرافیت کی بنا پر ہے کہ خدا نے ایک برگزیدہ روح کو خلق فرمایا جس کو باقی ارواح پر فوقیت بخشی اور اسی سے حضرت آدم میں نفع فرمایا۔

۱۳، علامہ فیض کاشانی تحریر فرماتے ہیں کہ روح عالم حس و شہادت سے نہیں بلکہ یہ عالم ملکوت و غیب سے ہے یوں سمجھ لیجئے کہ بدن بمنزلہ چھلکے یا غلاف یا قالب کے ہے اور روح ہی اس کی زندگی کا موجب ہے پس وہ اس سے ایک الگ مخلوق ہے جیسے کہ وہ فرماتا ہے **ثُمَّ أَنْشَأْنَا لَهُ خَلْقًا آخَرَ**۔ اور بروایت بصائر امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ مومن اور اس کے بدن کی مثال اس طرح ہے جیسے ایک ڈبیر میں موتی اور جب موتی نکال لیا جاتا ہے تو ڈبیر کو پھینک دیا جاتا ہے اور فرمایا کہ روح بدن میں مخلوط نہیں بلکہ وہ اس سے الگ اور اس پر حاوی اور مسلط ہے۔

۱۴، بروایت احتجاج آپ سے مروی ہے کہ روح نہ ثقیل ہے نہ خفیف بلکہ یہ ایک لطیف جسم ہے جس کو کثیف قالب کا لباس پہنایا گیا ہے آپ سے دریافت کیا گیا کہ قالب سے جدا ہو جانے کے بعد کیا وہ فنا ہو جاتا ہے یا تو آپ نے فرمایا کہ وہ نفع صورت تک زندہ رہے گا پس جب نفع صورت ہوگا تو ہر چیز کے ساتھ یہ بھی فنا ہو جائے گا اور دوسری بار جب نفع صورت ہوگا تو ہر شے کو ان کا خالق دوبارہ زندہ کرے گا۔ پس یہ بھی دوبارہ زندہ ہوگا اور ہر دو نفع کے درمیان چار سو برس کا زمانہ ہوگا۔

۱۵، نفع صورت کے زمانہ تک نیک لوگوں کے ارواح عیش و آرام اور روشنی میں ہوں گے اور بد کردار و بوجھتہ گنہگاروں کے ارواح عذاب کی تنگی و تاریکی میں رہیں گے۔

۱۶، بروایت کافی حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے ایک حدیث طویل میں منقول ہے کہ حضور رسالتاً نے فرمایا انبیاء و مرسلین میں خدا نے پانچ روحيں خلق فرمائی ہیں (۱) روح القدس (۲) روح الامان (۳) روح القودہ (۴) روح شہوہ (۵) روح البدن پس وہ روح القدس کی بدولت نبی و رسول بنائے گئے اور روح الامان کے ذریعے سے وہ عابد و

الْغَوِينِ ﴿۲۲﴾ وَإِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُهُمْ أَجْمَعِينَ ﴿۲۳﴾ لَهَا

اور تحقیق دوزخ ان سب کی وعدہ گاہ ہے اس کے

سَبْعَةُ أَبْوَابٍ لِّكُلِّ بَابٍ مِنْهُمُ حِزٌّ مَّقْسُومٌ ﴿۲۴﴾

سات دروازے ہیں ہر دروازہ کے لئے ان میں سے ایک حصہ معین ہے

موجود ہوئے اور روح الفوقہ کے سبب سے کسبِ معاش اور جہاد کیا اور روح شہوت کی بدولت عورتوں سے نکاح کیا اور روح بدن کے ذریعے سے وہ چلنے پھرنے پر موفق ہوئے۔ پھر ان میں سے بھی بعض کے بعض پر درجات بلند ہیں اور یہ سابقوں کے مصداق ہیں اور مومنوں میں خدائے روح القدس کے علاوہ باقی چار روح پیدا کئے اور وہ اصحابِ الیمین میں اور باقی لوگوں میں روح الایمان کے علاوہ باقی تین روح ہیں اور وہ اصحابِ الشمال ہیں۔ ملخصاً

۱۔ ایک طویل روایت میں حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے کیل سے فرمایا کہ نفس چار ہیں، (۱) نفس نامیہ بناتیہ (۲) نفس حیثیہ حیوانیہ (۳) نفس ناطقہ قدسیہ (۴) نفس کلیہ الہیہ۔ اور ان میں سے ہر ایک کی پانچ قوتیں اور دو خاصیتیں ہیں چنانچہ نفس نامیہ بناتیہ کی پانچ قوتیں۔ ماسکہ، جاذبہ، باضمہ، دافعہ اور مریتہ ہیں ان کی خاصیت بڑھایا گھٹنا ہے اور یہ جگر کی پیداوار ہیں اور نفس حیثیہ حیوانیہ کی پانچ قوتیں سامعہ، باصرہ، شامہ، ذائقہ اور لامہ ہیں اور اس کی دو خاصیتیں غصہ اور رضامندی ہیں اور یہ دل کی پیداوار ہیں اور نفس ناطقہ قدسیہ کی پانچ قوتیں فکر، ذکر، علم، حلم اور بیدار مغزی و بلند حوصلگی ہیں اور اس کی دو خاصیتیں پاکیزگی اور دانائی ہیں اور نفس کلیہ الہیہ کی پانچ قوتیں فنا میں لذت بقا، رہد حالی میں لطفِ نعمت، ولت میں عورتِ نفس۔ دولت مندی میں فاقہ مستی اور مصائب پر صبر و ضبط ہیں اور ان کی دو خاصیتیں تسلیم و رضا ہیں اور یہ وہی ہے جس کا مبداء و مال اللہ ہے اور اسی کے متعلق ارشاد ہے۔ وَ لَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُوحِي ر اور اسی کو دوسرے مقام پر نفس مطمئنہ قرار دیا گیا ہے۔

رُكُوعٌ غَيْرٌ مُتَّقِي لُوكِ جَنَّتِ فِيں جَائِيں گے

درمیان اپنے چند شیعوں سے خطاب فرما رہے تھے۔ آپ نے ان کو سلام دیا اور فرمایا خدا کی قسم میں تمہاری ارواح سے محبت کرتا ہوں پس تم زبرد تقویٰ کے ساتھ میری اغانت کرو۔ وَ اعْلَمُوا اَنَّ وَاٰيَاتِنَا لَا تُنَالُ اِلَّا بِالْوَرَعِ وَ الْوَجْهَةِ الْهَادِيَةِ۔ یقین کرو کہ ہماری ولا تقویٰ اور پرہیزگاری کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی۔

جناب رسالت مآبؐ کا فرمان ہے اے علیؑ تو اور تیرے شیعوں جنت میں جائیں گے اور قرآن کا فرمان ہے متقی لوگ جنت میں جائیں گے پس اس کا صاف نتیجہ یہ ہے کہ علیؑ کے شیعوں ہی میں جو متقی ہوں۔ چنانچہ حدیث سابق

إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنَّاتٍ وَعُيُونٍ ﴿٢٥﴾ أَدْخُلُوها بِسَلَامٍ آمِينَ

تحقیق متقی لوگ باغات اور چشموں میں ہونگے رانگو کہا جائیگا اس میں داخل ہو جاؤ سلامتی کے ساتھ پُر امن

﴿٢٦﴾ وَنَزَعْنَا مَا فِي صُدُورِهِمْ مِنْ غَلٍّ إِخْوَانًا عَلَى

اور ہم کھینچ لیں گے جو ان کے سینوں میں کچھے ہوں گے خوشی کی مندوں پر بھائیوں کی طرح ایک دوسرے

سُرِّمَتْ قَلْبَيْنِ ﴿٢٧﴾ لَا يَسْمَعُ فِيهَا نَصَبٌ وَمَا هُمْ مِنْهَا

کے سامنے ہوں گے نہ ان کو سہ کرے گی تنگان اور نہ وہ اس سے نکالے

بِخُرُوجِينَ ﴿٢٨﴾ نَبِيُّ عِبَادِي أَنِّي أَنَا الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ﴿٢٩﴾

جائیں گے خبر دو میرے بندوں کو تحقیق میں بخشنے والا رحم کرنے والا ہوں

وَأَنَّ عَذَابِي هُوَ الْعَذَابُ الْأَلِيمُ ﴿٥٠﴾ وَنَبِّئْهُمْ عَنْ ضَيْفِ

اور تحقیق میرا عذاب ہی دردناک عذاب ہے اور ان کو بتا دو ابراہیم کے ہماروں

إِبْرَاهِيمَ ﴿٥١﴾ إِذْ دَخَلُوا عَلَيْهِ فَقَالُوا سَلَامًا قَالَ إِنَّا مِنْكُمْ

کا قصہ جب اس پر داخل ہوئے پس سلام کیا تو اس نے کہا ہمیں تم

وَجِلُونَ ﴿٥٢﴾ قَالُوا لَا تَوْجَلْ إِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلَامٍ عَلَيْمْ ﴿٥٣﴾

سے خطرہ ہے کہنے لگے : خطرہ کرو تحقیق ہم تجھے دانا بچے کی خوشخبری سناتے ہیں

اسی بات کو ثابت کر رہی ہے۔

نُبَشِّرُكَ۔ بشارت کی تفصیل اور واقعہ سورہ ہود کی تفسیر میں جلد ۱۷ ایڈیشن پر گزر چکا ہے۔ تفسیر برہان میں بروایت

عیاشی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے ایک دفعہ حضرت سارہ نے حضرت ابراہیم سے کہا کہ تجھے

خدا نے اپنا خلیل بنایا ہے۔ اور وہ تیری دعا کو رد نہیں فرماتا آپ اللہ سے دعا مانگیں تاکہ وہ ہمیں لڑکا عطا فرمائے جو

ہماری آنکھوں کی ٹھنڈک کا باعث ہو پس خدا کی جانب سے خوشخبری دی گئی کہ تجھے علیم لڑکا دوں گا اور مروی ہے

کہ سبیل کی بدولت قوم لوط اس اخلاق سوز مصیبت میں مبتلا ہوئی۔ قدرے تفصیل تفسیر جلد نمبر ۱ ص ۵۱ پر مذکور ہے

یہ لوگ پہلے پہل ضیافت سے تنگ آکر مہانوں کے ساتھ غیر فطری فعل کے مرتکب ہوئے۔ پھر مہانوں نے

قَالَ الْبَشَرُ مَوْنِي عَلَىٰ أَنْ هَسْنِي الْكِبْرُ فَبِمَ تَسْبِرُونَ ﴿۵۴﴾

فرمایا خوشخبری کیسے؟ میں تو بوڑھا ہو چکا ہوں پس کس کی خوشخبری سناتے ہو

قَالُوا بَشْرُكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُن مِّنَ الْقَاطِئِينَ ﴿۵۵﴾ قَالَ وَ

کہنے لگے ہم نے ٹھیک خوشخبری دی ہے پس آپ کو مایوس نہیں ہونا چاہئے فرمایا اللہ

اگرچہ وہ راہ ترک کر دی تھی لیکن ان میں یہ برعات گھر کر گئی۔ پس عورتوں کی بجائے مردوں پر شہوت بھانا ان کا معمول زندگی بن گیا۔ حضرت لوط علیہ السلام نے جو حضرت ابراہیم کے خلائد یاد دیا چچازاد اور سارہ کے بھائی تھے ان میں تیس برس رہ کر تبلیغ فرمائی لیکن بے اثر ثابت ہوئی۔ پس اللہ نے جب ان پر عذاب بھیجا پھاپا تو چونکہ حضرت ابراہیم و حضرت لوط کی دلگیری بھی مقصود تھی لہذا عذاب لانے والے فرشتوں کو پہلے ابراہیم کے پاس بیٹھے کی خوشخبری کے لئے بھجویا اور بعد میں قوم لوط کی ہلاکت کی خبر دی تاکہ قوم کے عذاب کی خبر سے پہلے بیٹے کی بشارت سن لیں اور بعد والی ہلاکت خیر کو برداشت کر کے صبر و ضبط سے کام لیں۔ ان کو آسانی ہو۔ چونکہ وہ رات کو پہنچے تو آپ نے سمجھا کہ چور و ڈاکو ہیں لہذا ڈر گئے تو انہوں نے کہا ڈرو نہیں ہم خوشخبری دینے کے لئے حاضر ہوئے ہیں۔ اگرچہ حضرت ابراہیم کو بشارت پروردگار کا پورا علم تھا اور مطمئن تھے لیکن ظاہری تعجب کے جواب میں فرشتوں نے کہا آپ مایوس نہ ہوں۔ یہ خوشخبری بالکل درست ہے اس کے بعد قوم لوط کے عذاب کی خبر سنائی۔

بالتحق۔ حق کا اطلاق کسی معانی پر ہوا کرتا ہے، امر واقع (۲) صدق (۳) ذات رکوع نمبر ۵ قوم لوط کا ذکر پروردگار (۴) دین اسلام (۵) قیامت (۶) موت (۷) عذاب (۸) حکمت وغیرہ اور آیت مجیدہ میں اس مقام پر حق سے مراد عذاب ہے اور مجاز مرسل کے طور پر عذاب کی اطلاع مقصود ہے جس طرح آیت نمبر ۵۵ میں صدق اور آیت نمبر ۸۵ میں حکمت مراد ہے۔

فأشروا یعنی رات کا کچھ حصہ باقی ہو تو آپ کو روانہ ہو جانا چاہیے اس طریقہ سے کہ آپ کے پیچھے چلیں۔ تاکہ نجات یافتگان آپ کی نظر میں ہوں اور اس طرح جاؤ کہ پیچھے پلٹ کر کوئی نہ دیکھے یعنی بعد میں ہونے والے حالات سے بے نیاز ہو کر جاؤ جس طرح کسی کو کہا جاتا ہے اس طرح چل کہ پیچھے کی طرف نہ دیکھنا یعنی بے فکر ہو کر سیدھا چلا جاؤ اور تفسیر برہان میں ہے وقت مقرر کیا گیا کہ سات دن گزرنے کے بعد آٹھویں رات کو آخری حصہ میں جانا چنانچہ آٹھویں رات گزرنے پر صبح کو عذاب آیا۔

تفیننا یعنی ہم نے لوط کو اطلاع دے دی تھی کہ صبح تک یہ سب عذاب میں گرفتار کر لئے جائیں گے۔ اور ان سب میں سے جو بعد میں مغرب ہو گا وہ بھی صبح تک ختم ہو جائے گا یا یہ کہ ان کی پوری نسل ختم کر دی جائے گی۔

مَنْ يَقْنَطُ مِنْ رَحْمَةِ رَبِّهِ إِلَّا الضَّالُّونَ ﴿۵۶﴾ قَالَ فَمَا

گئی رحمت سے کون مایوس ہوتا ہے ؟ سوائے گمراہوں کے فرمایا تمہارا ضروری

خَطْبُكُمْ أَيُّهَا الْمُرْسَلُونَ ﴿۵۷﴾ قَالُوا إِنَّا أُرْسِلْنَا إِلَىٰ قَوْمٍ

کام کو ناسا ہے ؟ اے اللہ کے بھیجے ہوئے کہنے لگے تحقیق ہم بھیجے گئے ہیں مجرم قوم

مُجْرِمِينَ ﴿۵۸﴾ إِلَّا آلَ لُوطٍ إِنَّا لَمَنْجُوهُمْ أَجْمَعِينَ ﴿۵۸﴾

کی طرت سوائے لوط کے گھرانے کے تحقیق ہم ان سب کو بچا لیں گے

إِلَّا امْرَأَتَهُ قَدَرْنَا إِنَّمَا لِمِنَ الْغَابِرِينَ ﴿۵۹﴾ فَلَمَّا جَاءَ

سوائے اسکی عورت کے ہمارا فیصلہ ہے کہ وہ پیچھے رہنے والوں میں سے ہوگی پس جب آئے

امر کی وضاحت

اولوالامر کی بحث میں بعض لوگ کج بحثی کرتے ہوئے کہا کرتے ہیں کہ آئمہ معصومین علیہم السلام اولوالامر ہونے کی حیثیت سے تکونیات میں داخل تھے حالانکہ قرآن مجید کی تصریحاً اس کے برعکس ہیں دیکھئے حضرت لوط اور حضرت ابراہیم اپنی اپنی قوم کے لئے وقت کے اولوالامر تھے۔ پس جب عذاب کا وقت آیا تو خدانے اپنے نبی کو اطلاع دے دی اور سورہ ہود کی تفسیر میں جلد ۱ ایڈیشن نمبر ۲۳۳ پر ہے کہ حضرت ابراہیم نے اللہ سے عذاب کے ہٹانے کی پرزور سفارش کی جس کو اللہ نے مجادلہ کے لفظ سے تعبیر فرمایا لیکن خدانے ابراہیم کی جو وقت کے اولوالامر تھے کوئی سفارش قبول نہ فرمائی اور سرزنش کر کے فرمایا يَا اِبْرَاهِيمُ اَعْرَضُ عَنْ هَذَا اے ابراہیم اس بات کو چھوڑ بیٹے اور کوئی سفارش نہ کیجیے کیونکہ ان پر عذاب کا فیصلہ حتمی ہے اور یہ ہرگز نہیں ٹل سکتا تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ خدا اپنے فیصلے میں اپنے کسی نبی و ولی اور رسول و اولوالامر سے نہ مشورہ لیتا ہے اور نہ ان کی سفارش قبول کرنے کا پابند ہے البتہ ان کی جلالت قدر اور عظمت شان کے پیش نظر مصلحت کے ماتحت ان کو قبل از وقت اطلاع دے دیتا ہے۔ چنانچہ حضرت نوح کا واقعہ اور ان کی اپنے بیٹے کے حق میں سفارش اور اس کا سخت لہجہ میں جو اب قرآن مجید میں مذکور ہے جو مذکورہ بالا بیان کی تائید کرتا ہے۔

إِنِّ هَلُوْكَ اٰیَاتِ مَجِیْدَہِ كِی تَفْسِیْرِ جِلْد ۷ سُوْرَہِ ہُوْدِ جِلْد ۲۳۳ پْر مِلَا حِظْ فْرَمَائِیْنِ۔ اِیْڈِیْشِنْ نُمْبْرَا

بِنَاتِقِیْ۔ قَوْمِ كِی بِنِیْیَاں مْرَادِ ہِیْنِ۔ تَفْصِیْلِ جِلْد ۷ ۲۳۴ پْر دِیْكھِیْنِ۔ اِیْڈِیْشِنْ نُمْبْرَا

لَعَمْرُكَ۔ یہ حضرت رسالت مآب کا ہی اعزاز و اکرام ہے کہ خداوند کریم نے آپ کی زندگی کی قسم کھائی ہے۔

أَلْ لُّوطِ الْمُرْسَلُونَ ﴿٧﴾ قَالَ إِنَّكُمْ قومٌ مُنكَرُونَ ﴿٦٢﴾ قَالُوا

آل لوط کے پاس خدا کے بھیجے ہوئے (فرشتے) آپ نے فرمایا تحقیق تم اجنبی لوگ ہو تو کہنے لگے

بَلْ جُنُكٌ بِمَا كَانُوا فِیْهِ يَمْتَرُونَ ﴿٦٣﴾ وَآتَيْنَكَ بِالْحَقِّ وَ

بلکہ ہم تیرے پاس وہ چیز لائے ہیں جس میں یہ لوگ شک کرتے تھے اور ہم تیرے پاس (عذاب) کی یقینی خبر لائے

وَإِنَّا الصّٰدِقُونَ ﴿٦٤﴾ فَاسْرِبْ بِأَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ اللَّیْلِ وَاتَّبِعْ

ہیں اور ہم سچے ہیں پس چلے جاؤ اپنی اہل کو کیجیج رات کا کچھ حصہ باقی ہو اور خود ان کے

أَدْبَارَهُمْ وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ أَحَدٌ وَامضُوا حَيْثُ تُؤْمَرُونَ

پچھے چلو اور تم میں سے پچھے لپٹ کر کوئی نہ دیکھے اور چلے جاؤ جہاں تمہیں حکم ہوا ہے

﴿٦٥﴾ وَقَضَيْنَا إِلَيْهِ ذٰلِكَ الْأَمْرَ إِنَّ دَابْرَهُمْ لَمَقْطُوعٌ مُّصْبِحِينَ

اور میں نے اپنا حکم فیصلہ اس کو بتایا تھا تحقیق ان کی نسل صبح تک قطع ہو جائے گی

﴿٦٦﴾ وَجَاءَ أَهْلَ الْمَدِينَةِ يَسْتَبْشِرُونَ ﴿٦٦﴾ قَالَ إِنَّ هٰؤُلَاءِ

اور آئے شہر والے ایک دوسرے سے (دلوں کی) خوشخبری سنتے ہوئے آپ نے فرمایا یہ بیرے

تنبیہ۔ اس میں شک نہیں کہ علی سے مہدی تک تمام آئمہ اولوالامر کے مصداق ہیں لیکن اس کلمہ میں امر کا معنی حکم ہے یعنی خدا کی جانب سے معین کردہ حکمران ہیں اور اس لحاظ سے انبیاء و اوصیاء اپنے اپنے زمانہ کے اولوالامر تھے لیکن اس کا یہ مقصد نہیں کہ قرآن مجید میں جہاں کہیں امر کا لفظ وارد ہو۔ اسی کلمہ کی وجہ محمد و آل محمد کو اس میں متصرف قرار دیا جائے کہ یہ اولوالامر ہیں اور ہمارے ہاں بے حکام مقررین قرآن مجید میں ذکر ہونے والے ہر امر کو آل محمد کی تحویل میں سمجھ لیتے ہیں حالانکہ امر متعدد معانی کے لیے قرآن میں وارد ہے۔ مثلاً ارادۃ خداوندی۔ مشیت۔ فیصلہ۔ قیامت۔ معاملہ عذاب۔ شان اور حکم وغیرہ اور آئمہ طاہرین آخری معنی کے لحاظ سے اولوالامر ہیں۔ یعنی وہ امور شرعیہ کے نفاذ و رواج کے لیے تمام امت کے حاکم ہیں۔

مصحف تفسیر کی جلد نمبر ۲۳۶ پر ملاحظہ فرمائیں۔ ایڈیشن نمبر ۱

لِلْمُتَوَسِّعِينَ تفسیر برہان میں عبدالرحمن بن کثیر سے مروی ہے۔ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے

صَيِّنِي فَلَا تَفْضَحُونِ ﴿٦٨﴾ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَلَا تُخْزَوْنَ ﴿٦٩﴾ قَالُوا

مہاں ہیں پس تم مجھے رسوا نہ کرو اور اللہ سے ڈرو اور مجھے شہساز نہ کرو کہنے لگے

أَلَمْ نَنْهَكَ عَنِ الْعُلَمِيْنَ ﴿٧٠﴾ قَالَ هُوَ لِأَبْنَتِي إِنْ كُنْتُمْ

کیا ہم نے تجھے لوگوں کی میرا بیانی سے روکا نہیں؟ فرمایا یہ میری بیٹیاں ہیں اگر تم رشادی کرتے والے ہو

ہمراہ سفر چلا گیا۔ ایک جگہ آپ ایک پہاڑی پر چڑھ گئے اور لوگوں کے ہجوم کی طرف دیکھ کر فرمانے لگے۔ مَا أَكْثَرَ الضَّالِّينَ وَمَا أَقَلَّ الْحَاجِّينَ۔ یعنی شور کس قدر زیادہ ہے اور حاجی کس قدر کم ہیں۔ پس داؤد بن کثیر رقی نے عرض کی اسے فرزند رسول! کیا خدا ان سب کی دعاؤں کو قبول کرتا ہے؟ تو آپ نے جواب دیا اے ابوسلیمان، خدا مشرک کو کبھی نہیں بخشے گا اور علی کی ولایت کا منکریت پرست کی مانند ہے۔ میں نے عرض کی حضور! آپ اپنے دوستوں اور دشمنوں کو پہچان لیتے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا اے ابوسلیمان، جب سچ پیدا ہوتا ہے تو اس کی آنکھوں کے درمیان لکھا جاتا ہے مومن ہے یا کافر جو آدمی ہمارے پاس آئے تو ہم اس کی پیشانی سے سمجھ لیتے ہیں کہ کون ہے؟ جیسا کہ خدا فرماتا ہے إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّمَنْ يُّعِيْنُ۔ پس ہم اسی اپنے دوستوں اور دشمنوں کو جان لیتے ہیں اور بروایت عیاشی منقول ہے کہ متوسلین سے مراد آل محمد ہیں۔ چونکہ جامع قرآن نے ترتیب آیات سے قطع نظر قرآن کو جمع کیا ہے لہذا یہ سوال بالکل لغو ہے کہ یہ آیت قوم لوط کے حالات سے مختص ہے بلکہ اگر غور کیا جائے تو یہ آیت مجیدہ اس مقام پر مسافروں اور اجنبی سے معلوم ہوتی ہے۔ وَاللَّهُ اعْلَمُ

أَصْحَابُ الْأَيْكَةِ۔ تفسیر کی جلد ۶ ص ۵۸ پر ملاحظہ فرمائیں۔ تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ اصحاب ایکہ پر بادل سے بجلی گری تھی اور اصحاب دین دھماکے (صاعقہ) سے معذب ہوتے تھے۔ ان دونوں کے رسول حضرت شعیب تھے۔ بعضوں نے کہا ہے کہ ایک گھنے ریشوں کے جھنڈ کو کہتے ہیں اور حضرت شعیب کی قوم کا بھی یہی مسکن تھا۔

كِبَا مَامُ مَبِيْنٌ۔ یعنی ان دونوں قوموں سے عبرت لینی چاہیے اور وہ اس لحاظ سے امام یعنی پیشرو ہیں۔

رُكُوْعٌ نَمْبِرٌ قَوْمٌ صَالِحٌ كَاذِرٌ | أَصْحَابُ الْجِحْرِ۔ کہتے ہیں مدینہ اور شام کے درمیان ایک وادی تھی جس کا نام جحر تھا اور بعضوں نے کہا ہے کہ جحر اس شہر کا نام تھا۔ جس میں قوم ثمود کی رہائش

تھی۔ اور حضرت صالح ان کی طرف مبعوث رسالت ہوئے اور چونکہ ایک رسول کی تکذیب تمام نبیوں اور رسولوں کی تکذیب ہے لہذا تمام رسولوں کی تکذیب کی ان کی طرف نسبت دی گئی۔ ناقہ اور اس کا بچہ پھر ایک دن اس کا پناہ اور قوم پر دودھ کا کافی ہونا اور دوسرے دن قوم کا پانی پناہ اور اس کا پیا سا رہنا وغیرہ یہ سب اللہ کی طرف سے آیات تھیں جن کو انہوں نے ٹھکرایا اور مستحق عذاب ہوئے۔

فَعِلِينَ ﴿٤١﴾ لَعَمْرُكَ إِنَّهُمْ لَفِي سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُونَ ﴿٤٢﴾

تیری زندگی کی قسم تحقیق وہ اپنے لئے میں سرگردان تھے

فَاخَذَتْهُمْ الصُّبْحَةُ مُشْرِقِينَ ﴿٤٣﴾ فَجَعَلْنَا عَلَيْهِمَا سَافِلِهَآ

پس پکڑ لیا ان کو دھما کے نئے دن نکلے پس کر دیا ہم نے اُس پر کے حصے کو نیچے

وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ حَامًا مِّن سَجِيلٍ ﴿٤٤﴾ إِنَّ فِي ذَلِكَ

اور برسائے ان پر بہتر سخت قسم کے تحقیق اس میں

لَايَةً لِّلْمُتَوَسِّئِينَ ﴿٤٥﴾ وَإِنَّمَا لِبَسَائِلٍ مُّقِيمٍ ﴿٤٦﴾ إِنَّ فِي

نشانیوں میں غور کرنیوالوں کے لئے اور تحقیق ان کی بستی ایک معروف سڑک پر واقع تھی تحقیق اس میں

مِنْ حُثُونٍ ۚ سَنَك تَرَاشِي كے ماہر تھے پس پتھروں سے گھر بناتے تھے۔ عمریں لمبی لمبی رکھتے تھے اور بڑے اطمینان و آرام سے چوروں ڈاکوؤں کے خطرہ سے بے نیاز ہو کر زندگی گزارتے تھے۔ مفصل قصہ جلد ۶ ص ۴۹ تا ۵۶ اور جلد ۷ ص ۲۲۸ مذکور ہو چکا ہے۔ ایلین نمبر ۱۹۱

مَا خَلَقْنَا ۚ دَعْوَتِ اسلَامِيہ کے تہ کے طور پر خدا نے اپنی خالقیت و حکمت کا ذکر دہرایا اور اس میں تدبیر نہ کرتے ہوئے دعوت حق کو ٹھکانے والوں کو قیامت کی آمد سے خبردار کیا۔ اور حساب کے لئے مشتبہ فرمایا۔

فَاَصْفَحَ ۚ عام حالات میں درگزر کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور یہ حکم جہاد کے منافی نہیں ہے کیونکہ ہر ایک کا مقام الگ ہے پس سخت گیری کا مقام اپنا ہے اور نرمی۔ رحم دلی۔ سہل انگاری اور چشم پوشی کا مقام اپنا ہے۔

حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے مجمع البیان میں منقول ہے کہ ناراضگی ظاہر کئے بغیر معاف کر دینے کا نام درگزر ہے سُبُعَاتِنِ الْمُتَنَانِي ۚ اس میں تین اقوال ہیں دا مشانی سے مراد پورا قرآن ہے جس طرح کہ ارشاد باری ہے کہ کتابا

مُتَشَا بِهَآ مَتَانِي ۚ (۲) اس سے پہلی لمبی سات سورتیں مراد ہیں جن کو سبع طوال بھی کہا جاتا ہے (۳) سورہ فاتحہ کا سبع مشانی ہونا بسم اللہ الخ کے جزو سورہ ہونے کی دلیل بھی ہے۔ کیونکہ اس کے بغیر آیات فاتحہ کی تعداد سات نہیں بنتی۔

اس کو مشانی کہنے کے کئی وجوہ ہیں دا قرآن مجید کے تمام مضامین اس سورہ میں مجمل طور پر مذکور ہیں اور پھر دوبارہ پورے قرآن میں ان کی تفصیل موجود ہے۔ گو یا پورے قرآن کے لئے یہ سورہ دوبارہ اجمالی خاکہ ہے (۴) یہ سورہ دو دفعہ نازل ہوا

(۳) اس کے دو حصے ہیں۔ ایک حصہ حمد و ثنا۔ اور دوسرا حصہ دُعَا (۴) اس کے الفاظ میں تکرار ہے جیسے رَحْمٰنٌ وَرَحْمِہٖمُ وَغَیْرہ

ذٰلِكَ لَايَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ ﴿٤٤﴾ وَإِنْ كَانَ أَصْحَابُ الْأَيْكَةِ

نشانیوں میں مومنوں کے لئے اور تحقیق ایک دالے ظالم

لَظَالِمِينَ ﴿٤٥﴾ فَانْقَمْنَا مِنْهُمْ وَإِنَّهُمْ لِيَا مَامٍ مُّبِينٍ ﴿٤٦﴾

تھے تو ہم نے ان سے انتقام لیا اور تحقیق یہ دونوں قومیں (مقام عبرت و نصیحت میں) بالکل پیش پیش ہیں

وَلَقَدْ كَذَّبَ أَصْحَابُ الْحِجْرِ الْمُرْسَلِينَ ﴿٤٧﴾ وَأَتَيْنَهُمُ آيَاتِنَا

اور تحقیق جھٹلایا اصحاب حجر نے رسولوں کو اور ہم نے دیں ان کو اپنی

فَكَانُوا عَنْهَا مُعْرِضِينَ ﴿٤٨﴾ وَكَانُوا يُخَيِّطُونَ مِنَ الْجِبَالِ مَعُدًّا

نشانیوں تو وہ ان سے اعراض کرنے والے تھے اور وہ تراشتے تھے چھاڑوں سے اپنے گھر

أَمِينِينَ ﴿٤٩﴾ فَأَخَذْتُهُمُ الصَّيْحَةَ مُصْبِحِينَ ﴿٥٠﴾ فَمَا أَغْنَىٰ

با اس ہیں پکڑا ان کو بجلی نے صبح کرتے ہوئے تو نہ بچا سکا

عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَكْبِتُونَ ﴿٥١﴾ وَمَا خَلَقْنَا السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا

ان کو وہ جو کھاتے تھے اور ہم نے نہیں پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو اور جو ان کے

(۵۱) یہ نشانی سے موڑنے کے معنی میں بھی ہو سکتا ہے کہ فاسق لوگوں کو فسق سے موڑتا ہے ان کے علاوہ وجہ تسمیہ تفسیر کی دوسری جگہ صراط پر ملاحظہ فرمائیں۔ ایڈیشن نمبر ۱

من تسمیہ کے لئے ہے۔ اور اگر مثالی سے مراد قرآن ہو تو من تبعیض کے لئے ہوگا اور قرآن کا عطف تفسیری ہوگا۔ اور پہلی صورت میں عطف کا ہونا سورہ فاتحہ کی عظمت کو ثابت کرتا ہے کہ وہ قرآن کے مقابلہ میں علوم کا خزانہ ہے جو مستقل طور پر خالق کا اپنے حبیب کو عطیہ ہے۔

لَا تَعْمَدُنَّ عَلَىٰ آيَةٍ مَّجِيدَةٍ مِّنْ قَوْلِ اللَّهِ وَإِنَّ لَكَ لَأَعْيُنًا عَلَىٰ مَا كُرِهْتُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿٥٢﴾

مَعْنَاً کا مفعول محذوف ہے اور ازواجاً حال ہو یعنی کفار کو جو ہم نے منافع عطا کئے درحالیکہ وہ منافع جوڑے جوڑے ہیں یعنی ایک ایک جنس و صنف کے متعدد افراد ہیں۔ مثلاً متعدد اموال و متعدد اولادیں وغیرہ ان کی طرف نظر نہ اٹھاؤ (۵۲) کفار کی ان نعمت کو باعث رشک نہ سمجھو جو اپنی نظیر و مثال رکھتی ہیں کہ وہ جوڑا جوڑا ہو سکتی ہے کیونکہ خدا نے تم کو ایسی نعمت بخشی ہیں جن کی نظیر نہیں۔ مثلاً نبوت، قرآن اور اسلام

إِلَّا بِالْحَقِّ وَإِنَّ السَّاعَةَ لَأَتِيَةٌ فَاصْفِرِ الصَّفِيرَ الْجَبِيلَ ①

در بیان ہے مگر حکمت کے مطابق اور تحقیق قیامت آنے حال ہے پس در گذر کرد

اچھی طرح

إِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْخَلْقُ الْعَلِيمُ ② وَلَقَدْ آتَيْنَكَ سَبْعًا مِنَ الْمَثَانِي

تحقیق تبارب ہی پیدا کرنے والا علیم ہے اور ہم نے تجھے عطا کیں سات مثنائی سے

وغیرہ کہ ان کا جوڑا جوڑا موجود نہیں اور ان دونوں صورتوں میں منہم میں ضمیر کا مرجع کفار نہیں گے کہ ان کفار میں سے ان کی نعمات کو قابل التفات نہ سمجھو (۳) انہا واجا کو متعذرا کا مفعول قرار دیا جائے اور ازواج سے مراد اصناف کفار ہوں۔

تفسیر ربان میں جناب رسالت مآب سے مروی ہے کہ اللہ کی تسلی سے جس کو تسلی حاصل نہ ہو وہ دنیا کی حسرتوں میں گرفتار رہے گا جو غیر کی نعمات کو ملیجانی ہوئی نظروں سے دیکھے گا وہ غم و وہم میں گرفتار رہے گا جو دنیاوی حالات پر غمگین ہو گیا وہ اللہ پر ناراض ہے جو مصائب کا شکوہ کرے وہ مصائب کا نشانہ ہوتا ہے کیوں کہ اس نے اللہ کا شکوہ کیا اور اس امت میں سے جو شخص قرآن پڑھنے کے باوجود دوزخ میں داخل ہو گا وہ وہی ہو گا جو اللہ کی آیات سے تمسخر کرتا ہو اور جو کسی امیر و رئیس کے سامنے اس سے کچھ لینے کی خاطر تواضع کرے اور خوشامد سے پیش آئے تو اس کا دوتہائی دین برباد ہوتا ہے۔ الحدیث

وَلَا تَحْسَبَنَّ ③ یعنی ان کے اسلام قبول نہ کرنے پر غمزدہ ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔

وَإِخْفِصْ ④ یعنی مومنوں کے لئے اپنے اخلاق کریمانہ کو اور وسعت دے دو (بازو چھکانا محاورہ ہے)

كَمَا أَنْزَلْنَا ⑤ اس کے دو معانی کے لئے گئے ہیں (۱) ہم نے تجھ پر قرآن اس طرح اتارا جس طرح بہرہ و نصاریٰ پر کتاب اتاری۔

کہ انہوں نے اس کے مضامین کو تقسیم کر دیا پس ٹکڑے ٹکڑے کر کے کسی ٹکڑے کو مان لیا اور کسی کا انکار کر دیا (۲) میں تم کو عذاب سے ڈراتا ہوں جس طرح کہ وہ اترا تقسیم کرنے والوں پر کہتے ہیں ولید بن مغیرہ نے سولہ آدمیوں کو مقرر کیا جو لوگوں کو حضرت رسالت مآب کی تعلیمات سے برگشتہ کریں پس وہ تقسیم ہو کر مکہ کے گلی کوچوں میں پھیل گئے اور ایام حج میں لوگوں کو حضور سے برگشتہ کرنے کے درپے ہوئے پس خدا نے ان کو بدترین عذاب میں گرفتار کیا۔ کیونکہ انہوں نے قرآن مجید کے حصے کر دیئے۔ کسی حصہ کو بجا دو کسی کو شعر اور کسی کا نام افترا رکھ دیا۔

عِضْبِينَ ⑥ عِضْبَةٌ کی جمع سے اصل میں عضو تھا۔ پس واؤ کو حذف کیا گیا۔

إِنَّا كَفَيْنَاكَ ⑦ مروی ہے کفار میں سے چھ آدمی ایسے تھے جو بات بات پر تمسخر کر کے آپ کو دشمنان پیغمبر کو منرا رنجیدہ کرتے تھے (۱) عاص بن وائل (۲) ولید بن مغیرہ (۳) ابو زمعہ اسود بن مطلب (۴) اسود بن

وَالْقُرْآنَ الْعَظِيمِ ﴿۸۷﴾ لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ إِلَىٰ مَا مَتَّعْنَا بِهِ أَزْوَاجًا

اور قرآن عظیم نہ بڑھاؤ اپنی نظریں طوت اس کے جو ان کو ہم نے ملی تھی نعمات عطا کیں

مِنْهُمْ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِينَ ﴿۸۸﴾

اور نہ ان پر غمزدہ ہو اور بھکا دو اپنے بازو مومنوں کے لئے

وَقُلْ إِنِّي أَنَا النَّذِيرُ الْمُبِينُ ﴿۸۹﴾ كَمَا أَنزَلْنَا عَلَىٰ الْمُقْتَسِمِينَ ﴿۹۰﴾

اور کہہ دو تحقیق میں صاف طور پر ڈرانے والا ہوں جس طرح ہم نے نازل کیا تقسیم کرنے والوں پر

عبد لیوث (۵) حارث بن قیس (۶) حارث بن طلحہ

تفسیر صافی میں بروایت احتجاج حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام نے فرمایا۔ خداوند کریم نے رسالت مآب پر تمسخر کرنے والوں کو بدترین موت دی کہ ہر ایک کی موت کی نوعیت دوسرے سے الگ تھی اور سب کی موت ایک ہی دن میں واقع ہوئی۔ ولید قبیلہ خزاعہ کے لوہار کے پاس سے گذرا جو تیرنا تھا پس حیر کی نوک اس کی پٹلی کی رگ میں لگی کہ رگ ٹوٹ گئی اور اسی سے اس کی موت واقع ہوئی۔ عاص بن وائل ایک پہاڑی پر چڑھا اور ایک پتھر پر حاجت ضروریہ کے لئے بیٹھا تھا کہ پاؤں کے نیچے سے پتھر پھیلا اور نیچے گر کر چکنا چود ہو گیا اسود بن لیوث اپنے بیٹے زمد کو ملنے جا رہا تھا کہ ایک درخت کے سائے میں بیٹھا پس جبریل نے اس کو کپڑ کر درخت کے تنے سے ٹکرا کر مار دیا وہ اپنے غلام سے کہتا تھا کہ اس شخص سے مجھے چھڑاؤ۔ لیکن وہ جواب دیتا تھا کہ مجھے تو کوئی آدمی نظر نہیں آتا تو خود ہی ٹکریں مار رہا ہے۔ اسود بن مطلب حضور کی بددعا سے نابینا ہو کر مرا۔ اور حارث بن طلحہ گھر سے نکلا۔ بادِ سموم چل رہی تھی پس اس کا چہرہ سیاہ ہو گیا جب گھر پلٹا تو اپنی اہلیہ کے پاس گیا گھر والے چونکہ نہ پہچان سکے لہذا اس کے قتل کے درپے ہوئے وہ چلا تارہا کہ میں حارث ہوں وہ نہ مانے اور اس کو قتل کر دیا۔ اور بروایت مجمع البیان حارث بن قیس نے پھلی کھائی اور پیاس کے غلبہ سے ہانی پی پی کر پھول گیا اور اس کو موت واقع ہو گئی۔ ان میں سے ہر ایک بوقت مرگ یہی کہتا تھا کہ مجھے محمد کے خدا نے مارا ہے اور ان سب کی موت ایک گھنٹہ کے اندر واقع ہوئی۔

اس کے بعد حضور گھر سے نکلے اور ایک بلند مقام پر کھڑے ہو کر لوگوں کو دینِ خدا کی دعوت دی۔ اور مردی ہے کہ بعثت کے بعد جب کفار قریش درپے ایذا ہوئے تو آپ نے کئی برس تک خاموشی اختیار کر لی اور تقیہ کر کے تبلیغ کا سلسلہ بند کر دیا۔ سوائے علی اور خدیجہ کے اس وقت اور کوئی دامنِ اسلام سے وابستہ نہیں ہوا تھا پس جب اللہ

کا حکم ہوا کہ فَاَصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ اِذْ یعنی تو اپنی تعلیمات کو ظاہر کر اور مسخری کرنے والوں کو میں سزا دوں گا اور ان کو مذکورہ بالا سزا مل بھی گئی۔ تو آپ نے کھل کر میدان تبلیغ میں قدم رکھا اور فرمایا۔ اے گروہ میں تم کو کلمہ توحید خدا اور اپنی رسالت کی دعوت دیتا ہوں۔ اور میں تم کو بت پرستی کی برائی سے بچنے کا پیغام دیتا ہوں۔ اگر میری بات مانو گے تو عرب پر تمہاری حکومت کا جھنڈا لہرائے گا اور عرب و عجم تمہارے حکم کے سامنے سرنگوں ہوں گے۔ نیز دنیا کی حکومت کے ساتھ ساتھ تم کو جنت میں بھی خدا سرور سی عطا فرمائے گا پس فوراً جواب میں کہنے لگے۔ یہ دیوانہ ہے لیکن حضرت ابوطالب کے بلند وقار کے پیش نظر ایذا رسانی کی جرات نہ کر سکتے تھے۔

تفسیر برہان کی ایک روایت میں ہے کہ ان لوگوں نے حضور کو الٹی میٹم دے دیا تھا کہ اگر آپ اپنی باتوں سے باز نہ آئے تو ہم قتل کر دیں گے اور پھر تک یہ فیصلہ ہو گا۔ چنانچہ آپ غمزدہ ہو کر گھر میں چپکے سے بیٹھ رہے ایک گھنٹہ کے بعد جبریل آیا اور کہا کہ خدا اسلام کے بعد فرماتا ہے۔ اِصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ۔ یعنی جو تجھے حکم ہوا ہے اس کا اعلان کرو اور مشرکین کی باتوں کی پرواہ نہ کرو۔ آپ نے فرمایا اے جبریل۔ ان لوگوں نے مجھے قتل کی دھمکی دی ہے تو اس کا کیا حل ہے؟ پس جبریل نے یہ آیت پڑھی اِنَّا كَفَيْنَاكَ الْمُسْتَهْزِئِينَ۔ یعنی ہم نے مسخری کرنے والوں سے تیری کفایت کر لی ہے یعنی ان کو ٹھکانے لگا دیا ہے۔ آپ نے فرمایا وہ تو ابھی یہاں موجود تھے جبریل نے کہا میں ابھی ان کا معاملہ صاف کر کے آ رہا ہوں۔ پس آپ نے اعلانیہ تبلیغ شروع کر دی۔

بروایت برہان علی بن ابراہیم سے اسی ذیل میں منقول ہے کہ کفارِ قریش حضرت ابوطالب ایمان ابوطالب کے پاس حاضر ہوئے اور عرض کی کہ تیرا بھتیجا ہمیں بیوقوف بناتا ہے وہ ہمارے خنداؤں کو برا کہتا ہے اور اس نے ہمارے نوجوانوں کو پھسلا لیا ہے کہ ہماری اجتماعی زندگی افراتق و اختلاف کا نشانہ بن گئی ہے اگر وہ یہ باتیں تنگ دستی کی وجہ سے کرتا ہے تو ہم چندہ ڈال کر اسے مالدار کر دیتے ہیں اگر شادی کا خواہشمند ہے تو قریش کی جس عورت سے چاہے ہم اس کی شادی کرادیں گے۔ چنانچہ ابوطالب نے آپ کے سامنے ان کی درخواست دہرائی تو آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا یہ اللہ کا دین ہے اور اس نے مجھے اپنا رسول بنا کر بھیجا ہے میں کفارِ قریش کو خوش کر کے اپنے اللہ کو ناراض نہیں کروں گا۔ انہوں نے حضرت ابوطالب کو حضور سے طلب کیا تو ابوطالب نے نہایت سخت جواب دیکر ان کی امیدوں پر پانی پھیر دیا۔ جب سب قریشیوں نے آپ کے قتل کے ایک عہد نامہ پر دستخط کئے تو حضرت ابوطالب نے تمام نبی ہاشم کو بلا کر کعب کے اندر رکن مقام اور بیت اللہ کی قسم دیکر کہا اگر میرے بیٹے محمد کو کسی نے تکلیف پہنچائی تو میں تم سب کو قتل کر دوں گا۔ پس چار سال تک شعب میں لے جا کر حفاظت کا فریضہ انجام دیا جب شعب سے باہر آئے اور ابوطالب کی موت کا وقت آیا تو آپ نے فرمایا چچا جان! آپ نے میری تربیت کفالت اور حفاظت میں بہت بہترین کردار ادا کیا خدا آپ کو جزائے خیر دے اب کلمہ اسلام کا اظہار کرو تا کہ میں آپ

الَّذِينَ جَعَلُوا الْقُرْآنَ عِضِينَ ﴿٩١﴾ فَوَرَبِّكَ لَنَسْتَأْتِمَنَّ

جنہوں نے قرآن کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے پس تیرے رب کی قسم ہم ان سے سوال فرما

أَجْمَعِينَ ﴿٩٢﴾ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿٩٣﴾ فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ

کریں گے اس کے متعلق جو وہ کرتے تھے پس تو ظاہر کر جو تجھے حکم ہوا ہے

وَأَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِينَ ﴿٩٤﴾ إِنَّكَ فِئْتَاكَ الْمُسْتَهْزِئِينَ ﴿٩٥﴾

اور اعراض کر مشرکوں سے تحقیق تیری کفایت کر لی ہم نے مسخری کرنے والوں سے

الَّذِينَ يَجْعَلُونَ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ ﴿٩٦﴾

جو بناتے ہیں اللہ کے ساتھ اور خدا پس وہ عنقریب جان لیں گے

وَلَقَدْ نَعْلَمُ أَنَّكَ يَضِيقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُولُونَ ﴿٩٧﴾ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ

اور تحقیق ہم جانتے ہیں کہ تیرا دل تنگ ہوتا ہے ان باتوں سے جو وہ کہتے ہیں پس اپنے رب کی حمد سے اس کی

وَكُنْ مِنَ السَّجِدِينَ ﴿٩٨﴾ وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتَّىٰ يَأْتِيَكَ الْيَقِينُ ﴿٩٩﴾

تسبیح اور سجدہ کرنے والے بنو اور اپنے رب کی عبادت کرو یہاں تک کہ موت آجائے

کا شفیق بن جاؤں تو بروی ہے کہ وفات سے قبل حضرت ابوطالب نے کلمہ اسلام ظاہر کر دیا جس پر حضور رضامند ہو گئے۔ اور آپ نے فرمایا جب میں مقام محمود پر ہوں گا تو اپنے والدین اور چچا کی شفاعت کروں گا۔

مذہب امامیہ کا عقیدہ ہے کہ آباؤ نبی علیہ السلام تا آدم مسلمان تھے اور نور نبوت کسی دور میں کافر پشتوں اور کافر محوں سے نہیں گزرا جو لوگ حضور کے والدین کو کافر کہتے ہیں وہ رسول کے مقام کو نہیں سمجھے۔ اسی طرح حضرت ابوطالب کو کافر کہنا محض آل محمد کے ساتھ حسد و بغض کے منحوس اثرات ہیں سے ہے جو آل محمد سے لوگوں کو متنفر کرنے کے لئے بروئے کار لایا گیا۔ ہم حضرت ابوطالب کے ایمان کے متعلق مفصل بحث تفسیر کی جلد ۵ ص ۱۲۰ تا ۱۲۱ پر کر چکے ہیں نیز اپنی نو تصنیف کتاب لمة الانوار فی عقائد الابرار میں آباؤ رسالت مآب اور ابوطالب کے ایمان پر ہم نے مدلل بیان سپرد قرطاس کیا ہے۔

الْيَقِينُ - اس مقام پر یقین سے مراد موت ہے اور بعضوں نے علم بھی مراد لیا ہے۔

سُورَةُ النَّخْلِ

اس کی کل آیات ایک سو اٹھائیس ہیں۔ اور بسم اللہ کو ملا کر کل تعداد ایک سو اٹھائیس ہوگی۔ اس کے کئی یا مدنی ہونے میں اختلاف ہے (۱) پہلی چالیس آیات مکی باقی مدنی ہیں (۲) آخرتی میں آیتوں کے علاوہ باقی سب سورہ مکہ ہے اور سورہ کہف کے بعد نازل ہوا ہے۔

مجمع البیان میں حضرت رسالت مآب سے منقول ہے جو شخص اس سورہ کو پڑھیں گا محشر میں دنیاوی نعمتوں کا اس سے حساب نہ ہوگا اور نیک وصیت کر کے مرنے والے کے برابر اس کو اجر عطا کیا جائیگا۔

امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے جو شخص ہر ماہ میں ایک بار پڑھتا رہے تو دنیا میں تاوان سے بچا رہیگا اور شتر قسم کی مصیبتوں میں گرفتار نہ ہوگا جن میں کم از کم دیوانگی، برص اور جذام ہیں اور بروز محشر اس کا ٹھکانہ جنت عدن میں ہوگا۔

جو شخص اس کو لکھ کر کسی باغیچے میں دفن کرے وہ باغ جل جائے گا اور اگر کسی گھر میں اس کو دفن کیا جائے تو سال کے اندر وہ سب ختم ہو جائیں گے۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا اس کو باغیچے میں رکھنے سے ہر پھلدار درخت کا پھل گر جائے گا اور کسی گھر میں رکھنے سے وہ گھر برباد ہوگا اور سال کے اندر بسنے والے سب فنا ہو جائیں گے لہذا اس کا عمل کرنے سے تم لوگ بچو۔ ہاں ظالم کے لیے اس کا استعمال ممنوع نہیں ہے ذاتی، جذباتی عداوتوں کی بنا پر کسی کو ظالم سمجھ لینا اور اس کے درپے ایذا ہونا ٹھیک نہیں۔ البتہ اگر کوئی شخص خدا اور رسول کا دشمن اور خالق خدا کا ظالم ہو تو اس کے ظلم سے بچنے کی خاطر اس کے استعمال کی اجازت ہے ورنہ کسی مومن مسلم کے گھر کو برباد کرنے والا کہیں خود اس کی زد میں آجائے، مثل مشہور ہے۔ چاہ کن را چاہ در پیش۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

ساتھ نام اللہ کے جو رحمن و رحیم ہے (م شروع کرتا ہوں)

اَتَىٰ اَمْرَ اللّٰهِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْهُ سُبْحٰنَهُ وَتَعٰلٰی عَمَّا یُشْرِكُوْنَ

تے گا اللہ کا امر پس نہ اس کی جلدی کرو وہ منزہ اور بلند ہے اس سے جو شرک کرتے ہیں

رکوع نمبر ۱ حضرت قائم کی آمد
اَتَىٰ اَمْرَ اللّٰهِ۔ اس میں تین قول ہیں ۱) امر سے مراد مشرکوں اور کافروں کا عذاب ہے اور مستقبل قریب میں آنے والے عذاب کو ماضی کے صیغے سے بطور بیانہ کے ادا کیا گیا ہے کہ گویا ابھی آیا۔ (۲) امر سے مراد قیامت ہے پس یقینی آنے والے واقعات کو ماضی سے تعبیر کیا جاسکتا ہے جیسے اِشْرَبْتَ الشَّعْبَةَ (۳) امر سے مراد احکام شرعیہ خواہ اوامر ہوں یا نواہی (۴) حضرت قائم آل محمد کی آمد اور آنے ظاہرین سے یہی قول مروی ہے اور باقی اقوال بھی ظاہر کے لحاظ سے آخری معنی کے ساتھ متسامد نہیں ہیں۔

تفسیر برہان میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ قائم علیہ السلام کی آمد سے پیشتر جبریل ایک قدم کعبہ پر اور دوسرا بیت المقدس پر رکھ کر آواز دے گا۔ اَتَىٰ اَمْرَ اللّٰهِ الخ پس حضرت قائم تشریف لائیں گے اور مقام ابراہیم کے پاس دو رکعت نماز ادا کریں گے اور تین سو تیرہ کی تعداد میں اصحاب ان کے ہمراہ ہوں گے ان میں سے بعض تو وہ ہوں گے جو راتوں رات اپنے بستر پر سے یہاں پہنچیں گے۔

بِالرُّوْحِ۔^{۱۹۸} روح کا معنی وحی یا قرآن کیا گیا ہے کیونکہ ان کی بدولت انسان کا دل و دماغ زندہ ہوتا ہے نیز اس سے نبوت بھی مراد لی گئی ہے۔ تفسیر برہان میں روح کو ملائکہ کے علاوہ ایک اور مخلوق کہا گیا ہے چنانچہ حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام نے ایک شخص کو اسی آیت مجیدہ سے ویل دے کر سمجھایا کہ روح عام فرشتوں کے علاوہ ہے اور امام محمد باقر علیہ السلام سے ایک روایت میں منقول ہے۔ کہ انبیاء کی طرف جبریل روح کو ساتھ لے کر آتا ہے اور یہ روح اوصیاء کے ساتھ ہمیشہ رہا کرتی ہے۔

مِنْ اَمْرٍ ۛ۔ اس مقام پر من ہمارے معنی میں ہے یعنی خدا کا حکم لے کر اترتے ہیں

فَاَلْقَوْنَ۔^{۱۹۸} یعنی نبیوں اور رسولوں کی بعثت کی غرض ہی صرف یہ ہے کہ لوگوں کو لا الہ الا اللہ

توحید کا بیان

کی مخالفت سے ڈرائیں۔ پس اسے انسانوں کو ڈرانا چاہیے۔ اس کے بعد اپنی خالقیت

اور جملہ احسانات کا تذکرہ فرمایا۔ اگر خدا کے علاوہ اور کوئی خالق ہوتا تو دعوت توحید اور لا الہ الا انا کے بعد مسئلہ خلق کو بیان نہ فرماتا۔ بلکہ خدا نے کسی غیر کو خالق ماننے والوں کو صریح الفاظ میں مشرک کہہ دیا کہ آسمانوں اور زمینوں کا سچا خالق اللہ

يُنزِلُ الْمَلَائِكَةَ بِالرُّوحِ مِنْ أَمْرِهِ عَلَى مَنْ يَشَاءُ مِنْ

آتا رہے فرشتوں کو روح کے ساتھ اپنے حکم سے جس پر چاہے اپنے بندوں میں سے کہ

عِبَادِهِ أَنْ أَنْذِرُوا أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا فَاتَّقُونِ ﴿۲﴾ خَلَقَ

ڈراؤ تحقیق کرنی معبود نہیں سوائے میرے پس مجھ سے ڈرو اس نے

السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ بِالْحَقِّ تَعْلَىٰ عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿۳﴾ خَلَقَ

پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ بلند ہے وہ اس سے جو شرک کرتے ہیں پیدا کیا انسان

الْإِنْسَانَ مِنْ نُطْفَةٍ فَإِذَا هُوَ خَصِيمٌ مُّبِينٌ ﴿۴﴾ وَالْأَنْعَامَ

کو نطفے سے پس وہ کلمہ کھلا جھگڑا ہے اور چمپاڑوں کو پیدا

خَلَقْنَا لَكُمْ فِيهَا دِفْءٌ وَمَنَافِعُ وَمِنْهَا تَأْكُلُونَ ﴿۵﴾ وَلَكُمْ

کیا کہ تمہارے لئے ان میں گرمی موجود ہے اور دوسرے فائدے بھی ہیں اور انہی سے تم کھاتے ہو اور تمہارے

فِيهَا جَمَالٌ حِينَ تُرْجَىٰوْنَ وَحِينَ تَسْرَحُونَ ﴿۶﴾ وَتَحْمِلُ

لئے ان میں زینت ہے جب ان کو شام کو لاتے ہیں اور صبح کو چرنے بھیجتے ہو اور وہ اٹھاتے

أَنْتُمْ لَكُمْ إِلَىٰ بَلَدٍ لَّكُمْ تَكُونُوا بَلِغِيهِ إِلَّا بِشِقِّ الْأَنْفُسِ إِنَّ

ہیں تمہارے بوجھ شہروں تک کہ تم نہیں لے جا سکتے مگر جان کی تکلیف کے ساتھ تحقیق

ہے اور وہ مشرکوں کے بکواسوں سے بلند و بالا ہے پھر نطفہ سے انسان کی پیدائش کو بیان کیا اور فرمایا کہ کس قدر انسان

ناپاس گزار واقع ہوا ہے کہ وہ بجائے شکر گذاری کے میرے حقِ خالقیت کا انکار کرتے ہوئے میری مخلوق کو میرے

برابر ٹھہراتا ہے۔ اس کے بعد حیوانات کی تخلیق اور ان کے منافع کا ذکر فرمایا دام سردیوں میں حیوانوں کی اون اور کھال سے

تمہارے گرم لباس بنتے ہیں۔ حلال حیوان تمہارے کھانے کے لئے ہیں (۳) حیوانوں کا وجود تمہارے لئے زینت ہے۔

کیونکہ جس گھر میں ہوں وہ گھر خوبصورت اور جس آدمی کی ملکیت ہوں وہ لوگوں میں صاحب جلال و وقار ہوتا ہے (۴)

تمہارے بوجھ اٹھانے کے کام آتے ہیں (۵) تمہاری سواری کی خاطر بھی ہیں اسی طرح قلبہ رانی و دیگر منافع ان میں موجود ہیں

رَبِّكُمْ لَرَدِّوْنَ رَحِيْمٌ ۝ وَالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيْرَ

تمہارا رب مہربان رحیم ہے اور گھوڑے، بچھڑ اور گدھے (پیدا کئے) تاکہ

لِتَرْكَبُوْهَا وَزِيْنَةً وَيَخْلُقْ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ وَعَلَى اللّٰهِ

ان پر سواری کرو اور زینت کے لئے اور پیدا کرتا ہے جس کا تم کو علم بھی نہیں اور اللہ پر ہے

قَصْدُ السَّبِيْلِ وَمِنْهَا جَائِرٌ وَلَوْ شَاءَ لَهَدٰكُمْ اٰجْمَعِيْنَ ۝

سیدھا راستہ (رکھانا) ان میں سے ٹیڑھے بھی ہیں اور اگر اللہ چاہے تو تم سب کو ہدایت کر دے

هُوَ الَّذِيْ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً لَّكُمْ مِنْهُ شَرَابٌ وَمِنْهُ

وہ وہ ہے جس نے نازل کیا آسمان سے پانی کہ تم اس سے پیتے ہو اور اُس سے درخت اُگتے ہیں

شَجَرٍ فِيْهِ تَسِيْمُوْنَ ۝ يُنْبِتُ لَكُمْ بِهِ الزَّرْعَ وَالنَّيْتُوْنَ

کہ چوپاؤں کو چراتے ہو اُس کے ذریعے سے تمہارے لئے کھیتی اور زمین اور کھجور اور

وَالنَّخِيْلَ وَالْاَعْنَابَ وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ۝ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ

انگور اور ہر قسم کے میوہ جات اگاتا ہے تحقیق اس میں نشانی

لَاٰيَةٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝ وَسَخَّرَ لَكُمْ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ

ہے اس قوم کے لئے جو فکر کریں اور مطیع کیا تمہارے لئے رات اور دن کو اور سورج و چاند

پس فرمایا اور بھی بہت سی چیزیں خدا نے پیدا کیں اور کرینگا جو تمہاری منفعت کے لئے ہوں گی۔ جن کا تم کو علم بھی نہیں

پس دور حاضر کی سوزیاں اور آسانیاں سب کا اجمالی ذکر اس میں کر دیا گیا۔

وَعَلَى اللّٰهِ۔ یعنی اللہ کا کام ہے سیدھا راستہ بیان کرنا اس کے بعد اختیار کرنا بندوں کا اپنا فعل ہے۔ قصد کا مضاف بیان یا ہدایت محذوف ہے۔

وَمِنْهَا جَائِرٌ۔ یعنی اگر خدا جبر کے ذریعے سے چاہتا تو تم سب کو قہراً راہ حق پر لے آتا لیکن جبر کو پسند نہیں کرتا۔

رکوع نمبر ۸ نعمات خداوندی | هُوَ الَّذِيْ۔ اس نے آسمان سے پانی اتارا جس کو انسان پیتے ہیں اور اُس سے

وَالَّذِينَ يَمُرُّونَ بِالْبُرُجِ ۖ وَإِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ﴿۱۲﴾

کوادرستارے مطیع ہیں اسی کے حکم سے تحقیق اس میں نشانیاں ہیں عقل والی قوم

وَالَّذِينَ يَمُرُّونَ بِالْبُرُجِ ۖ وَإِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ﴿۱۲﴾

اور وہ جہریدہ کیوں تمہارے لئے زمین سے رنگ برنگ مختلف چیزیں تحقیق

فِي ذَلِكَ لَآيَةٌ لِّقَوْمٍ يَذَّكَّرُونَ ﴿۱۳﴾ وَهُوَ الَّذِي سَخَّرَ

اس میں نشانی ہے اس قوم کے لئے جو نصیحت حاصل کریں اور وہ وہ ہے جس نے - مطیع کیا

درخت سیراب ہوتے ہیں یعنی مِنْهُ مُسْقًى شَجَرًا پس شجر کا مضاف محذوف ہے اور یہ اعراب میں اس کے قائم مقام ہے اور درخت سے مراد ہر قسم کی نباتات ہے۔

وَمَا ذَرَأْتُمْ لَهَا زَعَةً وَلَا تَقْنَنَ لِمَا كَانَ فِي مِشْرِهَا وَلَا حُمْرَ لِلْأُكْحُلِ وَلَا غُلَّ لِلْجِبَالِ وَلَا خَلْقَ لِلْإِنسَانِ إِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِ رَبِّهِ وَلَا يُكَلِّمُ فِي سَفَرٍ وَلَا يَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَىٰ وَالْأَسْخَىٰ وَلَا يُلْقِي أَكْبَادًا وَلَا يُغْرِقُ وَلَا يُجِئُ بِسَأْسٍ وَلَا يَكْنُسُ تِلْكَ آيَاتُ الْقَوْمِ الَّذِينَ كَانُوا عَلَىٰ رُءُوسِ الْعُلَمَاءِ لِيَذَرُوكَ بِالْبُرُجِ ۖ وَإِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ﴿۱۳﴾

خداوند کریم نے درس معرفت کے لئے ان تینوں آیتوں میں تین قسمیں بیان کی ہیں۔ پہلی قسم سے درس معرفت ہر صاحب عقل نہیں لیتا بلکہ صرف وہی فائدہ اٹھاتے ہیں جو غور و فکر کے میدان میں عقول کی پشت پر سوار ہو کر آگے بڑھیں لہذا وہاں وہ بیان فکر کرنے والوں کے لئے مختص فرمایا دوسری قسم میل و نہار کا اختلاف اور چاند سورج کی گردش و تسخیر کو ظاہری طور پر بغیر غور و خوض کے ہر آدمی سمجھتا ہے۔ لہذا ہر صاحب عقل و دانش کے لئے اس کو اپنی معرفت کا زینہ قرار دیا۔ اس کے بعد نعمات کی تیسری قسم اس کی خورد و نوش اور بود و باش کے لوازم اذرا سباب زندگی کا ذکر کیا جو دعوتِ شکر و حمد کی متضمن ہے۔ پس اس سے فائدہ اٹھاؤ چونکہ بیدار مغز ازر احسان شناس طبقہ کا ہی کام تھا لہذا انہی کے ساتھ مخصوص کر دیا۔ پس يَذَّكَّرُونَ يَعْقِلُونَ اور يَذَّكَّرُونَ کی جدا جدا تفصیلات اس مناسبت سے ہیں۔

حلیتِ خشکی کی نعمات کا اجمالی تذکرہ کرنے کے بعد بحری نعمات کا بیان شروع فرمایا کہ اس نے دریاؤں کو تمہارا مطیع کیا کہ اس سے مچھلی کا تازہ گوشت حاصل کر سکتے ہو اگر پانی مطیع نہ ہوتا تو یہ نعمت تمہیں کیسے دیتا ہو سکتی؟ پھر غوطہ زنی کر کے جواہر آبدار اس کی تر سے نکال کر زیورات میں استعمال کرتے ہو اور پھر کشتیاں اس کو چیرتی پھرتی ہیں۔ مَوَاقِحُ جمع ہے مَاقِحٌ کی اور مَحْرٌ کا معنی پانی کا چیرنا ہوا کرتا ہے اور پانی کی یہ تسخیر تمہاری تفریح طبع کے علاوہ تمہارے سفر تجارت کے لئے بھی ہے کہ دوسرے ممالک سے رابطہ قائم کر کے فضلِ خداوندی کی تلاش

اس مناسبت سے ہیں۔

مَوَاحِرِ فِيهِ وَلِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ وَلِعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿۱۳﴾

پانی کو چیرنے والی اس میں اور تاکہ حاصل کرو اس کا رزق اور تاکہ تم شکر کرو

وَأَلْقَى فِي الْأَرْضِ رَوَاسِيَ أَنْ تَمِيدَ بِكُمْ وَأَنْهَارًا وَ

اور اس نے ڈالے زمین پر پہاڑ کہ وہ نہ پٹے نہ پٹائے اور نہریں اور

سُبُلًا لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ﴿۱۴﴾ وَعَلَّمْتَ بِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُونَ

گزر گاہیں تاکہ تم ہدایت پاؤ اور نشانیاں اور ستاروں کے ذریعے وہ لوگ ہدایت پاتے

﴿۱۵﴾ أَفَمَنْ يَخْلُقُ كَمَنْ لَا يَخْلُقُ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ﴿۱۶﴾

ہیں کیا وہ جو پیدا کرتا ہے مثل ان کے ہے جو میں پیدا کرتے کیا تم نصیحت نہیں سیکھتے؟

وَإِنْ تَعَدَّ غِنَمَ اللَّهِ لَا حِصَابًا وَإِنْ اللَّهُ لَغَفُورٌ

اور اگر تم گنوا اللہ کی نعمتوں کو تو نہ احصا کر سکو گے تحقیق اللہ بخشنے والا

گر سکو یہاں فضل سے مراد منفعت تجارت ہے کیونکہ شکار مچھلی اور اخراج جواہر کا پہلے ذکر ہو چکا ہے۔

وَأَلْقَى فِي الْأَرْضِ رَوَاسِيَ كَمَا جُودِ زَمِينِ كَمَا جُودِ زَمِينِ كَمَا جُودِ زَمِينِ كَمَا جُودِ زَمِينِ
پرسکون ہو اور پھران کے دامن کو قسم قسم کی معدنیات سے بھر کر انسان کے لئے منافع بخوری کے طریقے آسان فرما دیئے۔

أَنْهَارًا زَمِينِ كَمَا جُودِ زَمِينِ كَمَا جُودِ زَمِينِ كَمَا جُودِ زَمِينِ
اورس تو حید ہے۔

وَعَلَّمْتَ بِالنَّجْمِ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ كَمَا جُودِ زَمِينِ كَمَا جُودِ زَمِينِ
یعنی خدا نے زمین پر علامات پیدا کر دیں تاکہ انسانوں کے لئے اطراف اور اوقات کی تعیین میں معاون ہو۔

وَبِالنَّجْمِ مطلق جنس ستارگان مراد ہے کیونکہ نسبتوں اور وقتوں کے تعیین میں ان کا بڑا دخل ہے اور اس کی تاویل میں آئمہ علیہم السلام سے مروی ہے کہ ہم علامات ہیں اور جناب رسالت مآبؐ نجم تھے اور حضورؐ مرویہ کائنات نے فرمایا تھا کہ خداوند کریم نے ستاروں کو آسمان والوں کے لئے باعث امان بنایا اور میری اہل بیت زمین والوں

رَحِيمٌ ۱۸ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَسْتُرُوْنَ وَمَا تَعْلَمُوْنَ ۱۹

رحیم ہے اور اللہ جانتا ہے جو چھپاتے اور جو ظاہر کرتے ہو

وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَخْلُقُوْنَ شَيْئًا وَّ

اور جو لوگ پکارتے ہیں اللہ کے سوا وہ نہیں پیدا کر سکتے کچھ بلکہ وہ

هُمْ يَخْلُقُوْنَ ۲۰ اَمْوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَاءٍ وَمَا يَشْعُرُوْنَ

خود پیدا کردہ ہیں وہ مردہ بے روح کے ہیں نہیں شعور رکھتے کہ

کے لئے باعث امان ہے۔ (مجمع البیان)

وَاِنْ تَعَدُّوْا - اگر انسان چاہے کہ اللہ کی نعمات کو شمار کرے تو یہ ناممکن ہے اور جہاں تک انسانی
بیانِ توحید | معلومات کا تعلق ہے نعمات پر حمد و ثناء کے مخفی ذخائر جو انسان پر منکشف ہیں ان کے پیش بہا افراد کا
شمار طاقت بشری سے باہر ہے حالانکہ اسی کی نعمات کے وہ مخفی خزائن جن کو انسانی عقل و شعور کی گنجیناں ابھی تک
کھول نہیں سکیں یا انسانی تدبیر کے ناخن ان کی رموز کی گہریوں کو حل کرنے سے تاحال قاصر ہیں یا جن کے روشن چہرے
مخس و ادراک کے ہاتھوں ابھی تک پردہ نہیں اٹھایا جاسکا اور وہ سر بہتہ رموز کی صورت میں پنہاں ہیں وہ ان ظاہر و منکشف
نعمات کی بہ نسبت کہیں زیادہ ہیں۔

انسان تو اپنے جسم و بدن کے قوی و اعصاب کے اندر تفویض شدہ اسرار و حقائق اور رموز و مصالح کی معرفت اور
ان کو شمار کرنے سے عاجز ہے اور غور و فکر کے تازی تیز رو کے اوپر سوار ہو کر اپنے وجود کی پوری میسر عمر بھر نہیں کر
سکتا تو وہ باقی نعماتِ خداوندی کے ادراک و احصار کے لئے زمین اور اس کی تہوں پہاڑ اور ان کی وادیوں پانی اور
اس کی گہرائیوں آسمانوں کی بلند یوں اجرامِ علویہ کی حکمتوں، ہواؤں، نفاذوں، خلاؤں، دریاؤں، آبشاروں وغرضیکہ یہ قدرت
کی جملہ راز حکمت و تدبیر کشمکشوں کا کہاں تک ادراکیوں کو مطالعہ کر سکتا ہے ؟

وَالَّذِيْنَ - اس کے بعد چیلنج دے کر فرماتا ہے کہ جس کو بھی خدا کے علاوہ بلا کسی ایک شخص کی تخلیق پر بھی قدرت
نہیں رکھ پاتے وہ تو اپنے وجود میں خالق کے محتاج ہیں اور جو خود محتاج ہو وہ حاجت روا کیسے بن سکتا ہے یا جو خود میری
تخلیق کا محتاج ہے وہ میرے مقابلہ میں خالق کیسے بن سکتا ہے ؟

توحید پروردگار کی قسم جن لوگوں نے خدا کے فرستادہ نبیوں اور ولیوں کو خالق مان لیا انہوں نے نعمات پروردگار کی
توہین کی اور اس سے بڑھ کر اور کفران کیا ہو سکتا ہے ؟ کہ وہ اپنے لطف و کرم سے انسان کو انسانیت سکھانے اور اس

اَيَّانَ يَعْتَوْنَ ﴿۲۱﴾ اِلٰهَكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَالَّذِيْنَ لَا

کب اٹھائے جائیں گے تمہارا معبود صرف ایک ہے پس جو لوگ نہیں

يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ قُلُوْبُهُمْ مُّكْرَمَةٌ وَّهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۲۲﴾

ایمان لاتے قیامت پر ان کے دل انکاری ہیں اور وہ تکبر کرنے والے ہیں

لَا جَرَمَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يَسِرُّوْنَ وَّمَا يَعْلِنُوْنَ اِنَّهٗ لَا

بے شک تحقیق اللہ جانتا ہے جو وہ چھپاتے ہیں اور جو ظاہر کرتے ہیں تحقیق وہ نہیں

کی عاقبت کے سنوارنے کے لئے نماندے بیچھے اور اس کی بے پایاں نعمت کا شکر ادا کرنے کی بجائے ان ہی کو اس محسن کا شریک قرار دیا جائے۔ خود آکر معصومین نے ان لوگوں پر لعنت بھیجی ہے جنہوں نے ان کو خالق و رزاق مانا۔ آل محمد کو امام و پیشوا ماننے والوں پر اللہ کا کس قدر احسان ہے کہ ان کو ایسے رہبر عطا کئے اس کا حق شکر یہ نہیں کہ اس کی ربوبیت کی رو میں ہاتھ ڈال کر آل محمد کو خالق کہا جائے پس جس شرک سے بچانے کے لئے وہ تشریف لائے تھے اسی میں پھنس کر اپنی عاقبت کو خراب کرنا بارش سے بچنے کے لئے پرنا لہ کے نیچے کھڑے ہونے کے مترادف ہے۔

یاد رکھئے جس طرح حضرت عزیز کو اور حضرت عیسیٰ کو خدا یا خدا کا بیٹا کہنے والے کافر ہیں اسی طرح حضرت علیؑ اور اولاد علیؑ کو خالق و رزاق جاننے والے بھی مشرک ہیں جو مولوی یا مقرر اپنی چرب لسانی سے آل محمد کو خالق یا رزاق ثابت کرتے ہیں وہ آل محمد کی تعریف نہیں کرتے بلکہ وہ آل محمد کے مشن کی تحزیب میں پیش پیش ہیں۔ شیعہ عقیدہ یہ ہے کہ جس طرح فرعون، نضیر و شداد وغیرہ کو خدا ماننے والے مشرک تھے اسی طرح انبیاء و اولیاء کو خالق و رزاق کہنے والے بھی مشرک ہیں۔

اَمْوَاتٌ۔ میت کی جمع ہے اور میت اس کو کہا جاتا ہے جس کی شان میں زندگی ہو گیا موت و حیات میں عدم و ملکہ کا تقابل ہے۔ پس تبوں کو میت کہنا اس لئے درست ہے کہ وہ ان کو انسانی ڈھانچوں میں ظاہر کرتے تھے نیز جن اولیاء یا انبیاء کی فرط محبت میں آکر لوگوں نے ان کو مسند توحید پر جا بٹھایا وہ بھی عدم کے بعد وجود میں آئے تھے۔ کیونکہ حیات ان کی عین ذات نہیں تھی۔ پس وہ ذات کے اعتبار سے اموات ہیں اجبار نہیں ہیں تو جو خود اپنے وجود کو حیات بخشنے کے لئے محتاج ہو وہ کسی کو کیسے حیات بخش سکتا ہے۔ لہذا خدا کے سوا کوئی خالق نہیں ہے اور ان کو تو یہ بھی پتہ نہیں ہے کہ ہمیں دوبارہ کب اٹھایا جائے گا؟

رکوع نمبر ۹ | اِلٰهَكُمْ اِلٰهٌ۔ پہلے اپنی خالقیت کو بیان فرمایا پھر متعدد نعمات گننے کے بعد غور و فکر کی دعوت

يُحِبُّ الْمُسْتَكْبِرِينَ ﴿٢٣﴾ وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ مَاذَا أَنْزَلَ رَبُّكُمْ

پسند کرتا تکبر کرنے والوں کو اور جب ان کو کہا جائے کیا اتارا ہے تمہارے رب نے ؟ تو

قَالُوا آسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ﴿٢٤﴾ لِيُحْمَلُوا أَوْثَارَهُمْ كَامِلَةً

کہتے ہیں کہ قصے گذشتہ لوگوں کے (نتیجہ کے طور پر) اٹھاتے ہیں اپنے بوجھ پورے

يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَمِنْ أَوْثَارِ الَّذِينَ يُضِلُّونَهُمْ لِغَيْرِ عِلْمٍ

قیامت اور ان لوگوں کے بوجھ سے بھی جن کو انہوں نے گمراہ کیا ہے بخری میں

أَلَسَاءَ مَا يَزُرُونَ ﴿٢٥﴾ قَدْ مَكَرَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ

بے شک ان کا بوجھ بہت برا ہوگا تحقیق مکر کیا ان لوگوں نے جو ان سے پہلے تھے

دی اور اپنے غیر کی خالقیت کی صراحت سے نفی فرمائی اور نتیجہ کے طور پر فرمایا کہ بس تمہارا اللہ صرف ایک ہے بعض مقرر لوگ عوام کو دھوکا دیتے ہیں کہ ہم علی کو اللہ نہیں سمجھتے اور خالق سمجھنا منافی توحید نہیں آیت مجیدہ ان کے لئے دعوت فکر ہے کیونکہ غیر اللہ کی خالقیت کی نفی کے بعد توحید ربوبیت کے اعلان کا صاف مطلب یہ ہے کہ جو خالق ہے وہی اللہ ہے اور جو اللہ ہے وہی خالق ہے پس خالق والہ میں نسبت تساوی کی ہے اور حضرت عیسیٰ کی طرف خلق کی نسبت مجاز ہے۔ ورنہ درحقیقت ہر شے کا خالق اللہ ہے اور اس کا اس میں کوئی شریک نہیں ہے۔

الْمُسْتَكْبِرِينَ۔ تفسیر صافی میں بروایت عیاشی منقول ہے۔ ایک مرتبہ امام حسینؑ کا گذر منساکین کے پاس سے ہوا کہ وہ زمین پر چادر بچھا کر اور روٹی کے ٹکڑے پھیلا کر کھا رہے تھے پس انہوں نے دعوت دی تو آپ نے ان کے ساتھ مل کر کھانا تناول فرمایا اور بعد میں یہ آیت تلاوت فرمائی۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُسْتَكْبِرِينَ۔

لِيُحْمَلُوا۔ یہ لام عاقبت کا ہے یعنی غلط بیانی کا انجام یہ ہوگا کہ ان کی گردنوں پر اپنے بوجھ کے علاوہ تمام ان لوگوں کے گناہوں کا بوجھ بھی ہوگا جن کو انہوں نے گمراہ کیا تھا اور حضرت رسالت مآب سے مروی ہے جو شخص کسی کو ہدایت کی طرف بلائے اور اس کی اتباع کی جائے تو ان کی نیکیوں کے ثواب بھی اس کے نامہ اعمال میں درج ہوں گے اور کرنے والے کو اپنے مقام پر بھی پورا ثواب ملے گا۔ اور جو گمراہی کی دعوت دے اور اس کی اتباع کی جائے تو اس کے نامہ اعمال میں ان کی برائیوں کا گناہ درج ہوگا سالانہ کرنے والوں کے نامہ میں بھی کمی نہ ہوگی۔ اور تفسیر برہان میں آئمہ اہل بیت سے بھی اس مضمون کی روایات نقل کی گئی ہیں نیز مروی ہے کہ حضرت امیر علیہ السلام کے حق کے غاصب

فَاتَى اللَّهُ بُنْيَانَهُمْ مِنَ الْقَوَاعِدِ فَخَرَّ عَلَيْهِمُ السَّقْفُ

پس اللہ نے ان کے مگر کی عمارتوں کو بنیادوں سے گرا دیا پس گری ان پر چھت اور سے

مِنْ فَوْقِهِمْ وَأَتَاهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُونَ

اور آیا ان پر عذاب ایسی جہت سے کہ وہ نہ جانتے تھے

②۶ تَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يُخْزِيهِمْ وَيَقُولُ آيُنْ شُرَكَاءِى

پھر بروز قیامت ان کو رسوا کرے گا اور کہے گا کہ کہاں ہیں میرے شریک

الَّذِينَ كُنْتُمْ تَشَاقِقُونَ فِيهِمْ قَالَ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ

جن کی وجہ سے تم جھگڑتے تھے؟ کہیں گے وہ جن کو علم دیا گیا (فرشتے)

إِنَّ الْخِزْيَ الْيَوْمَ وَالسُّوءَ عَلَى الْكَافِرِينَ ②۷ الَّذِينَ

تحقیق رسوائی اور ذلت آج کافروں پر ہے جن کو نابینا گے

تَشَوْفُهُمْ الْمَلَائِكَةُ ظَالِمِي أَنْفُسِهِمْ فَأَلْقُوا السَّلَامَ

فرشتے دعا لیکہ وہ اپنے نفسوں کے ظالم ہوں گے پس اطاعت پیش کریں گے

مَا كُنَّا نَعْمَلُ مِنْ سُوءٍ طَبَلَىٰ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِمَا كُنْتُمْ

یہ کہہ کر کہ ہم نے کوئی برائی نہیں کی ہاں تحقیق اللہ جانتا ہے جو تم کرتے تھے

اپنے گناہوں کے علاوہ تمام ان لوگوں کے گناہوں کا بوجھ بھی اٹھائیں گے جنہوں نے ان کی اتباع کی تھی اور صافی

میں حضرت صادق علیہ السلام سے منقول ہے جہاں کوئی خوزیزی یا لڑائی یا بدکاری یا حرام خوری ہوگی ان سب کا گناہ

ان دونوں کی گردن پر رکھا جائے گا۔

قَدْ مَكَرَ ۲۷ حضور کو تسلی دی گئی ہے کہ ہمیشہ انبیاء کی تکذیب اور ان کے ساتھ امت کی

رکوع نمبر ۱۱ جانب سے فریب کاری کا دستور رہا ہے لہذا آپ ان باتوں سے گھبرانہ جائیں بلکہ صبر و سکون

سے اپنی تبلیغ کو جاری رکھیں۔

تَعْمَلُونَ ﴿۲۸﴾ فَادْخُلُوا أَبْوَابَ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا

پس جہنم کے دروازوں سے داخل ہو جاؤ کہ ہمیشہ رہو گے اس میں

فَلَيْسَ مَثْوًى الْمُتَكَبِّرِينَ ﴿۲۹﴾ وَقِيلَ لِلَّذِينَ اتَّقَوْا مَا

البشر برا ٹھکانا ہے تکبر کرنے والوں کا اور کہا جائے گا ان کو جنہوں نے تقویٰ کیا کہ کیا

ذَا أَنْزَلَ رَبُّكُمْ قَالُوا خَيْرًا لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا فِي هَذِهِ

اتار تمہارے رب نے کہیں گے کہ خیر۔ احسان کرنے والوں کے لئے اس دنیا میں

الدُّنْيَا حَسَنَةٌ وَلَدَارُ الْآخِرَةِ خَيْرٌ وَلَنِعْمَ دَارُ الْمُتَّقِينَ ﴿۳۰﴾

بھی نیکی اور آخرت کا گھر بھی اچھا ہوگا اور متقی لوگوں کا گھر خوب ہے

جَنَّاتٍ عَدْنٍ يَدْخُلُونَهَا يُجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ

مہشیر کی جنت جس میں داخل ہوں گے کہ ان کے نیچے نہریں جاری ہوں گی

فَاتَى اللَّهُ يَوْمَئِذٍ الْقُلُوبَ وَالرِّجَالَ ثُمَّ يُدْخِلُ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا أُولَئِكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِيَّةِ

پھر چڑھ کر سنگان سنوت سے لڑنے کا ارادہ کیا تھا۔ پس خداوند کریم نے ایک ہوا بھیج کر اس کی ساری تعمیر کو زمین

پوس کر کے اس کے تمام منصوبے خاک میں ملا دیئے اور بعض نے بخت نصر کا ذکر کیا ہے بعض مفسرین نے

ذکر کیا ہے کہ وہ سچ سچ عمارت نہیں تھی بلکہ تمثیل کے طور پر ان کے مکرو فریب کو ایک مکان سے تشبیہ دے کر

تدبیر خداوندی سے اس کا انہدام بیان کیا گیا ہے اور ان کے اوپر چھت گرنے کا مقصد یہ ہے کہ اپنے کے کا وبال

خود اپنی کے سر پر پڑا اور انبیاء کی ایذا رسانی کے منصوبے بنانے والے خود مبتلائے عذاب ہو گئے۔

أُولَئِكَ هُمُ الْوَالِدِينَ الَّذِينَ كَفَرُوا أُولَئِكَ هُمُ الْوَالِدِينَ الَّذِينَ كَفَرُوا أُولَئِكَ هُمُ الْوَالِدِينَ الَّذِينَ كَفَرُوا

کر کے کہیں گے کہ اب تمہارے وہ شریک کہاں ہیں؟

فَالْقَوْلُ السَّامِيُّ الَّذِي يَرْتَدُّ فِي الْأُذُنِ كَمَا رَتَبَتْ الْأَذُنُ لِقَوْلِ رَبِّهَا كَمَا يَرْتَدُّ فِي الْأُذُنِ كَمَا رَتَبَتْ الْأَذُنُ لِقَوْلِ رَبِّهَا

اس وقت کی اطاعت کس کام کی؟ بلکہ ان کی یہ اطاعت تشریحی نہیں بلکہ تکوینی ہوگی اور یہ موجب جزا نہیں ہوتی۔

مَا كُنَّا نَعْمَلُ۔ یعنی اللہ کے سامنے احتجاج کرتے ہوئے اپنے اعمال زشت سے مکر جائیں گے۔

قِيلَ۔ متقی لوگوں سے سوال ہوگا کہ خدا نے کیا بھیجا تھا تو کہیں گے اس نے خیر محض بھیجی تھی یعنی قرآن بھیجا

لَهُمْ فِيهَا مَا يَشَاءُونَ ۗ كَذَلِكَ يَجْزِي اللَّهُ الْمُتَّقِينَ ﴿۳۱﴾

ان کے لئے اس میں وہ ہوگا جو چاہیں گے اسی طرح اللہ بدلہ دیتا ہے متقیوں کو

الَّذِينَ تَتَوَفَّوهُمْ مَلَكَةٌ طَيِّبِينَ يَقُولُونَ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ ۗ

جن کو وفات دیں گے فرشتے پاکیزگی کے ساتھ کہتے چلے ہوں گے سلام علیکم

ادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿۳۲﴾ هَلْ يَنْظُرُونَ

داخل ہو جاؤ جنت میں بسبب اس کے جو تم عمل کرتے تھے نہیں انتظار کرتے (کفار)

إِنَّ أَنْ تَأْتِيَهُمْ مَلَائِكَةٌ أَوْ يَأْتِيَ أَمْرٌ رَبِّكَ ۗ كَذَلِكَ

مگر اس کی کہ آئیں ان کے پاس فرشتے (عذاب لیکر) یا آئے رب کا امر (عذاب) اسی طرح

تھا جس میں ہدایت اور نیر تھی۔

طَيِّبِينَ۔ یعنی متقی لوگوں کی موت ایسی حالت میں ہوگی کہ وہ پاک و پاکیزہ ہوں گے۔ پس فرشتے سلام کہہ کر ان کو جنت کی بشارت دیں گے۔ تفسیر صافی میں حضرت امیر علیہ السلام سے مروی ہے کہ جب انسان کا روح جسم سے جدا ہوتا ہے تو اس کو پتہ چل جاتا ہے کہ میں جنت میں جا رہا ہوں یا جہنم میں اگر وہ خدا کا دوست ہوگا تو جنت کے دروازے کھل جائیں گے اور اللہ کی تیار کردہ نعمات سامنے ہوں گی۔ پس اس کو ہر تکلیف بھول جائے گی۔ اور اگر اللہ کا دشمن ہوگا تو جہنم کے دروازے کھل جائیں گے اور عذاب کا معائنہ کرے گا جو اللہ نے اس کے لئے تیار کیا ہوگا۔ پس ہر مصیبت اس کے سامنے آجائے گی۔ اور یہ سب موت کے وقت ہی ہوا کرتا ہے چنانچہ آپ نے یہی آیتیں تلاوت فرمائیں۔

هَلْ يَنْظُرُونَ۔ اس جگہ نظر انتظار کے معنی میں ہے۔ مقصد یہ ہے کہ کفار کا عمل یہ ظاہر کرتا ہے کہ ان کو ملائکہ عذاب یا قیامت کی ذلت کا انتظار ہے اور ہمیشہ سے کفار کا یہی دستور رہا ہے۔

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ أَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِي أَصْحَابِ السَّعِيرِ ﴿۳۳﴾

کہو عذاب! ہوتی تو خدا نے ہمیں جبراً روک دیا ہوتا اسی طرح ہمارا بچہ و اسبابہ کو حرام کرنا اگر برا کام ہوتا تو خدا کی طرف سے کوئی امتناعی حکم آتا پس چونکہ باوجود ہمد سے اصرار کے اس نے کوئی سرزنش نہیں کی۔ لہذا معلوم ہوا کہ ہمارا فعل اس کی رضا کے ماتحت ہے اور ہمیشہ سے غلط کار لوگ اپنے اصلاح کرنے والوں کو اسی قسم کے

فَعَلَّ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللَّهُ وَلَكِنْ كَانُوا

کیا ان نے جو پہلے تھے اور ان پر اللہ نے ظلم نہیں کیا بلکہ وہ خود اپنے نفسوں

أَنْفُسِهِمْ يَظْلِمُونَ ﴿۲۳﴾ فَأَصَابَهُمْ سَيِّئَاتُ مَا عَمِلُوا

پر ظلم کرتے تھے لیکن پہنچی ان کو بری خبر اس کی جو انہوں نے عمل کیا

وَحَاقَ بِهِمْ مَا كَانُوا بِهٖ يَتَهَمِرُونَ ﴿۲۴﴾ وَقَالَ الَّذِينَ

اور گھیرا ان کو اس نے جو وہ مسخری کرتے تھے اور کہا انہوں نے جو شرک

أَشْرَكُوا لَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا عَبَدْنَا مِنْ دُونِهِ مِنْ شَيْءٍ نَحْنُ

کرتے تھے اگر اللہ چاہتا تو ہم نہ عبادت کرتے اس کے سوا کسی کی نہ ہم اور نہ ہمارے باپ

وَالآبَاؤُنَا وَلَا حَرَمْنَا مِنْ دُونِهِ مِنْ شَيْءٍ كَذَلِكَ

دادا اور نہ ہم حرام کرتے اس کے حکم کے بغیر کسی شے کو اسی طرح کیا

فَعَلَّ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَمَلَّ عَلَى الرُّسُلِ إِلَّا الْبَلْغُ الْمُبِينُ ﴿۲۵﴾ وَلَقَدْ

ان لوگوں نے جو پہلے تھے پس نہیں رسولوں پر مگر پہنچا دینا ظاہر اور ہم نے

بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَسُولًا أَنْ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ

بھیجا ہر امت میں رسول کہ عبادت کرو اللہ کی اور بچو شیطان سے

جوابت دیا کرتے ہیں چنانچہ اس زمانہ میں جس کو روشنی کا دور کہا جاتا ہے عموماً غلط کار لوگ اپنی غلطیوں پر پردہ ڈانے کے لئے اسی قسم کی یاوہ گوئیوں سے اصلاح کرنے والوں کا منہ چراتے ہیں۔ آیت مجیدہ میں ان کے اس فعل و عذر کی مذمت ہے اور اسی قسم کی آیت سورہ النعام میں بھی موجود ہے جس کی تفسیر جلد نمبر ۵ ص ۲۶۵ پر موجود ہے۔ الطَّاغُوت۔ طاغوت کا معنی شیطان ہے اور ہر وہ شخص جو گمراہی کی دعوت دے وہ طاغوت ہے تفسیر برہان و صافی میں بروایت عیاشی امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے۔ مَا لَعَنَ اللَّهُ نَبِيًّا قَطُّ إِلَّا لِيُكَفِّرَ تَنَابُوتَ الْبُرْجَانِ مِنْ أَعْدَائِنَا۔ کہ خدا نے کوئی نبی نہیں بھیجا مگر ہماری ولایت اور ہمارے دشمنوں سے برأت کے ساتھ چنانچہ آپ

فَمِنْهُمْ مَّنْ هَدَى اللَّهُ وَمِنْهُمْ مَّنْ حَقَّتْ عَلَيْهِ الضَّلَالَةُ

پس ان میں سے بعض کو خدا نے ہدایت کی اور بعض پر مستط رہی گمراہی

فَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكْذِبِينَ ﴿۳۶﴾

پس پھر زمین میں اور دیکھو کیا تھا انجام حطلانے والوں کا ۹

إِنْ تَحْرِصْ عَلَى هُدَاهُمْ فَإِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي مَنْ يُضِلُّ وَمَا

اگر تم حرص کرو ان کی ہدایت پر تو تحقیق اللہ نہیں ہدایت کرتا (جنت کی اجہ کو وہ دلیل کرے

لَهُمْ مِّنْ تَصْرِيحٍ ﴿۳۷﴾ وَأَقْسَمُوا بِاللَّهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ

اور نہ ہوگا ان کا کوئی مددگار اور انہوں نے اللہ کی قسمیں کھائیں کبی قسمیں کہ نہ

لَا يَبْعَثُ اللَّهُ مَن يَمُوتُ بَلَى وَعَدَّا عَلَيْهِ حَقًّا وَ

اٹھائے گا خدا ان کو جو مر گئے ان (رضوڑاٹھائیگا) اس کا پکا وعدہ ہے لیکن

لَكِنَّ أَكْثَر النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۳۸﴾ لِيُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِي

اکثر لوگ نہیں جانتے تاکہ واضح کرے ان کے لئے

لے یہی آیت پڑھی۔ پس بعض لوگوں نے ہدایت پائی اور بعض پر تکذیب آل محمد کے صلہ میں گمراہی مسلط ہوئی۔
 اقساموا باللہ ص۔ عام طور پر اس کا شان نزول اس طرح بیان کیا جاتا ہے کہ کسی مشرک نے مومن کے سامنے
 قسم کھائی تھی کہ خدا مرنے کے بعد زندہ نہ کرے گا۔ پس یہ آیت سرزنش کے لئے اتری اور ممکن ہے ایسا بھی واقع ہوا ہو
 لیکن اس کو صرف اسی میں منحصر کرنا قرآن مجید کی تاقیامت حیات کے منافی ہے پس اس کی تاویل کو جاری رہنا
 چاہیے۔ لہذا ہر زمانہ میں ایسے عقیدہ رکھنے والے اس آیت کے مصداق ہوں گے۔ چنانچہ تفسیر برہان میں بروایت کلینی
 حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے ابولبصیر کو تنبیہ کے طور پر فرمایا تھا کہ جب حضرت قائم آل محمدؑ مبعوث ہوں گے اور
 پہلے مر چکے ہوئے شیعوں کی جماعت زندہ ہو کر ان کی بیعت کرے گی اور ان کے ہاتھوں میں تلواریں علم ہوں گی پس
 زندہ شیعوں میں یہ خبر سہا بیت کرے گی اور وہ خوشی خوشی ایک دوسرے کو سناتے پھریں گے دیکھو فلاں فلاں مومن
 زندہ ہو چکا ہے۔ پس دشمنان اہل بیت یہ فقرہ سن کر حسد کی آگ میں جلیں گے اور کہیں گے کہ یہ ناممکن ہے۔ مرنے

يَخْتَلِفُونَ فِيهِ وَلِيَعْلَمَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّهُمْ كَانُوا كَذِبِينَ ﴿۳۹﴾

وہ بات جس میں وہ اختلاف کرتے تھے اور تاکہ پتہ چل جائے کافروں کو کہ وہ جھوٹے تھے

إِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَيْءٍ إِذَا أَرَدْنَاهُ أَنْ نَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ﴿۴۰﴾

تحقیق سہارا قول کسی شے کے لئے جب چاہیں یہ ہے کہ کہیں ہو جا پس وہ ہو جاتا ہے

وَالَّذِينَ هَاجَرُوا فِي اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مَا ظَلَمُوا لَنَبِّئَنَّهُمْ

اور جن لوگوں نے ہجرت کی اللہ کے لئے بعد ظلم کئے جانے کے ضرور ان کو ہم ٹھکانا

کے بعد دوبارہ انسان کیسے زندہ ہو سکتا ہے؟ پس خدا ان کی تردید فرما رہا ہے۔ مروی ہے کہ خدا رجعت کے زمانہ میں بعض لوگوں کو زندہ کرے گا تاکہ اختلاف کرنے والوں کا ناطقہ بند ہو اور کفار بھی سمجھ لیں کہ ہم تکذیب کرنے میں حق بجانب نہ تھے بہر کیف اسی قسم کی روایات عیاشی سے بھی منقول ہیں کہ ان آیات کی تاویل زمان رجعت میں ظاہر ہوگی۔

وَالَّذِينَ - تفسیر مجمع البیان میں ہے صہیب عمار بلال اور خباب وغیرہ جو کفار قریش کے تشدد کے ٹککنے سے نجات پا کر مدینہ میں ہجرت کر کے آئے تھے خداوند کریم نے ان کو پر امن جگہ عطا فرمائی اس جگہ حسنہ

صفت ہے اور اس کا موصوفہ مدینہ "مخدوف" ہے۔ ان میں سے صہیب بہت بوڑھا اور سن رسیدہ بزرگ تھا اس نے کفار سے کہا تھا کہ میں کافی بوڑھا آدمی ہوں میرا تہا رے پاس رہنا کچھ فائدہ مند نہیں اور چلا جانا تمہیں نقصان دہ نہیں۔ لہذا میرا مال متاع تم لے لو اور مجھے چھوڑ دو چنانچہ انہوں نے اس کو چھوڑ دیا اور وہ سفر کی صعوبتیں برداشت کر کے مدینہ آ پہنچا۔

أَهْلَ الذِّكْرِ ۲۱۰ - وہ کیسی جنہوں نے قرآن مجید کے جمع کرنے کا بیڑا اٹھایا تھا ان کے حُسنِ کربت اہل ذکر کون ہیں

کا کیا کہنا آیات قرآنیہ کی توڑ پھوڑ مضامین کا اختلاط اور روانی و سلاست میں پرپیچ اور گھٹاؤنے موڑ یہ سب کسی سوچی سمجھی سکیم کے ماتحت ان کی فنکارانہ صلاحیتوں اور دور رس نگاہوں یا مشوش و مضطرب ذہان و افکار کی داغ بیل کے افسوسناک نتائج اور المناک آثار ہیں۔ غور کیجئے بعد والی آیت میں بایبیتات کا تعلق ازسلسلہ سے ہے اور معنی واضح طور پر یہ ہے کہ کفار چونکہ رسولوں کی بشری و انسانی صورت میں آمد کے منکر تھے۔ پس آپ کی تسلی و

دلجوئی کی خاطر ارشاد ہے کہ کفار کی باتوں سے مت گھبرائیے۔ کیوں کہ ہم نے اس سے پیشتر جس قدر رسول بھیجے وہ سب بشر ہی تھے جن پر ہم نے وحی کی اور ان کو معجزات و کتابیں دے کر بھیجا اور تجھے بھی ہم نے کتاب و معجزات عطا کئے اور ہم نے آپ پر ذکر کو نازل کیا تاکہ آپ لوگوں کے سامنے بیان کریں اب اس کے بعد لوگوں کو تنبیہ کرنے کے لئے حکم ہونا

فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ۖ وَلَا جُزْءَ الْآخِرَةِ أَكْبَرُ لَوْ كَانُوا

ہیں گے دنیا میں اچھی جگہ اور آخرت کا اجر تربت بڑا ہے اگر وہ

يَعْلَمُونَ ﴿۴۱﴾ الَّذِينَ صَبَرُوا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ﴿۴۲﴾

جانتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے صبر کیا اور وہ اپنے رب پر توکل رکھتے ہیں

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ إِلَّا رِجَالًا نُوْحِي إِلَيْهِمْ فَاسْأَلُوا

اور ہم نے نہیں رسول بھیجا تجھ سے پہلے مگر ایسے آدمی جن کی طرف ہم وحی کرتے تھے

چاہیے کہ ہمارا کام ہے بھیجنا اور رسولوں کا کام ہے بیان کرنا اور تمہارا کام ہے کہ ان سے سوال کرو جو تم خود نہ جانتے ہو۔ لیکن چونکہ رسول کے بعد جو لوگ منبر رسول پر قابض ہوئے وہ سائلیں کو مطمئن نہ کر سکتے تھے بلکہ خود مطالب قرآنیہ سمجھنے کے لئے اہل ذکر کے محتاج تھے اور رسول کے بعد صحابہ میں حضرت علی علیہ السلام ہی اس مرتبہ پر فائز تھے کہ لوگ اپنی علمی پیاس اس چٹ مہ فیض سے بجھاتے تھے اور بفرمان پیغمبر آپ مدینہ علوم نبویہ کا دروازہ تھے۔ پس اہل ذکر کا مصداق ان کے علاوہ اور کوئی نہ تھا۔ بنا بریں طالبان علوم قرآنیہ پر ان کی طرف رجوع کرنا واجب تھا اور یکے بعد دیگرے ان کی اولاد ائمہ طاہرین ہر دور میں امت اسلامیہ کے لئے مشکلات قرآنیہ اور مطالب علمیہ کے حل کرنے کا لہجہ و ماویا تھے اور اسی بناء پر حضرت پیغمبر نے بار بار وصیت فرمائی تھی کہ میں دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں ایک قرآن اور دوسری اہل بیت ان سے تمسک رکھ کر تم پر گزرا نہ ہو گے۔ اس حدیث کو حدیث ثقیلین کہا جاتا ہے جو معنوی توازن کے درجہ پر فائز ہے ہم نے مقدمہ تفسیر میں کتب اہل سنت کے حوالے سے اس کو من و عن ذکر کیا ہے۔

وجوہات مذکورہ کی بنا پر آل محمد کو اہل ذکر تسلیم کرنا مسند نبویہ کے استحقاق کو تسلیم کرنے کے عین مترادف ہے اس لئے کہ قرآن کو جب ذکر کہا گیا اور رسول کا عہدہ قرآنی مطالب کی وضاحت کرنا بیان کیا تو رسول کے بعد جو اہل ذکر ہو اور قرآنی مطالب کی وضاحت کر سکتا ہو وہی مسند رسالت کا حقدار ہو گا۔ پس اسی کو خلیفہ رسول ہونا چاہیے اور یہ بات قابضین منبر اور غاصبین منبر کے مفاد کے سخت خلاف تھی پس تیفکون کے بعد فاسئلوا الخ کے ذکر کرنے کی بجائے نوحی السیہہ کے بعد اس کو گھسیٹ دیا تاکہ درمیان میں یہ جملہ معترضہ کی حیثیت سے پڑا ہے اور قرآن کو ظاہری اور برہری نگاہوں سے دیکھنے والے اور دقائق و حقائق سے چشم پوشی کو روا رکھنے والے ادھر ادھر اٹھتے رہیں اسی لئے بعض مفسرین نے یہی کہہ دیا کہ فاسئلوا۔ کا خطاب قوم یہود و نصاریٰ سے ہے کہ تم اپنے علماء سے دریافت کرو بعضوں نے کہہ دیا کہ خطاب مشرکین مکہ سے ہے کہ تم گزشتہ امتوں کے حالات کو جاننے والے علماء سے دریافت کر لو یا دیکھئے

أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿۳۳﴾ بِالْبَيِّنَاتِ وَالزُّبُرِ

پس پوچھو اہل ذکر سے اگر تم نہیں جانتے (ہم نے بھیجے) ساتھ معجزات اور کتابوں کے

وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَ

اور ہم نے نازل کیا تیری طرف ذکر کو تاکہ بیان کرے لوگوں کے لئے جو اتارا گیا ان پر اور

بناوٹی پھول آنکھوں کو دھوکہ دے سکتے ہیں لیکن نفاست و لطافت اور علامت و خوشبو سے ہی دامانی، الطمان کی رسوائی کا سامان پیدا کرتی ہے پس تاڑنے والے بناوٹ اور تصنع کے تہ بہ تہ پردوں کے اندر بھی حقیقت کا منہ دیکھ لیتے ہیں کیونکہ تیرا و تار بادلوں کی گھٹا ٹوپ تہوں کے پیچھے سورج کی غمازی کرنے والی کرنیں کسی نہ کسی جانب سے چشم ہنسا کو دعوت نظر دیکھا ہے حقیقت کا پتہ دے دیا کرتی ہیں۔ اس مقام پر بھی کسی اقتدار کی طرف سے علوم قرآن سے اپنی بے بساعتی کو چھپانے اور اہل محمد کے فضائل کو بانے کے لئے آیات قرآنیہ میں ہیرا پھیری کام نہ آسکی۔ پس حقیقت میں نکما ہیں الفاظ کی رد و بدل کی قلابازیوں سے مسحور نہ ہو سکیں۔ اور وہ اس نکتہ پر پہنچ کر تک گیس کر اس مقام پر اہل الذکر سے مراد وہی لوگ ہیں جو اسلامی مخالف اور قرآنی دفاعی پر نظر سارکتے ہوں اور چونکہ قرآن تاقیامت نیش ہے لہذا فاستلوا کا خطاب بھی تاقیامت ہونا چاہیے بنا بریں اہل الذکر کی ایک نہ ایک فرد کا تاقیامت ہر زمانہ میں زندہ ہونا ضروری ہے اور آئمہ اہل بیت کے علاوہ نہ کوئی ہو سکتا ہے اور نہ کوئی کسی کو ثابت کر سکتا ہے پس حدیث ثقلین جو اپنے مقام پر متوازن ہے اس آیت مجیدہ کی جتنی جاگتی تصویر ہے نیز قرآن مجید میں جناب رسالت مآب کو بھی ذکر کہا گیا ہے۔ چنانچہ سورہ طلاق میں ارشاد قدرت ہے۔ قَدْ أَنْزَلْنَا إِلَيْكُمْ كِتَابًا فِيهِ ذِكْرًا وَسُوْرًا اور اس لحاظ سے اہل ذکر وہ ہوں گے جو اہل رسول ہوں۔ ذرا فرمایا آئمہ کی روشنی میں آیت مجیدہ کی تفسیر کا جائزہ لیں۔

۱۔ تفسیر برسان میں کلینی سے منقول ہے سائل نے امام رضا علیہ السلام سے آیت مجیدہ فاستلوا اهل الذکر کے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا ہم اہل ذکر ہیں اور ہم سے پوچھنے کا حق ہے۔ راوی کہتا ہے۔ میں نے عرض کیا آپ مسئول اور ہم سائل ہیں آپ نے فرمایا کہ ہاں۔ پھر میں نے پوچھا کیا ہم پر پوچھنا واجب ہے؟ تو آپ نے فرمایا ہاں۔ پھر میں نے پوچھا کہ آپ پر بتانا بھی واجب ہے آپ نے فرمایا کہ نہیں۔ بلکہ ہماری مرضی پر موقوف ہے اگر چاہیں تو جواب دیں اور اگر نہ چاہیں تو خاموش رہیں۔ چنانچہ ارشاد خداوندی ہے۔ هَذَا عَطَاؤُنَا فَامْنُنْ أَوْ أَمْسِكْ بِغَيْرِ حِسَابٍ۔ یعنی یہ ہمارا عطیہ ہے لوگوں پر احسان کرو یا اپنے پاس محفوظ رکھو اس کا کوئی حساب نہ ہوگا۔

۲۔ بروایت محمد بن مسلم امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ آیت مجیدہ میں اگر اہل الذکر سے مراد یہود و نصاریٰ لئے جاتیں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ خدا نے ہمیں ان کے دین کو قبول کرنے کی دعوت دی ہے (حالانکہ ایسا ہرگز نہیں) پھر اپنے

سینے کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ ہم اہل ذکر ہیں اور ہم سے سوال کرنا چاہیے۔

۱۳۔ بروایت محمد بن حسن صفار محمد بن مسلم سے منقول ہے کہ امام محمد باقر علیہ السلام نے آیت مجیدہ کے متعلق فرمایا۔ ذکر سے مراد قرآن ہے اور رسول اللہ کی آل اہل ذکر ہیں اور انہی سے پوچھنے کا حکم ہے۔

۱۴۔ بروایت ابن بابویہ ابان بن صلت سے مروی ہے ایک مرتبہ امام رضا علیہ السلام دربان مامون میں حاضر ہوئے۔ جب کہ علمائے عراق و خراسان بھی کافی موجود تھے۔ باتوں باتوں میں امام رضا علیہ السلام نے فرمایا قرآن مجید میں اہل ذکر سے مراد ہم ہیں جن سے پوچھنے کا حکم دیا گیا ہے باقی علماء کہنے لگے کہ اس جگہ یہود و نصاریٰ مراد ہیں۔ تو آپ نے فرمایا سبحان اللہ کیا یہ جائز ہے کہ خدا ہم کو ان کے دین کی دعوت دے حالانکہ وہ اپنے دین کو اسلام سے افضل مانتے ہیں یہ مامون نے عرض کی کہ حضور! آپ کے نزدیک اس کی تفسیر کچھ اور ہے یہ آپ نے فرمایا کہ ہاں۔ ذکر سے مراد رسول ہے اور ہم اس کے اہل ہیں اور خداوند کریم نے سورہ طلاق میں فرمایا ہے۔ اَشْرَكَ اللَّهُ اَيْنَكُمْ ذِكْرًا اِنَّ سُوْرَةَ الْاٰیَةِ الْخَبْر۔

۱۵۔ بروایت عیاشی حمزہ بن محمد طیار سے مروی ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام کے سامنے ان کے والد کے بعض خطبات پیش کئے گئے۔ ایک مقام پر پہنچ کر آپ نے فرمایا ٹھہراؤ اور خاموش ہو جاؤ۔ اور اگر کوئی شے تمہارے سامنے ایسی آجائے جس کو نہ سمجھو تو ترک جایا کرو اور ثابت قدم رہ کر آئندہ کی طرف رجوع کیا کرو کہ وہ تم کو راہ راست پر چلا دیں گے اور تمہاری بے علمی کو دور کریں گے۔ فاستلوا اهل الذکر۔ الخ

۱۶۔ امام رضا علیہ السلام نے ایک شیعہ کی طرف لکھا ہمارا شیئہ وہ ہے جو ہماری اطاعت کرے جس مقام پر ہم ڈریں وہ بھی ڈرے اور جہاں ہم پر امن ہوں وہ بھی با امن رہے پھر آپ نے یہ آیت پڑھی۔ فاستلوا۔ الخ

پہر کیف عموم کے اعتبار سے اگرچہ زمان رسالت مآب کے جو یان حق یہود و نصاریٰ کو دیکھ بھال اور تحقیق و تدقیق کے لئے اپنے علماء سے سوال کرنے کی دعوت دی گئی تاکہ اسلام کی حقانیت ان کے دلوں کی گہلیوں میں جگہ کر لے چنانچہ جب بعض اہل کتاب یہود و نصاریٰ نے بفرمان پیغمبر اپنی قوم کے علماء کی طرف رجوع کیا تو ان کے دلوں پر سے یہودیت و مسیحیت کے بادل چھٹ گئے کفر و انکار کے زنجیر کٹ گئے اور بغض و عناد کے پردے ہٹ گئے پس وہ دامن اسلام سے لپٹ گئے۔ تاہم اس کے مصداق کو یہود و نصاریٰ تک محدود رکھنا تنگ نظری و کوتاہ بینی کے سوا کچھ نہیں۔

بنابرین اسلامی تعلیمات و عقائد و فروعیات کو سن سمجھ کر ہر مذہب و ملت کے افراد کو حق پہنچانا ہے کہ وہ اپنے فرقہ وارانہ تعصب کو خیر باد کہہ کر طالب حقیقت بن کر اپنے معتقد قومی و مذہبی علماء سے سوال کرے اور مجھے اس ذات کی قسم ہے جس نے حضرت پیغمبر کو سلطان الانبیاء بنا کر بھیجا ہے اسلامی تعلیمات کی بنی بر صداقت جزئیات ہر پیغمبر صاحب ذوق منصف طبع انسان سے خراج تحسین حاصل کر کے رہیں گے۔ پس تحقیق کرنے والا انسان اپنے دامن میں اسلام کے گوہر مراد کو لے کر بیٹھے گا۔ اس لئے تحقیق حق کی خاطر علمائے مذاہب سے سوال کرنا بجا ہے۔ اور

لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ ﴿۴۲﴾ أَفَأَمِنَ الَّذِينَ مَكَرُوا السَّيِّئَاتِ

تاکہ وہ سوچیں کیا بے خوف ہیں وہ جو بُری تدبیریں کرتے ہیں اس

أَنْ يَخْشِفَ اللَّهُ بِهِمُ الْأَرْضَ أَوْ يَأْتِيَهُمُ الْعَذَابُ مِنْ

بات سے کہ خدا ان کو زمین میں دھنس دے یا آئے ان پر عذاب ایسی جگہ سے جس کا

عموم آیت اس کو شامل ہے۔

نیز دینی مسائل اصولیہ و فروعیہ کو علمائے اعلام سے حاصل کرنا بھی اسی آیت مجیدہ کی رو سے فرض ہے کیوں کہ آیت کی جس طرح تشریح و تفسیر کی جاتی ہے اور ہر دور کے علمائے عالمانہ اس کی تاویل میں داخل اور اس کے مصداق میں شامل ہیں اور مسئلہ تقلید کو بھی اسی آیت مجیدہ سے ثابت کیا جاتا ہے کہ وہ عوام جو خود درجہ اجتہاد پر فائز نہ ہوں ان کے لئے ضروری ہے کہ وہ جامع الشرائط مجتہد کی طرف مسائل فرعیہ میں رجوع کریں اور چونکہ آیت مجیدہ میں مطلق اہل الذکر کی طرف ناوانتہ مسائل میں رجوع کرنے کا حکم ہے۔ لہذا اس آیت کا ظاہر مسئلہ تقلیدِ اعلام کو بھی باطل کرتا ہے بلکہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ ہر شخص کے لئے اہل الذکر کی طرف رجوع کرنا واجب ہے اور ہر اہل ذکر کو جواب دینے کا حق حاصل ہے۔ اگر وجوب تقلید کا انحصار صرف اعلام میں کر دیا جائے تو جہاں ایک طرف ناممکن و ناشدنی شے کا امر لازم آئے گا اور عوام الناس کی مشکلات میں اضافے کا باعث ہوگا وہاں اس آیت مجیدہ کی تخصیص بلا تخصیص بھی ضرور کرنا ہوگی اور ہم نے اس مسئلہ کو مقدمہ تفسیر میں پوری وضاحت سے بیان کیا ہے۔

پہر کیف آیت مجیدہ میں اہل الذکر سے مراد جزوی طور پر اگرچہ علماء بھی ہو سکتے ہیں لیکن کلی طور پر تمام امت اسلامیہ خواہ عالم ہوں خواہ جاہل کا مرجع و حیدر و آل محمد ہیں۔ جس طرح کہ پوری کائنات کیلئے حتیٰ کہ آل محمد کے لئے بھی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ مرسلین تھے۔

أَفَأَمِنَ - جو لوگ ہدم اسلام اور توہین پیغمبر کے لئے بُری بُری تجویزیں سوچتے اور مکاریاں کرتے تھے ان کو سزا دلانے کے لئے ہوئے دھمکی دی گئی ہے اگر اللہ چاہے تو ان کو زمین میں دھنسا دے یا اچانک عذاب بھیج دے یا چلتے پھرتے ان کو گرفتار بنا کر دے یا خوف سے سزا دے خوف کے دو معنی کئے گئے ہیں ایک وہ جو تحت اللفظ درج ہے اور دوسرا تنقص یعنی کسی شے کو کم کرنے کے لئے ختم کر دینا اور اس حالت کے ظاہر ہونے سے بربادی کا خوف لاحق ہو جاتا ہے اسی لئے اس کو خوف سے تفسیر کیا گیا ہے۔

من شیء ۲۱۵ - یہاں اگلے قرینہ کی بنا پر سایہ دار جسم مراد ہے۔

المشائل جمع ہے شماں کی اور میں جمع نہیں لایا گیا کیونکہ میں کا استعمال جمع کے معنی میں بھی ہوتا ہے اور

حَيْثُ لَا يَشْعُرُونَ ﴿۴۵﴾ أَوْ يَأْخُذُهُمْ فِي تَقَلُّبِهِمْ فَمَا هُمْ

ان کو شعور بھی نہ ہو اور پکڑے ان کو کاروبار کرتے ہوئے پس نہیں وہ عاجز

بِعُجْزٍ ۙ ﴿۴۶﴾ أَوْ يَأْخُذُهُمْ عَلَى تَخَوُّبٍ فَإِنَّ رَبَّكُمْ

کرنے والے ایسا پکڑنے ان کو دوسروں کو خوف دلانے کے لئے کھتیق تمہارا رب مہربان

لَرَّءَوْفٌ رَّحِيمٌ ﴿۴۷﴾ أَوْلَمْ يَرَوْا إِلَىٰ مَا خَلَقَ اللَّهُ مِنْ شَيْءٍ

رحیم ہے کیا وہ نہیں دیکھتے طرف اس کے جو پیدا کیا اللہ نے جسم

يَتَّقِيُوا ظِلَّةً عَنِ الْيَمِينِ وَالشَّمَائِلِ سُجَّدًا لِلَّهِ وَهُمْ

سایہ دار کہ جس کا سایہ چھٹتا ہے دائیں اور بائیں سجدہ کرتے ہوئے درحالیہ کہ وہ

یہاں اس سے جمع مراد ہے سایہ دار جسم کے سائے کا گھٹنا بڑھنا اور دائیں بائیں پھرنا حکومینی اطاعت ہے جو سجدہ سے
تعبیر کی گئی ہے۔ اور ہم نے سجدہ کے متعلق ایک تفصیلی نوٹ اسی جلد میں سورہ رعد کی تفسیر میں لکھی ہے۔ ص ۱۱۸ تا ۱۲۱
مِنْ تَقْوِيهِمْ ۗ اس مقام پر فوق سے مراد غلبہ ہے، نہ کہ جہت۔ کیونکہ خدا جہات کی پابندی سے منزہ ہے اور
آیت کے اختتام پر سجدہ کرنا مستحب ہے جس کی وضاحت تفسیر کی چھٹی جلد ص ۱۵۴ پر ہو چکی ہے اور ملائکہ کی عبادت کے
متعلق تفسیر مجمع البیان میں حضرت رسالت مآب سے منقول ہے کہ ساتویں آسمان پر ملائکہ کی ایک جماعت خدائے خلق
فرمائی ہے وہ جب سے پیدا ہوئے ہیں سجدہ پروردگار میں ہیں اور ان کے اعضاء و خوں خد سے لرزاں ہیں ان کی
آنکھوں سے بہنے والی آنسوؤں کے ایک ایک قطرہ سے ایک فرشتہ پیدا ہوتا ہے وہ قیامت کے روز سجدہ سے سر اٹھائیں گے
اور یہی کلمہ زبان سے جاری کریں گے مَا عَبَدْنَاكَ حَقَّ عِبَادَتِكَ۔ یعنی اسے اللہ تیرا حق عبادت ہم سے نہیں ادا
ہو سکا۔

لَا تَشْخُذُ ۗ وَاصِلًا ﴿۴۸﴾ جو لوگ دو خدا مانتے ہیں ایک خالق خیر جس کو
رکوع نمبر ۱۳ اشویریہ فرقہ کو دعوت توحید
یزداں کہتے ہیں اور دوسرا خالق شر جس کو اہرمن کہتے ہیں گویا پہلا خالق
نور ہے اور دوسرا خالق ظلمت ہے ان کو ثوریہ فرقہ کہا جاتا ہے۔ آیت مجیدہ میں ان کی تردید کی گئی ہے کہ زمینوں اور
آسمانوں کا بلکہ ہر خشک و تر سیاہ و سفید، زیر و زبر اور کائنات عالم کی ہر جنس و صنف میں مادہ و نر کا خالق صرف ایک خدا
ہے۔ ذی روح اور غیر ذی روح تمام مخلوق بمعہ اپنے جملہ لوازم کے سب اسی ایک خدا کا تخلیقی کار نامہ ہے اور اطاعت کا

دَاخِرُونَ ﴿۴۸﴾ وَلِلَّهِ يَسْجُدُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ

خضوع کرنے والے ہیں اور اللہ کے لئے ہی سجدہ کرتی ہے ہر شئی جو آسمانوں تک اور جو بھی زمین میں ہے

مِنْ دَابَّةٍ وَالْمَلَائِكَةِ وَهُمْ لَا يُسْتَكْبِرُونَ ﴿۴۹﴾ يَخَافُونَ

چلنے والا اور فرشتے اور وہ نہیں تکبر کرتے ڈرتے ہیں

رَبَّهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ ﴿۵۰﴾ وَقَالَ

اپنے پروردگار سے جو ان کے اوپر ہے اور کرتے ہیں جو حکم لئے جاتے ہیں اور فرمایا خدا

اللَّهُ لَا تَتَّخِذُوا إِلَهَيْنِ اثْنَيْنِ ۚ إِنَّمَا هُوَ إِلَهُ وَاحِدٌ

نے نہ بناؤ خدا دو سوائے اس کے نہیں کہ خدا ایک ہے

فَيَأْتِي فَاَرْهَبُونَ ﴿۵۱﴾ وَلَهُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَلَهُ

پس مجھ سے ڈرو اور اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اور اسی

الدِّينِ وَاصْبَاءُ أَفْغَيْرِ اللَّهِ تَتَّقُونَ ﴿۵۲﴾ وَمَا يَكُم مِّنْ نَّعْتَةٍ

کے لئے ہے اطاعت دانا کیا پس غیر خدا سے ڈرتے ہو؟ اور تمہارے اوپر جو بھی لعنت ہے وہ

سزاوار ہمیشہ کے لئے وہی ہے۔ وصب کا معنی دوام اور وجوب ہو کرتا ہے اور جس قدر تمہارے اوپر نعمات ہیں وہ سب اسی ایک خدا کی جانب سے ہیں اور جب تم کو کوئی تکلیف ہو تو فریاد کے سننے والا صرف وہی ایک ہے جس کو فریاد کرتے ہو۔ جو آواز کا معنی فریاد کرنا اور گرا گرا کر آنا ہے پھر وہ جب تکلیف کو دور کرے تو اس کے شریک بنانے لگتے ہو تاکہ اس کی لعنت کا کفر و انکار کرو و حالانکہ نعمت کا بدلہ شکر ہونا چاہیے۔ یہ آیات دو خدا ماننے والوں کے لئے تفسیر و ارشاد ہے۔ تفسیر برہان میں احتجاج طبرسی سے منقول ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے دلیل توحید اس طرح بیان فرمائی کہ اگر آپ دو کہیں تو سوال پیدا ہوتا ہے وہ دو نوقوی ہیں یا ایک قوی اور دوسرا ضعیف۔ اگر دو نوقوی ہیں تو آپس میں جھگڑا کیوں نہیں کرتے اور ان میں اگر ایک ضعیف ہے تو وہ خدا نہیں۔ پس دو نوقوی تو حید خداوندی کو ثابت کرتی ہیں۔ نیز خلق کا منظم ہونا دن رات کا اختلاف شمس و قمر کا منظم دور اور افلاک کی گردش اس امر کی شاہد ہیں کہ عالم کا مدبّر صرف ایک ذات پروردگار ہے۔

فَمِنَ اللَّهِ ثُمَّ إِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فَإِلَيْهِ تَجْرُونَ ﴿۵۳﴾ ثُمَّ

اللہ سے ہے پھر جب تم کو تکلیف پہنچے تو اس کی طرف فریاد کرتے ہو پھر

إِذَا كُشِفَ الضُّرُّ عَنْكُمْ إِذَا فَرِقْتُمْ مِّنْكُمْ بِهِمْ لِشِرْكُونَ ﴿۵۴﴾

جب دور کرے تکلیف تم سے تو تمہاری ایک جماعت اپنے رب کا شکر کرتی ہے

لَيَكْفُرُوا بِمَا آتَيْنَاهُمْ فَتَمَتَّعُوا فَسَوْفَ تَعْلَمُونَ ﴿۵۵﴾ وَيَجْعَلُونَ

تاکہ انکار کریں جو ہم نے ان کو نعمتیں دیں پس دنیا میں فائدہ اٹھاؤ عنقریب تم کو پتہ چلے گا اور کرتے ہیں ان کے

لِمَا لَا يَعْلَمُونَ نَصِيبًا مِّمَّا رَزَقْنَاهُمْ تَاللَّهِ لَسَوَّلُنَّ عَسَا

لئے جن کے متعلق نہیں جانتے ایک حصہ اس سے جو ہم نے ان کو رزق دیا خدا کی قسم ضرور پوچھے جاؤ گے

لَا يَعْلَمُونَ۔ اس کا فاعل ضمیر مشرکین کی طرف راجع ہے یعنی وہ چیزیں (بہت) جن کے متعلق وہ نہیں جانتے کہ وہ نفع یا نقصان دیتے ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ وہ جانتے ہیں کہ بت نفع یا نقصان نہیں دے سکتے لیکن تعبیر نرم لہجہ میں کی گئی ہے تاکہ تبلیغ کا پہلو دل آزار نہ ہو ورنہ اگر صاف طور پر کہا جاتا کہ ان کو علم ہے کہ ان کے مصنوعی خدا نفع یا نقصان نہیں دے سکتے تو وہ ضد پراڑ جاتے اور کہہ دیتے کہ وہ نفع یا نقصان دے سکتے ہیں لیکن جب اس انداز میں کہا گیا کہ ان کا نفع یا نقصان پہنچانا ان کو معلوم نہیں تو یہ دعوتِ فکر ہے جو کفار کو سوچنے پر مجبور کرتی ہے پس منصف طبع لوگ دامنِ توحید سے وابستہ ہونے پر موفق ہو جاتے ہیں۔ اس آیت مجیدہ میں خدا ان کفار کے ایک بڑے رواج کی مذمت فرماتا ہے جو اس سے پہلے سورہ النعام کی تفسیر جلد ۵ ص ۲۵۵ میں گذر چکا ہے کہ وہ اپنے مالِ حلال میں سے اپنے بتوں کا حصہ مقرر کر لیتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ ہمارے خداؤں کا ہے۔ خدا فرماتا ہے جو کسی کو نفع یا نقصان دے نہیں سکتے ان کے لئے اپنے رزق سے حصہ مقرر کرنے کا کیا مطلب ہے پھر تہنید و تہدید کے طور پر فرمایا کہ ان افترا پردازوں کا بروز محشر ضرور ان سے سوال کیا جائے گا۔

يَجْعَلُونَ۔ ان کی دوسری بدرسم یہ تھی کہ وہ فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں سمجھتے تھے پس ان عربوں کی بدرسم کی تردید میں فرماتا ہے کہ یہ لوگ عجیب ہیں خود تو اپنے لئے بیٹی پسند نہیں کرتے اور میرے لئے وہ بیٹیاں تجویز کرتے ہیں۔ حتیٰ کہ جب ان کو بیٹی کی پیدائش کی اطلاع دی جائے تو وہ غصہ و غم میں گرفتار ہو کر رو سیاہ ہو جاتے ہیں اور یہ کظیم کظامتہ سے ہے جس کا معنی ہے مشکیزہ کا منہ باندھنے کا تاکا اور یہاں مراد ہے کہ وہ

كُنْتُمْ تَفَرُّونَ ﴿٥٦﴾ وَيَجْعَلُونَ لِلَّهِ الْبَنَاتِ سَجْنَةً وَلَهُمْ

اس کے متعلق جواز کرتے ہو اور کرتے ہیں اللہ کے لئے بیٹیاں پاک ہے وہ ذات اور اپنے لئے وہ جو

مَا يَشْتَهُونَ ﴿٥٧﴾ وَإِذَا الْبُشْرَ أَحَدَهُمْ بِالْأُنْثَىٰ ظَلَّ وَجْهَهُ

چاہتے ہیں (بیٹے) اور جب خوشخبری دی جائے کسی ایک کو بیٹی کی تو ہوجاتا ہے اس کا چہرہ سیاہ

مَسْوَدًا ۖ وَهُوَ كَظِيمٌ ﴿٥٨﴾ يَتَوَارَىٰ مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوءِ مَا

درمالیکہ وہ مخموم ہوتا ہے چھتا ہے قوم سے بوجہ بری بشارت کے (سوچتا ہے) کیا

بَشْرِهِ ۖ آيْمِسُكُهُ عَلَىٰ هُونٍ ۖ أَمْ يَدُسُّهُ فِي التُّرَابِ ۗ أَلَا

اس کو زندہ رکھے باوجود زلت کے یا دفن کر دے سٹی میں؟ آگاہ ہو

سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ ﴿٥٩﴾ لِلَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ مَثَلُ السَّوْءِ

وہ بڑا فیصلہ کرتے ہیں جن کا آفت پر ایمان نہیں ان کی شان و صفات (انجام) بوجہ ہوگا

غصے سے اپنا منہ بند کر لیتا ہے اور بول نہیں سکتا پھر شرم کے مارے قوم سے منہ چھپائے پھرتا ہے اور لڑکی کو زندہ رکھنا اپنی توہین سمجھتا ہے پس لڑکی کے زندہ درگور کرنے کی فکر میں رہتا ہے۔ تفسیر کی جلد ۵ ص ۲۵۶ پر تفصیل ملاحظہ فرمائیے۔ نیز کلامتہ کنوئیں کو بھی کہتے ہیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ حضورؐ کو کلامتہ پر تشریف لائے آپؐ وضو کیا اور پاؤں پر مسح کیا۔ اس کی جمع کلامتہ ہے۔ (جمع)

ہمارے ہاں کا دستور عربوں کی رسوم بد سے کم نہیں وہ لڑکیوں کو زندہ درگور کر دیتے تھے لیکن یہاں حکومت وقت کی گرفت کے ڈر سے ایسا نہیں کر سکتے اگر یہ خوف نہ ہوتا تو شاید یہ بھی اسی تاریخ کو دہراتے یا قدم اس سے بھی آگے بڑھا کر رکھتے۔ البتہ ہمارے ملک میں اس سلسلہ کی چند رسوم بد موجود ہیں۔

۱۔ بعض جاہل لوگوں میں یہ رسم ہے کہ بیوہ ہو جانے کے بعد عورت کی دوسری شادی کو باعث توہین قرار دیا جاتا ہے لہذا اسے شادی سے ہمیشہ کے لئے محروم کر دیا جاتا ہے۔ بعض اوقات باکل نوجوان لڑکی کا نوجوان بیابہتا شوہر اگر کسی حادثے کا شکار ہو جائے تو وہ بیچاری عمر بھر سوگواری میں گزارتی ہے۔ ایک اپنے نوجوان شوہر کی موت کا سوگ اور اس سے زیادہ اپنی قیمتی جوانی کا تازلیست سوگ اور نندوں اور بھانجوں کی دل آزاری کا بھی سوگ۔ پس وہ بچکیوں

وَلِلَّهِ الْمَثَلُ الْأَعْلَىٰ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿۱۴۳﴾ وَكُلُّ يَوْمٍ آخِذٌ

اور اللہ کی صفت و شان بلند ہے اور وہ غالب حکمت والا ہے اور اگر گرفت کرتا اللہ

اللَّهُ النَّاسَ بِظُلْمِهِمْ مَا تَرَكَ عَلَيْهَا مِنْ دَابَّةٍ وَلَٰكِنْ

لوگوں کی ان کے ظلم پر تو نہ چھوڑتا اس زمین پر کوئی چلنے والا لیکن ان کو

میں ہی زندگی کے دن پورے کرتی ہے اس کے ظالم ماں باپ یا بھائیوں نے کبھی اس کی روحانی کوفت کا جائزہ لینا گوارا نہ کیا۔ عورت کے مرنے پر مرد تو ایک کی بجائے دو دو شادیاں رچا لیا کرتے ہیں لیکن عورت کو بیوگی کے ناکردہ گناہ کی سزا میں ساری عمر رُلا یا جاتا ہے۔ اچھے بھلے خاندانوں میں یہ لعنت پائی جاتی ہے اور خاندانی روایات کی مخالفت کے ڈر سے بعض اچھے خاصے سمجھدار لوگ بھی اس ظلم میں شریک ہوتے ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ عورت کی دہائی شادی سے خاندان کی ناک کشتی ہے حالانکہ لوجوان عورت کا بغیر شوہر کے رہنا خاندان کی ناک کٹنے کے مترادف ہے پس جنہوں نے خدائی احکام کو ٹھکرایا وہ کبھی زلت سے نہ بچ سکے۔ درحقیقت یہ بدرسم ہندوؤں کی سنی کی رسم سے ملغوذ ہے کہ وہ سابقہ زمانہ میں شوہر کے مرنے کے بعد اس کی زندہ بیوی کو اس کے ساتھ زندہ آتش کر دیا کرتے تھے اس رسم کو انگریزوں کی عملداری میں جبراً بند کر دیا گیا۔ لیکن بعض مسلمان خاندانوں نے اس کا بدلہ یہ تجویز کیا کہ مرد کے مرنے کے بعد اس کو درگور کیا تو عورت کو اس کے ساتھ اس طرح زندہ درگور کر دیا کہ نہ مرے نہ جے بلکہ تمام زندگی رو کر بسر کرتی رہے۔

۲۔ بعض جاہلوں میں کنواری لڑکیوں کو قطعاً شادی سے محروم کرنے کا دستور ہے کہ ہمارے جوڑ کا خاندان کوئی نہیں ہے پس وہ کسی کو مصلے سے کسی کو علم حضرت عباس سے کسی کو مسجد یا امام باڑہ سے منسوب کر کے کہتے ہیں کہ ہماری لڑکی مصلے پر بیٹھی گئی ہے وہ شادی کرنا چاہتی ہی نہیں حالانکہ یہ ظلم صریح ہے۔ مردوں کیلئے سوچنے کی بات ہے کہ اپنے جوڑ کا رشتہ مل سکتا ہے تو عورتوں کو کیوں نہیں ملتا سکتا اور یہ پارسائی عورت کے لئے ہے تو مرد خود اس میں حصہ کیوں نہیں لیتے؟ پس عورت کی بے بسی اور بے چارگی سے فائدہ اٹھا کر اس کی زندگی کو تباہ کیا جاتا ہے اور مقصد یہ ہوتا ہے کہ جائداد کا حصہ کسی دوسرے کے پاس نہ جانے پائے۔ بعض لڑکیاں حدودِ دنیا کو توڑ کر خود میدان میں آجاتی ہیں اور شادی کر لیتی ہیں۔ لیکن اکثر لڑکیاں ماں باپ کے رحم و کرم کی بھیگ پر زندگی کے دن کاٹتی ہیں اور یہ بھی زندہ درگور کرنے سے کسی قدر کم نہیں بلکہ میرے خیال میں یہ زیادہ روح فرسا ہے۔

۳۔ بعض علاقوں اور خاندانوں میں چہنیز کی بدرسم نے لڑکیوں کے شادی کے سلسلہ میں روکاٹ پیدا کر دی ہے کہ لڑکی اگر چہنیز اچھالے کر آئے تو اس کی سسرال میں قدر ہوتی ہے ورنہ نہیں۔ بس لڑکی کے پیدا ہوتے ہی ماں باپ اس

کے جہیز کی فکر میں لگ گئے اور زندگی بھر کی کمائی سے بچا بچا کر اُس کا جہیز پورا کرتے رہے اگر کسی کے ماں دو، تین لڑکیاں ہو گئیں تو وہ اس کے لئے جان لیوا اور سومان روح بن گئیں۔ پس ایسی صورت میں نہ جہیز بن سکتا ہے نہ لڑکی کی شادی ہو سکتی ہے۔ اگر ایسے خاندان میں شادی کرے جو جہیز کی قیود سے آزاد ہیں تو خلاف شان سمجھا جاتا ہے۔ پس نہ دوسرے خاندان میں شادی گوارا اور نہ اپنے خاندان میں جہیز کے سوا کوئی اور چارہ۔ نتیجہ یہ ہوا کہ لڑکی زندہ درگور۔

۱۴، خاندانی رشتہ کی پابندی اکثر ماں باپ کے لئے باعث گرفت بن جاتی ہے کہ اپنے خاندان میں مناسب جگہ نہیں مثلاً لڑکا تعلیم یافتہ ہے اور لڑکی اُن پڑھ ہے یا اس کا الٹ ہے یا لڑکا کھاتے پیتے گھرانے کا ہے اور لڑکی بہت نادار گھر کی سہ ہے یا اس کا الٹ ہے یا شکل و شباہت کے لحاظ سے موزونیت کا فقدان ہے یا اخلاق و عادات میں تفاوت ہے یا مذہبی حدود کی پاس خاطر ہے وغیرہ پس اس ناموزونیت کی تان صرف صنف نازک پر ہی ٹوٹتی ہے کیونکہ مرد تو موزوں و ناموزوں میں فرق کم ہی کرتے ہیں۔ پس لڑکی کو ہی ذمہ درگور کی مصیبت جھگٹی پڑتی ہے۔

۱۵، بعض علاقوں میں نکاح و سیاہ کے اخراجات اس قدر زیادہ رواج پا گئے کہ لڑکی کے والدین نہ ان کو پورا کر سکتے ہیں نہ لڑکی کی شادی ہو سکتی ہے۔ مثلاً زیورات کی پابندی یا پاراجات کی مخصوص اقسام کا انتظام بعض لوگ کر نہیں سکتے۔ لہذا لڑکی کو شادی سے محروم رہ کر زندہ درگور ہونا پڑتا ہے۔

بہر کیف اسلامی اصول و شرعی قوانین کی پاسداری ہی صحیح طور پر انسانوں کو ان جیسے مصائب سے نجات دلا سکتی ہے اور جو لوگ حکومت الہیہ کا اقتدار تسلیم کر کے اپنی خواہشات و جذبات کو اس کے تابع کرتے ہیں وہ اس قسم کی روح فرسا مصیبتوں سے بچ جاتے ہیں ورنہ وہی عربوں کی سی بد رسوم میں مبتلا رہ کر ظالموں پر لعنت کرنے کے باوجود خود ظلم کے بھنور میں پھنسے رہتے ہیں۔ پس مسلمانوں کو اور بالخصوص اہل ایمان کو رسوم بد پر ہنسنے کی بجائے اپنے گریبان میں جھانک کر اپنی کمزوریوں کو ختم کرنا چاہیے۔

مسلم مای حکموں^{۲۱۸}۔ اس کی دو توجیہیں کی گئی ہیں، ۱) عربوں کا اللہ کے لئے بیٹی تجویز کرنا اور اپنے لئے بیٹیوں کا پسند کرنا ان کا بڑا فیصلہ ہے ۲) لڑکوں کی خواہش کرنا اور لڑکیوں کو مارنے کی فکر کرنا بڑا فیصلہ ہے۔ کیونکہ اولاد ہونے کے لحاظ سے دونو برابر ہیں اور اللہ کی حکمت دونو کی پیدائش سے تعلق رکھتی ہے۔ کیونکہ اگر صرف لڑکے ہی لڑکے پیدا ہوں تو نسل انسانی آٹھے نہیں بڑھ سکتی۔

وَالَّذِينَ كَفَرُوا مَشْرُكِينَ جَوَّالِدِیْنَ كَمَا تَجْوِزُ كَرْتِیْهِمْ اِنْ كَرْتِیْهِمْ مَشْرُكًا مَتَّعْتِیْهِمْ كَرْتِیْهِمْ۔
مثل السور سے مراد بدرنگی ہے یعنی عذاب کی وجہ سے ان کا رنگ کالا ہو گا۔

لَهُمُ النَّارُ وَأَنَّهُمْ مُّفْرَطُونَ ﴿۶۲﴾ تَاللّٰهِ لَقَدْ أَرْسَلْنَا إِلَىٰ أُمَمٍ

دور ہے اور تحقیق وہ اسکی طرف آگے آئیوں گے خدا کی قسم ہم نے رسول بھیجے پہلی امتوں کی

مِّنْ قَبْلِكَ فَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَہُمْ فَہُوَ وٰلِیہُمْ

طرف تو مزین کیا شیطان نے ان کے لئے ان کے اعمال کو پس وہ اس دن بھی ان کا

الْیَوْمَ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۶۳﴾ وَمَا اَنْزَلْنَا عَلَیْكَ الْکِتٰبَ

ولی ہو گا اور ان کے لئے عذاب دردناک ہو گا اور ہم نے نہیں اتاری تجھ پر کتاب مگر اس لئے

اِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِیۡ اٰخْتَلَفُوۡا فِیْہِ وَہُدٰی وَّرَحْمٰتٍ

کہ تو بیان کرے ان پر وہ جس میں وہ اختلاف رکھتے ہیں اور ہدایت اور رحمت ہے

کہا گیا کہ اس پر بسنے والا کوئی نہ رہتا تو ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ اس سے مراد زمین ہے۔

مسائل مشککہ نمبر ۱ | اگر کوئی شخص ظلم کر کے مستحق عذاب ہو لیکن اس کے آثار ایسے ہوں کہ وہ یقیناً بعیدیں

توبہ کر لیا گیا یہ کہ خدا کو اس کا بعد میں توبہ کرنا معلوم ہو تو کیا ایسے شخص کو فوری طور پر عذاب

دیا جا سکتا ہے یا اس کو مہلت دینا ضروری ہے۔ اس میں دو قول ہیں۔

۱۔ سید مرتضیٰ فرماتے ہیں کہ اس کو فوری طور پر عذاب دیا جا سکتا ہے اور اس کو مہلت دینا ضروری نہیں (۲)

شیخ مفید کا قول ہے کہ اس کو فوری طور پر عذاب دینا ناجائز ہے بلکہ اس کو مہلت دینا واجب ہے میرے خیال میں

سید مرتضیٰ کا قول قوی اور شدید تر ہے لیکن خداوند کریم اپنے لطف کی بنا پر کسی کو فوری طور پر گرفت نہیں کرتا اور لازماً

اس کو مہلت دیتا ہے تاکہ وہ توبہ کرے چنانچہ آیت مجیدہ کا بھی یہی مضمون ہے اور ممکن ہے کہ شیخ مفید نے بھی

یہی لطف مراد لیا ہو اور مہلت کے وجوب سے مراد لطف ہونہ کہ پابندی پس دونوں صورتوں میں لفظی فرق ہے نہ کہ

معنوی۔

مسئلہ نمبر ۲۔ کیا عذاب اس وقت حتمی ہوتا ہے جب اس کی نسل سے بھی ایمان لانے کی امید قطع ہو جائے جس طرح

حضرت نوح علیہ السلام کی مناجات سے معلوم ہوتا ہے یا یہ ضروری نہیں ہے تو اس کا جواب بھی یہی ہے کہ خدا

پابند اور مجبور نہیں وہ استحقاق کے بعد ظالم کو گرفت کر سکتا ہے اس کی نسل کو باقی رکھنا اس پر واجب نہیں لیکن اس

نے جس طرح تمام مخلوق کو لطفاً پیدا فرمایا ہے اسی طرح اگر ظالم کی نسل کی بقا کے لئے وہ فوری طور پر اس کو معذب

لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُونَ ﴿۶۵﴾ وَاللَّهُ أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَحْيَا بِهِ

ایمان لائے لوگوں کے لئے اور خدا نے اتارا آسمان سے پانی پس زندہ کیا زمین کو بعد

الْأَرْضِ بَعْدَ مَوْتِهَا إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً لِّقَوْمٍ يُّسْمِعُونَ ﴿۶۶﴾

اس کی مردنی کے تحقیق اس میں نشانی ہے سننے والوں کے لئے

وَإِنَّ لَكُمْ فِي الْأَنْعَامِ لَعِبْرَةً لَّا تُسْقِيكُم مِّمَّا فِي بُطُونِهِ مِن

اور تحقیق تمہارے لئے جو پاؤں میں نصیحت ہے ہم تم کو پلاتے ہیں اس سے جو اس کے پیٹ میں

نہ کرے تو یہ بھی اس کا لطف ہے۔

مسئلہ نمبر ۳۔ آیت مجیدہ سے ظاہر ہے کہ اگر خدا ظلم پر بندوں کو عذاب کرتا تو کوئی چلنے والا نہ رہتا حتیٰ کہ حیوانات بھی نہ رہتے تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ انسانوں کے ظلم کی پاداش میں حیوانات کی ہلاکت کس لئے ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ جب ظالموں کی ہلاکت کے بعد زمین پر چلنے والا کوئی انسان نہ ہوگا، تو حیوان کس لئے ہوں گے جب کہ ان کی تخلیق ہی انسانی مفاد کی خاطر ہے۔

مسئلہ نمبر ۴۔ بچہ کی موت کے بعد اس کے حشر میں معتزلہ اور اشاعہ کا اختلاف ہے۔ معتزلہ کا کہنا ہے کہ چونکہ اللہ کو معلوم تھا کہ وہ بعد میں ظالم ہو گا لہذا اس نے اس کو ختم کر دیا پس بچہ محشر ہو کر جنت کا مطالبہ نہیں کر سکتا اور اشاعہ کہتے ہیں اگر یہ بات درست ہے تو سرے سے تمام کفار کو کیوں نہ ختم کر دیا۔ پس اس کا حل مناسب اس طرح ہوگا کہ جہاں کی تین قسمیں ہیں (۱) ثواب (۲) عوض (۳) تفضل۔ اعمال صالحہ پر جنت عطا فرمانا ثواب ہے۔ چھوٹے بچوں کی تکالیف و اموات یا اولیاء اللہ کے مصائب پر ان کو جنت دینا اور جہات بلند کرنا عوض ہے اور جو جوان ہونے کے بعد بھی اعمال زشت کا مرتکب ہو اور قطعاً استحقاق جنت نہ رکھتا ہو اس کو شفاعت سے معاف کر دینا یا بعد الوال کی دعاؤں سے اس کو بخش دینا یا اس کی اولاد کی سعادت سے اس کو جنت دینا یہ سب اس کا تفضل ہے۔ یعنی اختیاری عمل کا بدلہ ثواب اور عمل اضطراری کا بدلہ عوض اور بلا عمل عطیہ تفضل ہے اور خدا کی شان ہے جس طرح وہ اس کو کوئی روک نہیں سکتا۔

جَاءَ أَجْلُهُمْ ۲۲۱۔ اس کی تفسیر پہلے گزر چکی ہے۔

الکتاب ۲۲۲۔ وہ کہتے تھے کہ جس جنت کا محمد ذکر کرتا ہے وہ یقیناً ہمارے لئے رہی ہے اور باوجود اپنی بد اعتقادوں اور بد اعمالیوں کے جنتی یعنی جنت کے دعویٰ رہتے تھے پس خدا نے ان کے دعویٰ کی تردید فرمائی۔

مفردون ۲۲۳۔ فرط سے ہے جس کا معنی تقدم ہے یعنی آگے جانے والے ہوں گے اور بعض لوگوں نے راہ کو

بَيْنَ فَرْثٍ وَدَمٍ لَبْنَا خَالِدًا سَائِغًا لِشَرِيبَيْنِ ﴿٦٦﴾ وَمِنْ

ہے گوبر اور خون کے درمیان سے خالص دودھ خوشگوار پینے والوں کے لئے اور بھجوروں

ثَمَرَاتِ النَّخِيلِ وَالْأَعْنَابِ تَتَّخِذُونَ مِنْهُ سَكَرًا وَرِزْقًا

اور انگوروں کے پھلوں سے کہ بناتے ہر تم اس سے نشہ آور چیز اور بہترین رزق

حَسَاءً إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ﴿٦٧﴾ وَأَوْحَىٰ رَبُّكَ

تحقیق اس میں نشانی ہے ان لوگوں کے لئے جو عقل رکھتے ہوں اور وحی کی تیرے رب

إِلَى النَّحْلِ أَنْ اتَّخِذِي مِنَ الْجِبَالِ بُيُوتًا وَمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا

نے شہد کی مکھی کو کہ بنا پہاڑوں سے گھر اور درختوں سے اور اس چیز سے کہ جس کی پخت

يَعْرِشُونَ ﴿٦٨﴾ ثُمَّ كُلِي مِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ فَاسْلُكِي سَبِيلَ رَبِّكَ

بناتے ہیں پھر کھا ہر قسم کے میوہ جات پس داخل ہو اپنے رب کے راستوں سے مطیع

ذُلًّا وَيُخْرِجَ مِنْ بُطُونِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ أَلْوَانُهُ فِيهِ شِفَاءٌ

ہو کر تاکہ نکلے ان کے شکموں سے ایک مشروب رنگ رنگا جس میں شفا ہر لوگوں

کسرہ سے بھی پڑھا ہے یعنی افراط کرنے والے تھے۔

فہو ولیہم یعنی شیطان کی اطاعت کرنے والوں کا ولی دنیا میں تو شیطان ہے لیکن آخرت میں وہ بھی

ان سے بری ہو جائے گا۔ اور بعضوں نے کہا ہے کہ ایوم سے مراد قیامت کا دن ہے یعنی خدا ان کو اپنی رحمت سے

مایوس کرتے ہوئے فرمائے گا جاؤ شیطان تمہارا ولی ہے اس سے اپنی اطاعت و کارگزاری کا بدلہ لو۔

ان لکھ فرماتا ہے کہ حیوانات اور چوپائوں کی پیدائش میں تمہارے

رکوع نمبر ۱۵ تذکرہ نعمات بر اعبرت نے نصیحت و عبرت حاصل کرنے کا مقام ہے بالخصوص شیردار

جانوروں مثلاً گائے بھینس وغیرہ میں غور کرو کہ اس کی اوجھری میں پڑا ہوا گھاس اس کی قوت ہاضمہ اور جگر و معدہ کی

مشغلی کے ذریعہ سے کچھ حصہ فالٹو گوبر بن کر آنتوں میں چلا جاتا ہے اور اس کا خالص جوہر خون بن کر رگوں پھویں میں

چکر لگا کر اس کی زندگی کو آگے بڑھاتا ہے اور درمیانہ حصہ دودھ خالص تیار ہو کر تھنوں میں پہنچتا ہے جس کو انسان

لِلنَّاسِ طِرَانٌ فِي ذَلِكَ لآيَةٍ لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ ﴿٤٩﴾ وَاللَّهُ

کے لئے تحقیق اس میں نشانی ہے فکر کرنے والے لوگوں کے لئے اور اللہ نے

خَلَقَكُمْ ثُمَّ يَتَوَفَّاكُمْ وَمِنْكُمْ مَنْ يُرَدُّ إِلَىٰ أَرْذَلِ الْعُمُرِ

تم کو پیدا کیا پھر تم کو مارے گا اور تم میں سے وہ ہیں جو رد کئے جاتے ہیں طرف رذیل ترین عمر

لِكِي لَا يَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمِهِ شَيْئًا إِنَّ اللَّهَ عَلَيْهِ قَدِيرٌ ﴿٥٠﴾ ع

کے تاکہ نہ جانے بعد جاننے کے کچھ بھی تحقیق اللہ جاننے والا قدرت والا ہے

وَاللَّهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ فِي الرِّزْقِ فَمَا الَّذِينَ

اور اللہ نے زیادہ دیا بعض کو بعض پر رزق میں نہیں وہ جن کو

فَضَّلُوا بَرَأْدِي رِزْقِهِمْ عَلَىٰ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ فَهُمْ

زیادہ دیا گیا دینے والے اپنا رزق اپنے غلاموں کو (جن کے وہ مالک ہیں) پس وہ اس میں

استعمال کرتا ہے۔ پس نیچے فضلات گو براؤ پر خون اور درمیان میں دودھ خالص تیار ہو کر اپنے طرف میں پہنچتا ہے کہ اس میں گو بر کی بو ہے اور نہ خون کی لگاؤٹ صانع حکیم کی توحید کی ناقابل تردید برہان ہے کیونکہ ایک ہی جگہ پر ایک ہی مشینری میں سب کا تیار ہو کر الگ الگ چلا جانا عظمت پروردگار کا لوہا ہونا قوس ہے اور جو شخص اس واضح حقیقت سے بھی نصیحت نہیں لے سکتا اور وہ خالق کی قدرت و حکمت اور اس کی یکسانی و بے بہتائی کی معرفت نہیں حاصل کر سکتا تو وہ عقل کا اندھا اور دانش سے کور ہے۔

وَمِنْ ثَمَرَاتِ النَّخْلِ عِجَابَاتٍ اس طرح ہے کلمہ عِبْرٌ قَيْمًا أَخْرَجَ كَلِمَةً ثَمَرَاتٍ - الخ یعنی تمہارے لئے عبرت ہے اس میں جو نکالی ہے خدا نے - یعنی کھجوروں اور انگوروں کے پھلوں میں کہ اس سے تم ایسی چیز بھی بناتے ہو جو تم پر حرام ہے جیسے شراب اور اس سے رزق حسن بھی تم حاصل کرتے ہو اور بعض مفسرین نے سُکَّرٌ کا معنی جائز اور حلال قسم کے مشروبات کیا ہے اور بعض لوگوں نے بنید کی حلیت اسی آیت مجیدہ سے ثابت کرنے کی سعی لا حاصل بھی کی ہے کہ خدا نے اس کو اپنے احسانات و انعامات میں سے ذکر فرمایا ہے لہذا وہ حلال ہے اور یہ آل محمد سے روگردانی کے بدترین نتائج میں سے ہے۔

سکر چار معنی میں مستعمل ہوتا ہے (۱) نشہ اور شراب (۲) مطلق مشروبات (۳) سکون جس طرح ساکرہ بمعنی ساکرہ

۱۴) حیرت سے آنکھوں کا ٹکٹکی باندھنا۔

اَوْحٰی اِلَیْہِ الْقُرْاٰنَ مَجِیْدٌ میں وحی کا متعدد معانی معانی میں استعمال ہوا ہے (۱) وحی بصورت جبریلی یا خواب والہام یا ہفت غیب جو صرف انبیاء کے لئے مخصوص ہے (۲) وحی بمعنی الہام جس طرح شہد کی مکھی کی وحی اور اوحینا الی ام موسیٰ وغیرہ (۳) اشارہ اوحی الیہ یعنی اس کی طرف اشارہ کیا (۴) راز دار بنانا جیسے یوحی بعضہ لہا لی بعض یعنی بعض دوسرے بعض کو راز دار بنانا ہے۔ آیت مجیدہ میں شہد کی مکھی کا الہام یہ ہے کہ خدا نے اس کی فطرت میں یہ چیز داخل کر دی ہے گویا اس جگہ الہام تکوینی تخلیق کا دوسرا نام ہے جس طرح کہ اس کے بعد اوم کا تعلق بھی اس کے ساتھ کھیتی ہے۔ اس کے مقابلہ میں انسانوں کا الہام تشریحی ہوا کرتا ہے جس طرح کہ اس کے ساتھ امر یا نہی کا معاملہ بھی تشریحی ہوتا ہے پس شہد کی مکھی کی فطری خلقی عادت یہ ہے جو اللہ کی جانب سے الہام تکوینی کے طور پر اس کو عطا کی گئی ہے کہ پہاڑوں درختوں اور سیلوں میں گھسے پس ہر قسم کے میوہ جات کا رس چوستے اور یہ وہ راستے ہیں جو خدا نے اس کے لئے آسان کئے ہیں پایہ وہ ذرائع ہیں جو قدرت نے اس کو عطا کئے ہیں پس اس کا چوسنا ہوا مختلف خواص و آثار کے پھلوں کا رس ایک معجون تیار ہوتا ہے اور وہ بھی موسموں کے اختلاف اور پھلوں کے تفاوت کی بنا پر رنگ برنگی شکل میں ہوتا ہے اور پھر اس کے آثار کا مختلف ہونا بھی بعید از قیاس نہیں لیکن مجموعی طور پر وہ باعث شفا ضرور ہے۔

۱۵) دُکُلًا مَکْحُوۡمًا۔ حال ہے سبل سے کہ وہ راستے یا ذرائع تیرے لئے مناسب و موزوں ہیں یا حال ہے فاعل سے یعنی مکھی خود مطیع ہو کر ایسا کرتی ہے۔

مَنْ بَطُوۡنِہَا۔ اس سے ظاہر ہے کہ مکھی کے پیٹ میں داخل ہو کر یہ رس دوبارہ اگلا ہوا اس کے منہ سے باہر آتا ہے۔ گویا مکھی کا شکم اس کی اصلاح کے لئے ایک انگ مٹین ہے تاکہ بعض پھلوں کے مضر اثرات کا قلع قمع ہو جائے پس وہ محض شفا بن کر بنی آدم کے لئے کام آئے۔

اور قدرتِ سانع حکیم دیکھئے کہ ڈاکٹروں اور حکیموں سے کوئی معجون ایسی دستیاب نہیں ہو سکتی جس کا جزو عظیم

شہد نہ ہو۔

خداوند قدوس نے مکھی اور شہد کے ذکر سے انسان کو عبرت و نصیحت کا درس دیا ہے اور مکھی میں عبرت و نصیحت کے چند مقام ہیں۔

- ۱۔ پھلوں کا رس چوستے کے بعد وہ اپنے چھتے میں پہنچ کر منہ کے ذریعے سے وہ رس اگلتی ہے۔
- ۲۔ جو مقام اس کے کاٹنے کا ہے اسی زہریلے مقام سے یہ رس اگلتی ہے اور وہ بجائے زہریلے اثرات لینے کے شفا بن جاتی ہے۔

فِيهِ سَوَاءٌ أَفْبِنِعْمَةِ اللَّهِ يَجْحَدُونَ ﴿٤١﴾ وَاللَّهُ جَعَلَ

ہاں ہیں تو کیا وہ اللہ کی نعمت کا انکار کرتے ہیں؟ اور اللہ نے پیدا کیں

لَكُمْ مِّنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا وَجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ أَزْوَاجِكُمْ

تمہارے لئے تم میں سے تمہاری بیویاں اور پیدا کئے تمہارے لئے تمہاری بیویوں سے بیٹے

بَنِينَ وَحَفَدًا ۗ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبَاتِ أَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُونَ

اور نواسے اور رزق دیا تمہیں پاکیزہ کیا باطل پر ایمان

- ۳۔ یہ محفوظ مقام میں اپنا چھتہ تیار کرتی ہے تاکہ لوگوں کی دسترس سے محفوظ رہے۔
 - ۴۔ اس کے چھتے کے خانہ جات سب کے سب محسوس ہوا کرتے ہیں اور ناپ میں اس کے سب اضلاع برابر ہوتے ہیں جو بغیر آلات ناپ کے ان سے صادر ہوتے ہیں۔
 - ۵۔ مکھی کوئی برارس نہیں لیتی پاکیزہ رس لیکر پلٹی ہے اور اس میں وہ ہمیشہ پوری محتاط رہتی ہے۔
 - ۶۔ پورے چھتے میں ان کا ایک بادشاہ ہوتا ہے جو امیر النحل یا یعسوب النحل کہلاتا ہے۔
 - ۷۔ تمام مکھیاں امیر النحل کی پوری پوری مطیع و فرمانبردار ہوتی ہیں۔
 - ۸۔ جو مکھی امیر النحل کے حکم سے سرتابی کرے باقی مکھیاں اس سے بائیکاٹ کر لیتی ہیں۔ اور اسے کاٹ کر رکھ دیتی ہیں۔
 - ۹۔ جس طرف جائیں امیر النحل سب کے آگے آگے ہوتا ہے اور کوئی مکھی بے ادب ہو کر اس سے آگے چلنے کی جرات نہیں کر سکتی۔
 - ۱۰۔ امیر النحل تمام مکھیوں کی ڈیوٹی معین کرتا ہے جس پر عمل پیرا ہونا سب کے لئے ضروری ہوا کرتا ہے۔
 - ۱۱۔ امیر النحل تمام مکھیوں کی پوری دیکھ بھال کرتا ہے اور اس تنظیم سے کبھی غافل نہیں ہوتا۔
 - ۱۲۔ امیر النحل باہر سے آنے والی ہر مکھی کا معائنہ کرتا ہے اگر کسی مکھی سے جو خراب آتی ہو تو اس کو فوراً جماعت سے خارج کر دیتا ہے۔
 - ۱۳۔ امیر النحل مکھیوں کو پاکیزہ اور ستھری رس چوسنے پر مامور کرتا ہے پس نافرمان کو سزائے موت دیتا ہے۔
 - ۱۴۔ جب امیر النحل مارا جاتے یا کم ہو جائے تو باقی مکھیوں کا نظام درہم برہم ہو جاتا ہے۔
- ان کے علاوہ اور بھی امور کافی مصالح پر مشتمل ہیں جن کو پروردگار ہی بہتر جانتا ہے اور حضرت امیر علیہ السلام نے

وَبِنِعْمَتِ اللَّهِ هُمْ يَكْفُرُونَ ﴿۴۲﴾ وَيَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ

رکھتے ہیں اور اللہ کی نعمت کا انکار کرتے ہیں اور عبادت کرتے ہیں اللہ کے غیر

اللَّهُ مَا لَا يَمْلِكُ لَهُمْ رِزْقًا مِنَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ شَيْئًا

کی جو نہیں مالک اپنے رزق کے آسمانوں اور زمین میں سے کچھ بھی

وَلَا يَسْتَطِيعُونَ ﴿۴۳﴾ فَلَا تَضْرِبُوا لِلَّهِ الْأَمْثَالَ إِنَّ اللَّهَ

اور نہ وہ طاقت رکھتے ہیں پس نہ بیان کر اللہ کی مثالیں تحقیق اللہ

يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿۴۴﴾ ضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا عَبْدًا

جانتا ہے اور تم نہیں جانتے بیان کرتا ہے اللہ مثال ایک غلام محمد کی

مَمْلُوكًا لَا يَقْدِرُ عَلَى شَيْءٍ وَمَنْ رَزَقْنَاهُ مِنَّا رِزْقًا

جو نہ قدرت رکھتا ہر کسی شے پر اور دوسرا جس کو ہم نے رزق دیا

فرمایا تھا کہ میں مومنوں کا یسوب ہوں۔

اذل العمر ^{۱۲۵} حضرت امیر علیہ السلام سے پچتر سال کی عمر سے بڑھا ازل العمر منقول ہے کہ انسان کی حالت بچپن کی طرف عود کر آتی ہے اور اس کا علم نسیان کے گوشوں میں چلا جاتا ہے۔

واللہ فصل ^{۱۲۵} خداوند کریم نے شرک کرنے والوں کی تفہیم میں ہر قابل قبول طریق رکوع نمبر ۱۶ دعوت توحید کا نزل الانذار تبلیغ کو استعمال فرمایا ہے۔ پچھلے رکوع میں نعمات کا تذکرہ اسی سلسلہ کی اہم

کڑی تھی اس جگہ ایک مثال کے طور پر واضح فرماتا ہے کہ دیکھو خدا نے تم سب کو رزق عطا فرمایا آقاؤں اور غلاموں سب کا رزق تو اللہ ہے پس وہ آقا جن کو اللہ نے رزق زیادہ عطا فرمایا ہے۔ کیا وہ اپنے رزق سے کچھ حصہ اپنے غلاموں کو عطا کریں گے؟ تو جب اللہ کے عطا کردہ رزق میں تم اپنے غلاموں کو شریک کرنے پر تیار نہیں ہو تو اللہ کے مالک و سلطنت میں تم اللہ کے بندوں کو کیسے شریک کرتے ہو؟ اور یہ بھی معنی ہو سکتا ہے کہ زیادہ رزق والے کم رزق والوں کے رازق نہیں ہیں بلکہ وہ اللہ کے رزق سے ہی ان کی تربیت کرتے ہیں سب کے سب رزق اللہ کا ہی کھاتے ہیں۔

واللہ جعل ^{۱۲۶} پھر نعمات کا تذکرہ دعوت توحید کا پیش خیمہ ہے۔

حَفْدَةَ جمع حافر کی ہے اس کا معنی ہے جلدی کام کر نیا لے اور اس سے نوکر و غلام مراد لئے جاتے ہیں اور اس جگہ اس کا معنی

حَنَانَهُمْ يُنْفِقُ مِنْهُ سِرًّا وَجَهْرًا هَلْ يُسْتَوْنَ ط الْحَمْدُ لِلَّهِ ط

رزق اچھا پس وہ خرچ کرتا ہے اس سے ظاہر و پوشیدہ کیا یہ دونو برابر ہیں الحمد للہ

بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۴۵﴾ وَضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا رَجُلَيْنِ

بلکہ اکثر لوگ نہیں جانتے اور بیان کی اللہ نے مثال دو آدمی ہوں

أَحَدُهُمَا بَنِيكَ لَا يَقْدِرُ عَلَى شَيْءٍ وَهُوَ كَلٌّ عَلَى مَوْلَاهُ أَيْنَمَا

ان میں سے ایک گونگا ہو جو بولنے کی قدرت نہ رکھتا ہو کچھ بھی اور وہ اپنے زبانی پر بوجھ ہو اسے جس طرف

يُوجِبُهُ لَا يَاتِ بِخَيْرٍ هَلْ يُسْتَوَىٰ هُوَ وَمَنْ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ

بھیجے نہ پلٹے بھلائی کے ساتھ کیا وہ برابر ہے اس کے ساتھ جو عدل کا حکم دے

نواسے منقول ہے۔

وَيُعْبَدُونَ ﴿۴۶﴾ مشرکین کو تنبیہ فرماتا ہے کہ یہ لوگ عبادت کرتے ہیں انکی چاہنے رزق کے بھی خود مالک نہیں اور نہ وہ بذات خود کسی چیز کی قدرت رکھتے ہیں بلکہ سب کچھ اللہ کا ہی عطیہ ہے پس ان کو اللہ کا مشابہ نہ بناؤ اور نہ ان کی پوجا کرو بلکہ ان کو اللہ کا محتاج سمجھو اور تمام مخلوق کا حاجت روا صرف اللہ ہی کو جانو۔

ضَرْبَ اللَّهِ ﴿۴۷﴾ دعوت توحید کی دوسری مثال بیان فرماتا ہے کہ ایک عبد مملوک جو کسی چیز پر قدرت نہیں رکھتا کیونکہ وہ کسی شئی کا مالک نہیں ہے۔ اور دوسرا وہ انسان جو آزاد ہے اور اس کو اللہ نے رزق عطا فرمایا ہے وہ ظاہر و پوشیدہ خرچ کرنے کا مجاز ہے کیا یہ دونو برابر ہو سکتے ہیں تو جب اللہ کی مخلوق میں سے آزاد و غلام برابر نہیں تو مخلوق کا کوئی فرد اللہ کے برابر کیسے ہو سکتا ہے اس کے بعد فرماتا ہے کہ حمد و ثنا کا سزاوار اللہ واحد ہے اور جو لوگ غرور و فکر کرتے ہیں وہ یقیناً مغریت پروردگار سے اپنے دامن کو پُر کر لیتے ہیں۔ لیکن اکثریت جاہلوں کی ہوتی ہے۔

رَجُلَيْنِ یزید و وضاحت کے لئے پھر ایک مثال بیان فرمائی کہ دو شخص ہوں ان میں سے ایک گونگا ہو جو بولنے کی طاقت نہ رکھتا ہو یہاں شے سے مراد گویائی ہے اور اپنے آقا و مربی پر اس کا وجود بوجھ ہو کسی طرف سے وہ بھلائی کے ساتھ نہ پلٹتا ہو کیا وہ ایسے شخص کے برابر ہو سکتا ہے جو عالم اور دانا بنیاد ہونے کے بعد لوگوں کو انصاف کا حکم دیتا ہو پس جب مخلوق میں ایک عاجز بے علم اور دوسرا قادر و عالم برابر نہیں تو وہ اللہ جو علیم و حکیم اور علی کل شئی قدیر ہے اس کے برابر اس کی مخلوق کیسے ہو سکتی ہے جو ہر آن و لمحہ قدرت و علم و حمد و صفات میں اس کی محتاج ہیں ؟

وَهُوَ عَلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ﴿۷۶﴾ ۷۶ وَلِلَّهِ غَيْبُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ

اور وہ ٹھیک ٹھیک راستے پر ہو اور اللہ کے لئے ہی ہے آسمانوں اور زمین کا غیب

وَمَا أَمْرُ السَّاعَةِ إِلَّا كَلِمَةٍ بَصِيرَةٍ أَوْ هُوَ أَقْرَبُ إِنَّ اللَّهَ عَلَى

اور نہیں معاملہ قیامت کا مگر ایک جھپٹنے کے برابر یا اس سے بھی قریب تر تحقیق اللہ ہر شے پر

كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۷۷﴾ ۷۷ وَاللَّهُ أَخْرَجَكُمْ مِنْ بُطُونِ أُمَّهَاتِكُمْ لَا

تقارر ہے اور اللہ نے نکالا تم کو اپنی ماؤں کے شکموں سے کہ کچھ نہ جانتے

تَعْلَمُونَ شَيْئًا وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَالْأَفْئِدَةَ لَعَلَّكُمْ

تھے اور بناے تمہارے کان اور آنکھیں اور دل تاکہ شکر گزاری

تَشْكُرُونَ ﴿۷۸﴾ ۷۸ الْمَيِّرُ وَاللِّبِّيَّ الْمَسَّخِرَاتِ فِي جَوِّ السَّمَاءِ

کرو کیا نہیں دیکھتے پرندوں کو جو فضائے آسمانی میں مسخر ہیں نہیں روکتا ان کو

اور آیت مجیدہ کا یہ معنی بھی کیا گیا ہے کہ ان مثالوں سے مومن اور کافر کے درجات میں فرق واضح کیا گیا ہے۔

حضرت امیر علیہ السلام فرماتے ہیں وَجَدْتُكَ رَبًّا كَمَا أَرْضَى فَأَجْعَلُنِي عَبْدًا كَمَا تَرْضَى۔ اے اللہ تو میرا وہ رب ہے جس طرح میں چاہتا ہوں۔ پس تو مجھے اپنا وہ عبد بنا جسے تو چاہتا ہے۔

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں كَفَى بِي عِزًّا أَنْ أَكُونَ لَكَ عَبْدًا (اور کما قال) میری عزت کے لئے اتنا کافی ہے کہ میں تیرا عبد ہوں۔ وَكَفَى بِي فَخْرًا أَنْ تَكُونَ لِي رَبًّا اور میرے لئے مقام افتخار ہے اور مجھے بجا ناز ہے کہ تو میرا پروردگار ہے۔ پس جو لوگ حضرت علی علیہ السلام کے بارے میں غلو کر کے ان کو خالق یا رازق یا قسیم الرزق مان کر شرک کرتے ہیں ان کو آپ کی ان فرمائشات سے درس حاصل کر کے اپنے عقائد فاسدہ سے توبہ کر لینی چاہیے۔

تفسیر مجمع البیان میں ہے (یعنی جنوں، انسانوں، فرشتوں، ولیوں اور نبیوں سے جو چیزیں رکوع نمبر ۱ مسئلہ علم غیب غائب ہیں ان سب کا علم اللہ کو ہے) اور اللہ کا علم اس کی عین ذات ہے وہ ہر

شے کو ہر وقت جانتا ہے۔ انبیاء و اولیاء صرف اسی قدر علم رکھتے ہیں جس قدر وہ ان کو عطا فرمائے۔ پس بہت سی ایسی چیزیں کا علم رکھتے ہیں جو ہمارے علمات سے غائب ہوتی ہیں اور ہمارے علماء بہت سی ایسی باتیں جانتے ہیں جو عوام سے غائب ہوتی ہیں۔ پس جس طرح علماء کا علم آئمہ و انبیاء سے حاصل کردہ ہے لہذا اس کو علم الغیب نہیں کہا جاسکتا

مَا يُمْسِكُهُنَّ إِلَّا اللَّهُ ط إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ﴿٤٩﴾

مگر اللہ تحقیق اس میں نشانیاں ہیں ایمان لانے والے لوگوں کے لئے

وَاللَّهُ جَعَلَ لَكُمْ مِنْ بُيُوتِكُمْ سَكَنًا وَجَعَلَ لَكُمْ مِنْ جُلُودِ

اور اللہ نے پیدا کئے تمہارے لئے گھر رہائش کے لئے اور پیدا کئے تمہارے حیوانوں کے

الْأَنْعَامِ بِيُوتٍ تَسْتَخِفُّونَهَا يَوْمَ ظَعْنِكُمْ وَيَوْمَ إِقَامَتِكُمْ وَ

چمڑوں سے گھر جن کو تم ہکا پاتے ہو کوچ کے دن اور قیام کے دن اور ان کی

مِنْ أَصْوَافِهَا وَأَوْبَارِهَا وَأَشْعَارِهَا أَثَاثًا وَمَتَاعًا إِلَى

پشم اور اون اور بالوں سے لباس اور سامان ایک وقت تک کے لئے

حِينَ ﴿٥٠﴾ وَاللَّهُ جَعَلَ لَكُمْ مِمَّا خَلَقَ ظِلَالًا وَجَعَلَ لَكُمْ

رہائشیں اور اللہ نے پیدا کئے تمہارے لئے من جملہ دیگر مخلوق کے سائے اور پیدا کئے تمہارے

مِّنَ الْجِبَالِ أَكْنَانًا وَجَعَلَ لَكُمْ سَرَابِيلَ تَقِيكُمُ الْحَرَّ وَ

لئے پہاڑوں سے غاریں اور پیدا کیں تمہارے لئے قمیصیں جو تم کو گرمی سے بچاتی ہیں اور

اسی طرح انبیاء و ائمہ کا علم اللہ سے مستفاد ہے لہذا وہ بھی علم الغیب نہیں کہا جاسکتا۔

واللہ اخذ حکمکم یعنی اس نے کتم خدم سے منصب وجود پر تم کو ظاہر کیا اور نہ جاننے کے بعد تمہیں علم دیا سننے کے لیے

کان دیکھنے کو آنکھیں اور سوچنے سمجھنے کے لیے دل عطا کیا تاکہ غور و فکر کر کے اس کی معرفت حاصل کرو اور اس کا شکر ادا کرو

مُسَخَّرَاتٍ ص ۲۳ یعنی پرندوں کو پیدا ہی اس لئے کیا ہے کہ وہ فضا آسمانی میں پرواز کریں۔

مایمسکھن یعنی ہوا میں ان کو روکنے والا یعنی گرنے سے بچانے والا اللہ ہی ہے جس طرح تیرنے والوں کو

ڈوبنے سے بچاتا ہے کیونکہ ہوا پانی سب اس کے مطیع ہیں۔

من بیوتکم۔ رہائش کے لئے گھر اس نے دیئے اور چوپائوں کے چمڑوں کے ٹکے پھلکے گھر بھی عطا کئے تاکہ مقیم کے

لئے پکا گھر اور مسافر کے لئے سفری گھر رہن سہن کے لئے آسانی کا باعث ہو۔

أَصْوَافِهَا۔ بھیڑوں اور دنبوں کی اون کو کہتے ہیں۔

سَرَابِلٌ تَقِيكُمْ بِأَسْمِكُمْ كَذَلِكَ يَتِمُّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ

اور تمہیں جو کہ لڑائی میں لگ جاتی ہیں اسی طرح پوری کرتا ہے اپنی نعمت تم پر تاکہ تم اس کے سامنے

تُسَلِّمُونَ ﴿۸۱﴾ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلْعُ الْمُبِينُ ﴿۸۲﴾ يَعْرِفُونَ

بھک جاؤ پس اگر پھر جائیں تو تیرے اوپر من تبلیغ کرنا ہے لگ اللہ کی

نِعْمَتِ اللَّهِ تَمَيَّنُّوْا وَنَهَاوْا كَثْرَهُمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۸۳﴾ وَ

نعمت کو پہچان کر انکار کرتے ہیں اور اکثر ان کے کفران کرتے ہیں اور

يَوْمَ نَبْعَثُ مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ شَهِيدًا ثَمَّ لَا يُؤْذِنُ لِلَّذِينَ كَفَرُوا

جس دن ہم اٹھائیں گے ہر امت سے گواہ پھر نہ سنی جائے گی بات ان کی جو کافر تھے

اوجھا رہا۔ یہ اونٹ کی اون کو کہا جاتا ہے۔ اشعارِ ہا۔ اس کا بکریوں کے بالوں پر اطلاق ہوتا ہے۔ اثاث سے مراد لباس و بستے وغیرہ ہیں۔ اور متلع سے تجارتی نقطہ نگاہ مقصود ہے۔ الیٰ حیثی۔ تاحین حیات یا اس وقت تک جب تک اللہ چاہے کیونکہ رزق کی عطا اور اس کی بقا اللہ کے ہی ہاتھ میں ہے۔ ظللاد ایسے اجسام پیدا کئے جو گرمیوں میں تم کو سایہ دیتے ہیں جیسے درخت پہاڑ وغیرہ۔ اگنانا پہاڑ کی غاریں اور ان کے دامن انسانوں کی رہائش کے مقصد کو پورا کرتی ہیں۔ تَقِيكُمْ الْخَوْفَ چونکہ عرب میں گرمی زیادہ ہوتی ہے۔ لہذا لباس کو گرمی کا محافظ ہونا ظاہر فرمایا اور ضمناً سردیوں کا بچاؤ بھی معلوم ہو جاتا ہے

بِأَسْمِكُمْ۔ اس لباس سے مراد لوہے سے تیار کردہ زرہیں ہیں جو جنگ میں پہنی جاتی ہیں۔ لَعَلَّكُمْ تَسَلِّمُونَ ان تمام نعمت کو گننے کے بعد پھر ایک دفعہ دعوت دے دی کہ ان کو پہچاننا اور اللہ کی معرفت حاصل کر کے اس کے سامنے بھک جاؤ اور کفر و انکار سے باز آ جاؤ اور شرافت انسانیہ کا تقاضا یہی ہے کہ محسن کے احسان کے سامنے بھک جائے۔ يَكْفُرُونَ نِعْمَةَ اللَّهِ اس کا عمومی مقصد یہ ہے کہ ہر نعمت پروردگار کی قدر اس کے شکر سے کی جائے اور چونکہ تمام نعمت میں سے نعمت نبوت و ولایت اہم نعمتیں ہیں لہذا ان کی قدر دانی ہر غیرت مند انسان کا فریضہ ہے اور تفسیر برہان میں آئمہ سے مروی ہے کہ یہ ان لوگوں کی سرزنش ہے جنہوں نے حضرت رسالت مآب سے ولایت علی کا اعلان سنا اور پھر جان بوجھ کر اسکا انکار کر گئے۔

رُكُوْعٌ نَّبْرٌ اِقِيَامَتِ كَعِ وِن اَمَّه كَا گواہ ہونا۔ كَلِمَةُ نَبْعَثُ۔ یعنی بروز محشر ہر امت کے اعمال پر امتوں کے

وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُونَ ﴿۸۴﴾ وَإِذَا رَأَى الَّذِينَ ظَلَمُوا الْعَذَابَ فَلَا

اور نہ ان کو معافی مانگنے کا موقع دیا جائے گا اور جب دیکھیں گے ظالم عذاب کو پس نہ کم کیا

يَخْفَفُ عَنْهُمْ وَلَا هُمْ يُنظَرُونَ ﴿۸۵﴾ وَإِذَا رَأَى الَّذِينَ

جائے گا ان سے اور نہ ان کو ہلکت دی جائے گی اور جب دیکھیں گے جنہوں نے شرک

أَشْرَكَوا شُرَكَاءَهُمْ قَالُوا رَبَّنَا هُوَ لَا يَشْرِكُاؤُنَا الَّذِينَ

کیا اپنے شرکاء کو تو کہیں گے اے رب یہ ہمارے شرکاء ہیں جن کو ہم تیرے سوا

انبیاء بطور گواہ حاضر کے بجائیں گے اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ ہر زمانہ کی امت کے ساتھ اس زمانہ کا امام بطور گواہ پیش ہوگا۔ بعض لوگ جہلاء کی سادگی سے فائدہ اٹھا کر شہید کے لفظ سے آئمہ کا حاضر و ناظر ہونا ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں حالانکہ یہ محض دھوکہ اور فریب ہے کیونکہ ہر وقت ہر جگہ ہر شے پر حاضر و ناظر صرف ذات پروردگار ہے اور اس میں اس کا کوئی شریک نہیں۔ البتہ اس کی قدرت میں ہے کہ وہ آئمہ کو یا انبیاء کو متعدد مقامات پر ایک وقت میں یا متعدد اوقات میں بھیج دے کیونکہ اگر وہ ملک الموت کو ایک ہی وقت میں متعدد مقامات پر قبض ارواح کے لئے بھیج سکتا ہے تو وہ آئمہ کو بھی یہ طاقت دے سکتا ہے اور ملک الموت کے متعلق تو ثابت ہے کہ خدا نے قبض ارواح کی خاطر اس کو بیک وقت متعدد مقامات پر حاضر ہونے کی طاقت دے رکھی ہے لیکن آئمہ یا انبیاء کے متعلق یہ بات ثابت نہیں ہے بلکہ یہ ثابت ہے کہ وہ ایک جگہ جب ہوتے تھے تو دوسری جگہ ان سے خالی ہوتی تھی لہذا ان کو وہاں بلانا پڑتا تھا اور ان کو چل کر وہاں پہنچنا پڑتا تھا پس ان کا حکم ان کا دین ان کی فرمائشات اور ان کی دلائل ہر مومن کے دل میں حاضر ہے وہ اگر ایک پل دل سے الگ ہو تو ایمان جاننا ہوتا ہے اس معنی کے لحاظ سے بے شک وہ حاضر و ناظر ہیں اور محشر کی شہادت کا مقصد یہ ہے کہ وہ پروردگار کے حضور میں اپنی تبلیغی مساعی کی رپورٹ پیش کریں گے کہ ہم نے ان لوگوں تک اصول فریب اور احکام دین پہنچا دیئے تھے اور ان کو اچھی طرح سمجھا دیئے تھے پس وہ عذر کو قطع کر دیں گے اسی بنا پر تو آیت مجیدہ میں صاف اعلان ہے کہ انکار کرنے والوں اور غلط کاروں کو بولنے کی اجازت نہ ہوگی یا یہ کہ ان کی کوئی گزارش نہ سنی جائے گی جس طرح کہا جاتا ہے اذیت لندا میں نے اس کی بات سنی اور نہ ان کو اپیل معافی کا موقع دیا جائے گا کہ وہ عذر پیش کر کے معافی حاصل کر لیں استغاب کا معنی ہے معافی مانگنے کا موقع دینا۔ اس جگہ یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب اللہ کو معلوم ہے تو وہ آئمہ سے گواہی کس لئے لے گا تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ شہادت اثبات مطلب کے لئے نہیں ہے بلکہ لوگوں کو بدکاروں سے روکنے

كُنَّا نَدْعُوا مِنْ دُونِكَ ۚ فَالْقَوْلَ إِلَيْهِمُ الْقَوْلَ إِنَّا كُنَّا

پکارتے تھے ہیں بقدرتِ خدا وہ ان کو جواب دیں گے کہ تم جھوٹ

لَكَذِبُونَ ﴿٨٦﴾ وَالْقَوْلَ إِلَى اللَّهِ يَوْمَئِذٍ السَّلَامَ وَضَلَّ عَنْهُمْ

کتبہ بہر اور پیش کریں گے اللہ کی طرف اس دن اپنی اطاعت اور باطل ہو جائے گی

مَا كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿٨٧﴾ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَنْ سَبِيلِ

وہ بات جس کا افترا باندھتے تھے وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اور روکا اللہ کے راستے سے ان کے

اللَّهُ زِدْهُمْ عَذَابًا فَوْقَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوا يُفْسِدُونَ ﴿٨٨﴾

عذاب کے اوپر دوسرا عذاب بڑھائیں گے بوجہ اس کے کہ وہ تھے فساد کرتے

وَيَوْمَ نَبْعَثُ فِي كُلِّ أُمَّةٍ شَهِيدًا عَلَيْهِمْ مِنْ أَنْفُسِهِمْ وَجُنَابِكِ شَهِيدًا عَلٰى هَؤُلَاءِ وَنَزَّلْنَا

اور جس دن اٹھائیں گے ہم ہر امت سے گواہ ان کے اوپر اپنے نفسوں سے اور لائیں گے تجھ کو گواہ اپنے

کایہ ایک بہانہ ہے کیونکہ جب پتہ ہو کہ بروز محشر مخلوقِ خدا کے سامنے میرے گناہ کھلیں گے اور مجمع عام میں رسوا ہوگی اور آرم کی شہادت بھی ہوگی تو ایسی صورت میں ارتکابِ معاصی سے شرم کرنے لگا۔

شہد کا شہدہ اس جگہ شہاد سے وہ اشخاص مراد ہیں جن کو مشرک لوگ خدا کا خدائی میں شریک مانتے تھے۔

فَالْقَوْلَ الْقَارِءُ كَمَا مَعْنَى هُوَ اَلنَّاسُ اَوْ كَسَى تَك بَات پینچانی ہو تو القاس سے تعبیر کرتے ہیں اور کسی سے حاصل کرنی ہو تو

تلقی سے تعبیر کیا جاتا ہے جیسے فَتَلْقَى اَدَمَ اِنْ اِنْ كَوِيَارِ بَرُوزِ مَحْشَرٍ مَشْرِكِيْنَ كُو اِنِے شَرِكَاةٍ نَقْدِ جَوَابِ دِيَسِ كِے كَم جھوٹے ہوا اور

مشرکین اللہ کے سامنے اپنی فرمانبرداری پیش کریں گے۔ یعنی نخوت، تکبر اور غرور سب ختم ہو جائیں گے پس عاجزی کو پیش کریں گے

ضَلَّ عَنْهُمْ هُذُرٌ اِنْ كُو جُو دُنِيَا مِيْسِ يِهْ وِہِم وِخِيَالِ تَحَا كِهْمَا رِے خُدَا ہِم كُو عَذَابِ سِے چھڑالیں گے وہ سب باطل ہو جائیں گے

کیونکہ یہ ان کا افترا تھا۔ فَوْقَ الْعَذَابِ۔ عذابِ نار کے ساتھ چھوڑوں اور سانپوں وغیرہ کا عذاب ان پر بڑھا دیا جائے۔

شہیدینا۔ حدیث میں ہے کہ آدمہ خلق پر شہید ہوں گے اور رسولِ آدمہ پر شہید ہوگا اور یہ ان کے نفسوں سے ہوں گے

یعنی ان کے ہم جنس بشر ہی ہوں گے اور یہ بھی مروی ہے کہ نیک مومن بھی گواہی دیں گے۔

نَزَّلْنَا ص۔ یعنی ہم نے تجھے کتاب دی جس میں ہر مسئلہ ضروریہ شرعیہ کا واضح بیان موجود ہے یعنی قیامت تک

کے پیش آمدہ ضروری مسائل شرعیہ کا حل قرآن مجید میں موجود ہے خواہ نص و ظاہر کے لحاظ سے قرآن میں ہر یا اشارہ

عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً

اور پر اور ہم نے اتاری تجھ پر کتاب جو واضح بیان ہے ہر شے کا اور ہدایت اور رحمت اور

وَلَبِشْرَىٰ لِلْمُسْلِمِينَ ﴿١٩﴾ إِنَّ اللَّهَ بِأَمْرٍ بِالْعَدْلِ

خوشخبری ہے مسلمانوں کے لئے تحقیق اللہ امر کرتا ہے انصاف

کے ذریعے سے کیونکہ فرمان رسالت اور فرمان امام بحکم قرآن کتاب کا فرمان ہے کیونکہ آیہ اطاعت و ولایت ہی اسکا مرجع ہے۔ قرآن مجید کے متعلق تیبیاناً لکل شئی کا ارشاد ہے یعنی ہر امر ضروری کی وضاحت نصاً یا ظاہراً یا حکماً اس میں موجود ہے اور قرآن چونکہ تمام کتب سماویہ کی جامع اور ان کے علوم پر حاوی کتاب ہے لہذا اس کے عالم انبیاء سابقین سے افضل ہوں گے اور چونکہ آئمہ طاہرین علیہم السلام علم قرآن میں حضرت رسالت مآب کے صحیح وارث تھے لہذا وہ باقی تمام انبیاء سے افضل ہیں چنانچہ اس سلسلہ میں آئمہ سے متعدد احادیث وارد ہیں۔ تفسیر برہان میں ایک حدیث کے ذیل میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ حضرت موسیٰ کے متعلق خدا فرماتا ہے کَتَبْنَا لَكَ فِي الْأَنْبِيَاءِ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ۔ اور من تبعیض کے معنی میں ہوتا ہے یعنی الواح میں موسیٰ کے لئے ہم نے ہر شے میں سے کچھ لکھا تھا تو اس سے معلوم ہوا کہ سب کچھ اس میں نہ تھا بلکہ کچھ تھا لیکن قرآن مجید کے متعلق صراحت سے فرمایا کہ اس میں سب کچھ کی وضاحت ہے تو قرآن کا عالم تورات کے عالم سے افضل ہو گا۔ بنا بریں حضرت علیؑ ان سے افضل ہیں۔ یہ بیان آپ نے ایک سائل کے جواب میں فرمایا تھا کہ موسیٰ و عیسیٰ افضل ہیں یا علیؑ؟

امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ حضرت موسیٰ نے عالم سے ایک سوال کیا تھا جس کا ان کے پاس جواب نہ تھا اگر میں ان کے پاس موجود ہوتا تو میں ان دونوں کو اپنے اپنے مسئلہ کا جواب دے دیتا اور میں ایسا مسئلہ ان سے پوچھتا کہ وہ جواب نہ دے سکتے۔ حضرت موسیٰ اور خضر کے قصہ کی تفصیل اگلی جلد میں آئے گی۔ ان شاء اللہ

نیز بروایت سدید آپ سے مروی ہے کہ جب حضرت موسیٰ اور عالم کی ملاقات ہوئی اور باہمی گفتگو کا سلسلہ جاری ہوا تو موسیٰ نے ایک پرندہ کو دیکھا جسے خطاف عربی میں کہتے ہیں اور وہ تیر کی قسم سے ہے کہ وہ پرندہ سیٹی بجاتا اور آسمان کی طرف پرواز کرتا تھا پھر دریا میں غوطہ زن ہو جاتا تھا تو عالم نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا کیا آپ کو معلوم ہے کہ یہ پرندہ کیا کہتا ہے؟ حضرت موسیٰ نے نفی میں جواب دیا پس عالم نے جواب دیا یہ کہتا ہے کہ آسمان وزمین کے رب کی قسم تم دونوں کا علم اللہ کے مقابلہ میں ایسا ہے جس طرح میری چونچ کا قطرہ دریا کے مقابلہ میں، پس حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا اگر میں ان دونوں کے پاس ہوتا تو ان سے ایسا مسئلہ دریافت کرتا جس کا جواب دونوں کے پاس نہ ہو سکتا۔

امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپ نے اپنی مخصوص جماعت کے زمرہ میں ارشاد فرمایا مجھے

رب کعبہ کی قسم دین بار اگر میں موسیٰ اور خضر کے درمیان ہوتا تو دونوں پر ثابت کرتا کہ میں ان سے اعلم ہوں اور ان کو ایسی باتیں بتاتا جن سے وہ بے علم ہوتے اور کلینی کی روایات میں ہے آپ نے فرمایا کہ موسیٰ اور خضر کو ماکان کا علم تھا اور ان کے پاس مایکون کا علم نہیں تھا یعنی وہ ماضی کا علم رکھتے تھے لیکن مستقبل کا علم ان کے پاس نہ تھا۔ تا قیامت اور ہم نے دراثہ بنی علیہ السلام سے وہ علم حاصل کیا ہے لیکن یہ یاد رکھئے کہ ان کا علم جتنا بھی وسیع تھا وہ سب حضرت رسالت مآب کے ذریعے سے علم مستفاد تھا اور حضرت رسالت مآب کا علم خدا سے مستفاد تھا اور جو علم غیب اللہ کے ساتھ مختص ہے وہ علم ذاتی ہے نہ کہ مستفاد۔

تفسیر برہان میں ایک مرسلمہ روایت درج ہے کہ جب حضرت موسیٰ اور حضرت خضر علیہما السلام کے درمیان کشتی غلام اور دیوار وغیرہ کے بارے میں تلخ کلامی ہوئی اور اس کے بعد حضرت موسیٰ واپس گھریٹ کر آگئے تو ہارون نے دریافت کیا کہ آپ خضر سے کیا کچھ سیکھ آئے ہیں؟ حضرت موسیٰ نے جواب دیا وہ ایسی باتیں تھیں جن سے بے علمی نقصان دہ نہیں ہوتی ہاں ایک اُس سے بھی عجیب و غریب واقعہ ہمیں پیش آیا تھا پس ہارون نے پوچھا کہ وہ کیا تھا؟ تو آپ نے فرمایا جب ہم دونوں دریا کے کنارے سفر کر رہے تو ایک دفعہ ہم وہاں گھڑے ہو گئے اور دیکھا کہ خطاف کی شکل کا ایک پرندہ دریا کے کنارے اُترا اور اُس نے اپنی چونچ میں پانی لے کر اسے مشرق کی طرف پھینکا پھر دوبارہ مغرب کی طرف پھینکا پھر تیسری مرتبہ آسمان کی طرف اور چوتھی دفعہ زمین پر گر دیا اس کے بعد پانچویں دفعہ پانی لے کر دریا میں ڈال دیا اس کے بعد پھر پھرتا ہوا تھا میں پرواز کر کے چلا گیا ہم دونوں حیران تھے کہ اس پرندے نے ایسا کیوں کیا اور اس کی غرض کیا تھی؟ اسی اثنا میں بشکل آدمی اللہ کی جانب سے ایک فرشتہ آیا اور ہم سے پوچھنے لگا کہ آپ اس جگہ حیران کیوں گھڑے ہیں؟ ہم نے اس پرندے کی داستان سنائی اور اپنی حیرت کی وجہ بیان کی وہ کہنے لگا کہ تمہیں خبر نہیں کہ وہ کیا کہہ گیا ہے؟ ہم نے کہا کہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے ہمیں کچھ پتہ نہیں۔ تو وہ کہنے لگا اس پرندے کا مقصد یہ تھا کہ مجھے اللہ کی قسم جس نے مشرق کو مشرق بنایا۔ مغرب کو مغرب بنایا۔ آسمان کا شامیانہ بنا اور زمین کا فرش بچھایا۔ وہ آخری زمانہ میں ایک بنی مبعوث فرمائے گا جس کا نام محمد ہوگا اور اس کا ایک وصی ہوگا جس کا نام علی ہوگا اور تم دونوں کا علم اس کے علم کے مقابلہ میں اس طرح ہے جس طرح یہ قطرہ آب بھرے سمندر کے مقابلہ میں ہے۔

رکوع نمبر ۱۹ درس اخلاق
 اِنَّ اللّٰهَ - آیت مجیدہ میں خداوند کریم نے عدل احسان اور صلہ رحمی کا حکم دیا ہے اور زنا بد کاری اور ظلم سے منع فرمایا ہے۔ اور یہی چیزیں اخلاق کریمانہ کے بنیادی اصول و دستور ہیں اور علم الاخلاق کے جملہ فروعی مسائل کی بازگشت انہی تین اصولوں کی طرف ہوا کرتی ہے۔ پس یہی انسانی بلند کردار کا محور و مرکز ہیں۔ عدل کے تین مقام ہیں (۱) اللہ کے حقوق میں عدل (۲) اپنے

وَالْإِحْسَانَ وَإِيتَائِي ذِي الْقُرْبَىٰ وَيَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ

احسان اور قریبوں کو دینے کا اور روکتا ہے بدکاری اور حکم اور ظلم اور تم کو

وَالْبَغْيَ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ﴿٩٠﴾ وَأَوْفُوا بِعَهْدِ اللَّهِ

نصیحت کرتا ہے تاکہ تم نصیحت حاصل کرو اور وفا کرو اللہ کے (ساتھ کئے ہوئے) عہد

نفس کے حقوق میں عدل رس معاشرہ کے حقوق میں عدل۔ پس حقوق اللہ میں عدل یہ ہے کہ اس کے اوامر کو بجالائے اور اس کی منع کردہ چیزوں سے بچے اور اسی کا نام ہے تقویٰ۔ پس مخلوق کا اپنے خالق کے حقوق میں عدل تقویٰ ہے اور اس کے کم و بیش ادنیٰ و اعلیٰ مراتب ہیں اور حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام تمام متقیوں کے امام و پیش رو ہیں جناب رسالت آپ کے بعد اس مقام عدل میں ان سے کوئی نہیں بڑھ سکا اور اپنے نفس کے حقوق میں عدل یہ ہے کہ اپنے نفس کو ہر بد عادت سے بچائے اور ہر نیک عادت کی طرف اس کو آگے بڑھائے۔ پس نفس کو حیوانی پستی سے بلند کر کے اوج شرف انسانی سے ہمکنار کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑے اور حقوق معاشرہ میں عدل یہ ہے کہ معاشرہ کے تمام شعبوں میں شرعی نقطہ نگاہ کو ملحوظ رکھے۔ مثلاً عورت و مرد کے حقوق اولاد و والدین کے حقوق اقا و غلام کے حقوق، سلطان و رعایا کے حقوق اور مالک کے حقوق بائع و مشتری کے حقوق، ہمسایوں کے حقوق، علماء کے حقوق، مساجد کے حقوق اور استاد کے حقوق وغیرہ اور ان کلیات کو شمار میں لانا بھی کافی مشکل ہے چہ جائیکہ ان کی جملہ جزئیات پر سیر حاصل تبصرہ کیا جائے۔ بہر کیف ان تمام شعبہ جات میں عدل گتتری انسان کی بلندی کردار کی ضمانت ہے اور ہم نے عدل کی قدرے مفصل بحث اپنی کتاب لسنۃ الانوار فی عقائد الابرار میں کر دی ہے عدل و انصاف کے اصولوں کو سمجھنے اور اپنانے والوں کے لیے اس کتاب کا مطالعہ نہایت فائدہ مند ہوگا۔

بیان پروردگار کی سلاست اور اس کی پرکشش روش کو ملاحظہ فرمائیے کہ پہلے عدل پھر احسان پھر صلہ رحمی کو ترتیب دیا۔ نکتہ سنج اور ذہن رساطبا لائح اس طرز بیان کی جا فہمیت اور خفائق کی ترجمانی میں اس کی پُر از حکمت و تدبیر نگارش کو دیکھ کر کیوں نہ مسحور ہوں جب کہ مکہ کے بدترین دشمنان پیغمبر بھی سوائے عناد و سرکشی کے اس کے انکار کا اور کوئی بہانہ نہ پیش کر سکے۔ دیکھتے عدل کا معنی مساوات کو ظاہر کرتا ہے یعنی جس قدر حق ہے اس کو پورا کیا جائے۔ پس حقوق اللہ حقوق النفس اور حقوق العباد میں صرف واجب کی پوری پوری رعایت سے عدل کا تقاضا پورا ہو سکتا ہے۔ اور یہی تقویٰ کی پہلی منزل ہے۔ پس اس کے بعد احسان کا حکم دیا جو ادنیٰ درجہ سے اعلیٰ درجہ کی طرف ترقی کا ذمہ ہے گویا واجب کا ادا کرنا ہے۔ عدل اور اس سے بڑھ کر مشہاب کو عمل میں لانا ہے احسان مثلاً مشتری کو پورا قول کر دینا عدل ہے اور زیادہ دینا احسان ہے اور جملہ حقوق کی یہی حالت ہے اسی بنا

پر قرآن مجید میں ایک مقام پر تقویٰ کے اوپر احسان کا عطف ہے۔ اتَّقُوا وَاِحْسِنُوا۔ اور پھر فرمایا کہ خدا احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ اور عمومی احسان سے صلہ رحمی کرتے ہوئے اپنے اقارب پر احسان کرنا چونکہ زیادہ اہم ہے لہذا اس کو بعد میں ذکر فرمایا اور یہی حسن کردار کی آخری منزل ہے۔ اور رسول کی صلہ رحمی ہر مسلمان کا چونکہ اہم فریضہ ہے لہذا ذی القربیٰ سے مراد آل محمد تاویل کے طور پر اس کے اہم فرد ہیں اور حضرت صادق آل محمد سے منقول ہے کہ آیت مجیدہ میں ذی القربیٰ سے مراد ہم ہیں۔ چونکہ کردار انسانی کا حسن نفی و اثبات کے دونوں پہلوؤں کے اندر ہے گویا اوصاف ناشائستہ کی نفی اور اوصاف شائستہ کا اثبات جب تک نہ ہو کر دار میں بلندی آہی نہیں سکتی۔ عاداتِ رذیلہ کی نفی کو تخلیہ کہتے ہیں اور خصائلِ حمیدہ کے اثبات کو تخلیہ کہا جاتا ہے۔ تو جس طرح تخلیہ میں عدل و انصاف اور صلہ رحمی کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ اسی طرح تخلیہ میں فحشاء و منکر اور بغی کو بھی جملہ صفاتِ بد میں مرکزی مقام حاصل ہے اور جس کی سعادت نے یاوری کی اور توفیقِ ایزدی شامل ہوئی پس ان تینوں سے بچ نکلا اور سعادت کے کندھوں پر سوار ہو کر اوج انسانیت کے زینوں پر منازل ارتقار کو طے کرنے کے اہل بن گیا۔

جس طرح حسن کردار میں صلہ رحمی کو آخری منزل ارتقار حاصل تھی اسی طرح اس کے مقابلہ میں فحشاء (زنا) کو پستی کردار میں آخری یعنی پست ترین مقام حاصل ہے گویا جس طرح وہ عدل کے تدریجی زینوں سے آخری بلند زینہ تھا اسی طرح یہ بغی (ظلم) کے تدریجی زینوں میں سے آخری پست ترین زینہ ہے وہ حسن اخلاق میں نیک ترین خصلت تھی، اور یہ اخلاق رذیلہ میں سے بدترین عادت ہے۔ جب یہ عادت مقامِ عدل سے کوسوں دور ہے تو مقامِ احسان سے یا بعد والی ارتقائی منزل سے تو اس کا لگاؤ ہی کوئی نہیں۔ پس بدترین حیوانِ عالم انسان ہے وہ آدم زاد جو مقامِ اخلاق میں اس قدر پستی میں گرا ہوا ہو اسی لئے انسان کو بلندی کی طرف دعوت کے لئے پست ترین منزل سے اوپر کو کھینچنا تھا لہذا پہلے فحشاء سے بچنے کا حکم دیا۔ اس کے بعد ہر وہ عادت رذیلہ جو کردار انسانی کے لئے ناشائستہ ہو اس سے گریز کرنے کا حکم دیا اور اس کو منکر سے تعبیر فرمایا اور سب سے آخر بغی سے روکا جس کا معنی ہے ظلم اور یہ عدل کی ضد ہے پس جس طرح عدل کی تین قسمیں تھیں اسی طرح حقوق کے لحاظ سے ظلم کی بھی تین قسمیں ہوں گی یعنی حقوقِ نفسیہ میں ظلم حقوقِ خالق میں ظلم اور حقوقِ معاشرہ میں ظلم تو جو انسان پستی کی ان منازل سے نکل جائے تو مقامِ تخلیہ میں اس نے اپنے نفس کی خیر خواہی کر لی اب مقامِ تخلیہ میں عدل و احسان کے زیور سے آراستہ ہو کر آگے بڑھنا کوئی مشکل نہ ہوگا۔

مقام بیان میں اگرچہ مقامِ تخلیہ کا ذکر موخر ہے اور تخلیہ مقدم ہے لیکن مقام ارتقار میں معاملہ بالعکس ہوا کرتا ہے۔ یعنی پہلے جسم کی میل کچیل دور ہو تو تب زیورات سے آراستگی کوئی معنی رکھتی ہے ورنہ مضحکہ خیز اسی طرح اوصافِ حمیدہ اپنے اندر جذب کرنے کے لئے عاداتِ رذیلہ سے بچنا پہلے ضروری ہوا کرتا ہے اور مقام بیان میں چونکہ وجود عدم سے اثر ہے لہذا وجودی پہلو کو عدمی پر سبقت دے دی گئی ہے۔ واللہ اعلم

تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ منع کرنے میں ہر سہ صفات بد کو انگ انگ ذکر کیا ہے حالانکہ منکر کے لفظ میں سب آجاتی ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ برائی کی تین صورتیں ہوتی ہیں دا، وہ برائی جو ظاہر نہیں کی جاتی وہ مخشأ ہے (۲) وہ برائی جو ظاہر کی جاتی ہے اور نہی عن المنکر کا فرد بنتی ہے وہ منکر ہے اور وہ برائی جو دوسروں پر برتری کو ظاہر کرے وہ لغی ہے بلحاظاً اور بعضوں نے کہا ہے کہ مخشأ کا معنی زنا اور منکر ہر وہ فعل جس کو شریعت ناجائز کہے اور لغی کا معنی ظلم ہے جس طرح ہماری تقریب سابق میں مفصلاً ذکر ہوا ہے۔ نیز ایک قول یہ ہے کہ ظاہر و باطن کا ایک جیسا ہونا عدل ہے اور باطن کا ظاہر سے خوب تر ہونا احسان ہے اور ظاہر کا باطن سے اچھا ہونا فحشاء و منکر ہے۔

عثمان بن مظعون سے مروی ہے کہ چونکہ حضور مجھے بار بار اسلام لانے کی دعوت دیتے تھے لہذا شرم کے مارے میں مسلمان ہو گیا تھا لیکن دل نہیں مانتا تھا ایک دن میں خدمت نبوی میں موجود تھا کہ آپ نے مکئی ہاندھ کر آسمان کی طرف نظر کی جیسے کہ کوئی بات سمجھ رہے ہوں۔ جب آپ کی وہ حالت ختم ہوئی میں نے وجہ پوچھی تو آپ نے فرمایا میں نے پھر یلی کو دیکھا ہے اور وہ یہ آیت لایا ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ يَامُرُ بِالْخَيْرِ يَنْهَىٰ عَنِ الشَّرِّ هُوَ الَّذِي يُرِيكُمُ الْآيَاتِ لَعَلَّكُمْ تَهْتَكُوْنَ۔ اس نے ابوطالب سے یہ ماجرا بیان کیا تو انہوں نے فرمایا اے قریش! محمد کی اتباع کرو گے تو ہدایت پاؤ گے کیونکہ وہ تم کو مکارم اخلاق کا درس دیتا ہے پھر میں ولید بن مغیرہ کے پاس پہنچا اور وہی ماجرا بیان کیا تو وہ کہنے لگا اگر یہ بات محمد نے کہی ہے تو وہ بھی خوب ہے اور اگر اس کے خدا نے کہی ہے تو بھی خوب ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ نے بے نفس نفیس یہ آیت ولید بن مغیرہ کے سامنے پڑھی تو اس نے کہا دوبارہ پڑھئے۔ پس آپ نے دوبارہ پڑھی تو داد دیئے بغیر نہ رہ سکا اور بے تحاشا اس کے منہ سے نکلا۔ اِنَّ لَهٗ لَعَلٰوَةً وَّاِنَّ عَلَیْہِ لَطٰوٰةٌ وَّاِنَّ اَعْلٰیٰہٗ لَمُشْرِکُوْنَ وَّاِنَّ اَسْفَلَہٗ لَمُخَدِقُوْنَ وَّمَا هُوَ قَوْلُ الْبَشَرِ۔ یعنی تحقیق یہ کلام شیریں اور بیان لکڑی ہے اس کی شاخیں چھلدا اور جڑیں دوردس ہیں اور یہ کسی انسان کا کلام نہیں ہے۔

تفسیر برہان میں آیت مجیدہ کی تاویل یہ ہے کہ عدل سے مراد حضرت رسالت مآب اور احسان سے مراد حضرت امیر المؤمنین اور ایثار ذی القربی اسے مراد مروت اہل بیت اور فحشاء و منکر لغی سے علی الترتیب تین دشمنان اہلبیت ہیں جن سے بیزاری کا حکم دیا گیا ہے۔

دا و نحو بعد اللہ۔ بعض لوگوں نے حضرت رسول کریم کی بیعت کی تھی اور اسلام کے حلقہ بگوش ہو گئے تھے چونکہ مسلمانوں کی تعداد کم تھی تو دوسری قوموں نے ان کو اپنی کثرت و طاقت کے بل بوتے پر ڈرایا دھمکایا اور اسلام کو چھوڑ کر کفر کی طرف پلٹنے کی ترغیب دی۔ چنانچہ انہوں نے اسلام کو چھوڑ کر اہل بیعت نبوی کو توڑ کر کفر کو اختیار کر لیا پس خداوند کریم باقی مسلمانوں کو عہد کی وفا کی تلقین کر رہا ہے کہ اپنی قلت سے گھبرا کر کثرت سے مرعوب ہو جانا جو افروزی نہیں بلکہ تمہارا فریضہ ہے کہ جب تم نے اللہ سے عہد کر لیا اور قسم بھی اٹھالی ہے تو اس کو پورا کرو۔

إِذَا عَمِدْتُمْ وَلَا تَقْضُوا الْإِيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيدِهَا وَقَدْ جَعَلْتُمُ

کی جب عہد کرو اور نہ توڑو تمہوں کو بعد پکا کرنے کے

اللَّهُ عَلَيْكُمْ كَفِيلًا إِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا تَفْعَلُونَ ﴿۶۱﴾ وَلَا تَكُونُوا

بنا چکے ہر تحقیق اللہ جانتا ہے جو تم کرتے ہر اور نہ ہر جاؤ

كَالَّتِي نَقَضَتْ غَزْلًا مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ أَنْكَاثًا تَتَّخِذُونَ إِيْمَانَكُمْ

اس عورت کی طرح جو اڈھیڑ دے اپنے کاتے ہوئے کو بٹنے کے بعد پکا سوت۔ بناتے ہو اپنی قسموں کو

وَلَا تَكُونُوا كَبَيْتِ قُرَيْشٍ فِي إِيمَانِهِمْ كَمَا جَعَلْتُمْ عَمِدًا قَوْلًا لَعَلَّهُمْ كَانُوا مُخْلِصِينَ لَهُمْ مِنْكُمْ وَيَعْلَمُونَ أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا يُعْلَمُونَ ﴿۶۲﴾

اور نہ بنو قریش کی طرح جو ایمان میں ایک بیوقوف عورت تھی جس کا نام ریلہ بنت عمرو بن کعب تھا وہ دو پہر تک سوت کاتی تھی اور پھر اس کو کچا کر کے اون بنا لیتی تھی اور پھر اس کو کاتنے لگ جاتی اور یہی اس کا دستور تھا۔ انکاثا نکث کی جمع ہے اون یا بالوں کو کاتنے اور بٹ دینے کے بعد دوبارہ بٹ نکال کر پہلی صورت پر لانا یعنی پنختہ کرنے کے بعد کچا کرنا خواہ وہ زستہ ہو یا تاگا ہو اس کو نکث کہا جاتا ہے اسی بنا پر امام کی اطاعت کو قبول کرنے اور بطیب خاطر یعنی بلا جبر و اکراہ۔ اس کی بیعت کر لینے کے بعد اس کو توڑ کر اس کے خلاف خروج کرنے کو بھی نکث کہا جاتا ہے۔ چنانچہ جنگ جمل میں علی سے لڑنے والوں کو ناکثین کہا جاتا ہے۔

اس مقام پر اگرچہ ہر عہد خداوندی کو توڑنے پر سزا دلوائی ہے لیکن جس چیز کے متعلق عہد لیا گیا ہو وہ جس قدر اہم ہوگی اس عہد کی منزلت اسی قدر ہی بلند ہوگی اور مسلمانوں نے رسول کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے بعد جو عہد خرم کے روز حضرت علی کی ولایت کا عہد کیا اس کی اہمیت کتب تاریخ میں میر کرنے سے معلوم ہوتی ہے حالانکہ عہد و اسلامیہ میں سے جس قدر عہد غدیری میں اہتمام کیا گیا شاید اور کہیں یہ صورت واقع نہ ہوئی ہوگی۔ پس اس عہد کو توڑ کر اپنی من مانی حکومت کی تشکیل یقیناً منافع دنیاوی سے مستفید ہونے کی غرض سے ہو سکتی ہے ورنہ جس کو خدا کی خوشنودی کی ضرورت ہو اس کو اپنے عہد و پیمانہ کو توڑنے کی کیا ضرورت ہے اسی بنا پر تفسیر آئمہ میں صاف و صریح ہے کہ ان آیات میں خدا مسلمانوں سے ولایت علی کے بارے میں عہد شکنی کرنے والوں کو تنبیہ فرما رہا ہے۔ گویا ولایت علی کا عہد ہی اس کا تاویلی مصداق ہے۔

اِنَّ تَكُوْنُوْنَ ص ۲۴۱۔ بعض لوگوں کا دستور تھا بلکہ ہر دور میں یہ ہوتا رہتا ہے کہ ظاہر اقسام اٹھالیتے ہیں اور عہد بھی کر لیتے ہیں لیکن دل میں اس کو پورا کرنے کا خیال نہیں ہوتا۔ خداوند کریم اسلامی عہد کرنے والوں کو تنبیہ فرما رہا ہے کہ مسلمانوں کی کم تعداد کو دیکھ کر اور کفار کی کثرت سے مرعوب ہو کر عہد شکنی اور قسم کی خلاف ورزی نہ کرو۔ کیونکہ اگر بذریعہ جبر و اکراہ چاہتا

دَخَلًا بَيْنَكُمْ أَنْ تَكُونَ أُمَّةٌ هِيَ أَرْبَىٰ مِنْ أُمَّةٍ ۗ إِنَّمَا يَبْلُوكُمُ

دھوکا اپنے درمیان اس لئے کہ ایک قوم تعداد میں زیادہ ہے دوسری قوم سے سوائے اس کے نہیں کہ

اللَّهُ بِهِ ۗ وَلَيَبَيِّنَنَّ لَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَا كُنْتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ

خدا آزماتا ہے تم کو اس سے اور واضح کرے گا تمہارے لئے قیامت کے دن جس میں تم اختلاف کرتے تھے

﴿٩٢﴾ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَجَعَلَكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً ۗ وَلَٰكِن يُضِلُّ مَنْ

اور اگر چاہتا اللہ تو کرتا تم کو ایک قوم لیکن وہ مگر ہی میں چھوڑتا ہے جسے

يُشَاءُ وَيَهْدِي مَنْ يُشَاءُ ۗ وَلَتَسْلُكَنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٩٣﴾

چاہے اور ہدایت پر لاتا ہے جسے چاہے اور ضرور پوچھے جاؤ گے اس سے جو عمل کرتے ہو

وَلَا تَتَّخِذُوا أَيْمَانَكُمْ دَخَلًا بَيْنَكُمْ فَتَرِلَّ قَدَمُكُمْ بَعْدَ

اور نہ بناؤ اپنی قسموں کو دھوکا اپنے درمیان ورنہ پھسل جائے گا قدم بعد پھٹگی کے

توسب کو ایک مسلمان قوم بنا دیتا لیکن یہ اس کی مصلحت کے خلاف ہے پس اس نے اسلام و کفر کا معاملہ انسان کے

اختیار پر چھوڑ دیا ہے تاکہ جنت و جہنم میں لوگ اپنے اختیار سے جائیں۔ اور قیامت کے دن حق و باطل کی اس دنیاوی

جنگ کا نتیجہ معلوم ہوگا کہ صبر کرنے والوں کا انجام کیا ہے اور ظلم کرنے والوں کا حشر کیا ہے؟

يُضِلُّ مَنْ يُشَاءُ۔ ضلالت اور ہدایت کا اللہ کی طرف منسوب ہونا ہم نے تفسیر خدا کی دوسری جلد میں بیان

کیا ہے۔ تفسیر مجمع البیان میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ یہ آیات حضرت علی علیہ السلام کی ولایت

کے بارے میں اس عہد کی توثیق و تصدیق سے متعلق ہیں جس میں جناب رسالت مآب نے فرمایا تھا کہ تمام مومنوں

کے امیر ہونے کے عہدہ کا حضرت علی کو سلام کرو۔

تفسیر برہان و صافی میں بروایت کافی امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ جب حضرت علی کی ولایت

کا حکم نازل ہوا اور حضور نے فرمایا کہ سَلِّمُوا عَلَيَّ يَا مَعْزَةَ الْمُؤْمِنِينَ۔ یعنی علی کا امیر ہونے کی حیثیت سے سلام

کرو اور دو شخصوں کو زیادہ تاکید فرمائی تو وہ کہنے لگے کہ کیا یہ اللہ کا حکم ہے؟ تو وَلَا تَتَّقُوا الْإِنَّم نَازِلٌ هُوَ۔ بہر کیف اس قسم

کی روایات آیت مجیدہ کی باطنی تفسیر ہیں۔

وَلَا تَتَّقُوا۔ ص ۲۴۲۔ مجمع البیان میں ہے کہ حضرت موت کے علاوہ کا ایک آدمی عبدان نامی بارگاہ نبوی میں فیض یاب ہوا اور

تَبَوُّهُمَا وَتَذَوُّوا السُّوءَ بِمَا صَدَّكُمْ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ وَلَكُمْ

لہر چھو گے عذاب کو بوجہ اس کے جو روکا تم نے اللہ کے راستے سے اور تمہارے

عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿۹۴﴾ وَلَا تَشْرُوا بِعَهْدِ اللَّهِ إِثْمًا قَلِيلًا ط

لئے بڑا عذاب ہوگا اور نہ لو اللہ کے عہد کے بدلہ میں چند ٹکے

إِنَّمَا عِنْدَ اللَّهِ هُوَ خَيْرٌ لِّكُمْ إِن كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۹۵﴾ مَا عِنْدَكُمْ

سوائے اس کے نہیں کہ جو اللہ کے پاس ہے وہ بہتر ہے تمہارے لئے اگر تم جانو جو تمہارے پاس

يَنفَعُ وَمَا عِنْدَ اللَّهِ بَاقٍ ط وَلَنَجْزِيَنَ الَّذِينَ صَبَرُوا أَجْرَهُمُ

ہے وہ ختم ہوگا اور جو اللہ کے پاس ہے وہ باقی ہے اور ہم جزا دیں گے ان کو جو صابر ہیں اپنے اجر کی

اُس نے امر اَلْقِيسِ کندی کے خلاف یہ دعویٰ دائر کر دیا کہ یہ شخص میرا ہمسایہ ہے اور اس نے ناجائز طور پر میری زمین پر قبضہ کر لیا ہے اور لوگ اگر مجھے حق بجانب جانتے ہیں لیکن یہ شخص اپنی قوم میں معظم و محترم ہے لہذا شاید اس کے خلاف میرے حق میں گواہی دینے کو کوئی بھی تیار نہ ہو۔ پس آپ نے امر اَلْقِيسِ کندی کو طلب فرمایا تو اس نے مدعی کے دعوے کو غلط قرار دیکر اپنے فاصب ہونے کا مزاج انکار کر دیا آپ نے فرمایا تم قسم اٹھا لو۔ تو فوراً مدعی (عبدان) نے درخواست کی کہ حضور! یہ شخص فاجر ہے ہو سکتا ہے کہ جھوٹی قسم اٹھائے آپ نے فرمایا کہ اگر تمہارے پاس گواہ نہیں ہیں تو اس کی قسم پر تم کو فیصلہ ماننا پڑے گا۔ چنانچہ امر اَلْقِيسِ قسم کے لئے آگے بڑھا تو آپ نے اس کو مہلت دیدی یعنی اس مقدمہ کے فیصلہ سنانے کی تاریخ آگے بڑھادی۔ پس یہ آیتیں اتریں اور آپ نے فیصلہ سنانے سے پہلے ان کو پڑھا تو امر اَلْقِيسِ کہنے لگا کہ حضور! میرے پاس جو مال دولت ہے وہ ضائع ہونے والی چیز ہے اور آخر کار ایک دن اس نے ختم ہی ہو جاتا ہے۔ درحقیقت میرا مدعی حق بجانب ہے۔ اور مجھے یہ معلوم نہیں کہ میں نے اس کی کس قدر زمین دبا رکھی ہے۔ لہذا اس کی جس قدر مرضی ہو میری زمین کے لئے بلکہ چونکہ میں اس زمین کے بعض فضل بھی برداشت کر چکا ہوں لہذا میں اس کو اپنے حق سے دوگنا دیتا ہوں پس اگلی آیت اتری۔ من عمل - الخ

فَلَنُجِيبَنَّهٗ ۲۴۳۔ یعنی ایسے شخص کو قناعت و صبر کی پاکیزہ زندگی بخشیں گے۔

حکم استعاذہ | اِذَا قَرَأْتَ - اس مقام پر نحوی قواعد کی روش سے ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ فا کا استعمال عطف اور ترتیب کے لئے ہوتا ہے تو اس مقام پر قرأت قرآن پر فاستنذ کا عطف اس امر کو ثابت

بِأَحْسَنِ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۹۶﴾ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ أَوْ

بہتر اس سے جو عمل کرتے تھے جو عمل کرے اچھا مرد ہو یا

أُنْثَىٰ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ

عورت اور وہ مومن بھی ہو تو ہم اس کو پاکیزہ زندگی بخشیں گے اور اس کو جزا دیں گے

أَجْرَهُمْ بِأَحْسَنِ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۹۷﴾ فَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ

ان کے اجر کی بہتر اس سے جو وہ عمل کرتے تھے پس جب پڑھو قرآن کو تو سناہ

فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ﴿۹۸﴾ اِنَّهٗ لَيْسَ لَهٗ سُلْطٰنٌ

مانگو ساتھ اللہ کے شیطان سے جو رجیم ہے تحقیق نہیں ہے اس کا غلبہ

عَلَى الَّذِينَ اٰمَنُوا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ﴿۹۹﴾ اِنَّمَا سُلْطٰنُهٗ

ان لوگوں پر جو ایمان لائیں اور اللہ پر توکل کریں سوائے اس کے نہیں اس کا غلبہ

ثَابِتٌ كَرَّاهٍ كَمَا كَانَ يُرْهَىٰ جَانِبًا مِّنْ بِلَدٍ مَّكَّةَ مَقَامٍ مِّنْ قَبْلُ ۚ

ہونا چاہیے اور بعد میں قرأت قرآن ہونی چاہیے پس اس کا حل یہ ہے کہ اس جگہ قرأت سے مراد ارادہ قرأت ہے یعنی

جب قرأت قرآن کا ارادہ کرو تو استعاذہ کر کے قرأت کو شروع کرو جس طرح قرآن مجید میں دوسرے مقام پر ہے۔

اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْكُمْ ۗ الْخَبْرُ ۗ وَوَالَّذِيْ يَتَمَسَّكُ بِرِجْلِ النَّبِيِّ فَاغْسِلُ فَاغْسِلُوْا وُجُوْكُمْ ۗ

نیز محاورہ عام میں کہا جاتا ہے۔ اِذَا اَكَلْتَ فَاغْسِلْ يَدَيْكَ۔ یعنی جب کھانا چاہو تو ہاتھ دھو لو وغیرہ فَاَسْتَعِذْ

اس کی صورت یہ ہے اَعُوْذُ بِاللّٰهِ السَّيِّئِ الْعَلِيْمِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ۔ یا یوں کہہ دیا جائے اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ

الرَّجِيْمِ۔ اور اس پر امت کا اجماع ہے کہ نماز یا غیر نماز میں قرأت سے پہلے اس کا پڑھنا واجب نہیں بلکہ مستحب ہے

پس اس مقام پر امر استجاب کے لئے ہے۔

اِنَّمَا سُلْطٰنُهٗ ص۔ تفسیر اہل بیت میں ہے کہ شیطان مومن کے بدن پر مسلط ہوتا ہے۔ لیکن ان کے

ایمان پر مسلط نہیں ہو سکتا اور غیروں کے بدن اور ایمان دونوں پر مسلط ہوتا ہے۔ ایک روایت میں حضرت امام جعفر صادقؑ

سے مروی ہے کہ شیطان مومن کو ولایت سے نہیں ہٹا سکتا۔ باقی گناہوں میں اس کو مبتلا کر سکتا ہے جس طرح کہ

غیروں کو کر سکتا ہے۔

عَلَى الَّذِينَ يَتَوَلَّوْنَہُ وَالَّذِينَ هُمْ بِهِ مُشْرِكُونَ ﴿۱۰۹﴾ وَإِذَا

ان پر ہے جو اس سے محبت کریں اور جو اس کی بدولت مشرک کریں اور جب ہم

بَدَلْنَا آيَةً مَّكَانَ آيَةٍ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا يُنَزِّلُ قَالُوا إِنَّمَا

تبدیل کریں آیت کو آیت کے بدلہ میں اور اللہ ہی جانتا ہے جو اتارتا ہے تو کہتے ہیں کہ تو

أَنْتَ مُفْتَرٍ بَدَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۱۱۰﴾ قُلْ نَزَّلَهُ

افترا کرتا ہے بلکہ اکثر ان میں سے نہیں جانتے کہہ دیجئے اس کو اتارا

رُوحُ الْقُدُسِ مِنْ رَبِّكَ بِالْحَقِّ لِيُثَبِّتَ الَّذِينَ آمَنُوا وَهُدًى

ہے روح القدس نے تیرے رب کی طرف سے ساتھ حق کے تاکہ ثابت کرے ان کو جو ایمان لائیں اور ہدایت

وَبُشْرَى لِلْمُسْلِمِينَ ﴿۱۱۱﴾ وَلَقَدْ نَعْلَمُ أَنَّهُمْ يَقُولُونَ إِنَّمَا

دو خوشخبری ہے مسلمانوں کے لئے اور تحقیق ہم جانتے ہیں وہ کہتے ہیں اس کو سکھاتا ہے ایک

يُعَلِّمُهُ لِبَشَرٍ لِّسَانٍ الَّذِي يُلْحِدُونَ إِلَيْهِ أَعْجَمِيٌّ وَ

آدمی وہ جس کی طرف نسبت دیتے ہیں اس کی زبان عجمی ہے اور

وَإِذَا بَدَّلْنَا آيَةً مَّكَانَ آيَةٍ مَّصْلُحَتِ رِزْقِ مَن لَّمْ يَتَّخِذْ لِرِزْقِهِ إِذَا بَدَّلْنَا آيَةً مَّكَانَ آيَةٍ مَّصْلُحَتِ رِزْقِ مَن لَّمْ يَتَّخِذْ لِرِزْقِهِ إِذَا بَدَّلْنَا آيَةً مَّكَانَ آيَةٍ مَّصْلُحَتِ رِزْقِ مَن لَّمْ يَتَّخِذْ لِرِزْقِهِ

کرتا ہے ورنہ اگر خدا نازل کرتا تو یہ رد و بدل نہ ہوتی۔

واللہ اعلم۔ درمیان میں جملہ معترضہ ہے یعنی آیات اتارنے اور آیات کے منسوخ کرنے یا تبدیل کرنے کی مصلحتوں کو وہ خود جانتا ہے۔ إِنَّمَا يُعَلِّمُهُ۔ اہل مکہ کہتے تھے کہ اس کو ایک آدمی سکھاتا ہے اور یہ بنا بنا کر آیتوں کی شکل میں پیش کرتا ہے اور اس میں اختلاف ہے کہ وہ کون تھا، بعض کہتے تھے کہ سلمان فارسی اس کو گذشتہ واقعات بتاتا ہے (۲) قریش میں ایک رومی نصرانی بلعام نامی لوہار تھا۔ کہتے تھے کہ وہ آپ کو واقعات بتاتا ہے (۳) بعض کے نزدیک رومی غلام تھا جس کا نام یعیش یا عالش تھا جو اہل کتاب میں سے اسلام لایا تھا اور بہترین مسلمان تھا (۴) عین النمر کے دو نصرانی نوجوان تھے ایک کا نام لیبار اور دوسرے کا نام خیر تھا۔ صیقل کا کام کھتے

رکوع نمبر ۲۰

هَذَا لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُبِينٌ ﴿۱۰۳﴾ إِنَّ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِآيَاتِ

یہ زبان عربی فصیح ہے تحقیق جو لوگ نہیں ایمان لاتے اللہ کی آیات پر

اللَّهِ لَا يَهْدِيهِمُ اللَّهُ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۱۰۴﴾ إِنَّمَا يَفْتَرِي

نہ ہدایت کریگا ان کو اللہ اور ان کے لئے دروناک عذاب ہوگا سوائے اس کے نہیں

الْكُذِّبَ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْكٰذِبُونَ ﴿۱۰۵﴾

کہ جھوٹا افترا بانڈھتے ہیں وہ جنہیں ایمان لاتے اللہ کی آیات پر اور وہی جھوٹے ہیں

مَنْ كَفَرَ بِاللَّهِ مِنْ بَعْدِ إِيمَانِهِ إِلَّا مِنْ أَكْرَهٍ وَقَلْبُهُ

جو کفر کرے اللہ کا بعد ایمان لانے کے سوائے ان کے جن کو مجبور کیا گیا درحالیکہ ان کا دل

مُطْمَئِنٌّ بِالْإِيمَانِ وَلٰكِنْ مَن شَرَحَ بِالْكَفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ

ایمان سے مطمئن تھا لیکن جو کھلا کر دے کفر کے لئے اپنے سینہ کو تو ان پر اللہ کا

غَضَبٌ مِّنَ اللَّهِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿۱۰۶﴾ ذٰلِكَ بِأَنَّهُمْ

غضب ہے اور ان کے لئے بڑا عذاب ہے یہ اس لئے کہ انہوں نے

تھے وہ کہتے تھے کہ حضورؐ کو اپنی زبان میں ایک کتاب سنایا کرتے ہیں۔

لسان الذیٰ خُداوند کریم ان کی تردید فرماتا ہے کہ جس کے متعلق یہ لوگ کہتے ہیں کہ وہ حضورؐ کو سکھاتا

ہے وہ خود عربی صحیح بول نہیں سکتا پس آپ کو کیسے سکھاتا ہے حالانکہ قرآن مجید عربی فصیح میں ہے۔

یٰٰلَٰحِدُونَ۔ الحاد کا معنی ہے مالک کرنا اور یہاں مراد ہے نسبت دینا یعنی جس کی طرف نسبت دیتے ہیں۔

اعجمیٰ۔ عجمی اس کو کہتے ہیں جو عرب کا رہنے والا نہ ہو اور اعجمی وہ ہے جو فصیح عربی نہ بول سکتا ہو۔ پس اس مقام پر

عجمی نہ کہا کیونکہ بعض عجمی صحیح عربی بول سکتے ہوں مثلاً سنبوہ عجمی تھا لیکن نسبت عربی فصیح کا ماہر تھا جتنے کہ امام النحو ہوادرجع الیہ

مَنْ كَفَرَ۔ اصل میں تقدیر عبارت یہ ہے مَنْ كَفَرَ بِاللَّهِ وَشَرَحَ بِالْكَفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمُ الْعَذَابُ۔ یعنی جس نے اللہ

کا کفر کیا اور مرتد ہو گیا اور جس کا دل کفر کے لئے کشادہ ہوا یعنی بدل و جان اس نے کفر کو قبول کیا تو غضب پروردگار میں آگیا

بیانِ تفسیر اور عمار کا واقعہ۔ الامن اکراه مروی ہے کہ عمار اور اس کا ماں باپ یا سر اور سمیہ اور صہیب بطل

اسْتَجِبُوا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ ۗ وَاِنَّ اللّٰهَ لَیَهْدِی
 پسند کر لیا دنیاوی زندگی کو آخرت پر اور تحقیق اللہ کافر لوگوں کو ہدایت پر

الْقَوْمَ الْکٰفِرِیْنَ ﴿۱۰۷﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ
 مجبور نہیں کرتا وہ لوگ ہیں کہ مہر کر دی اللہ نے ان کے دلوں

وَسَمِعِهِمْ وَاَبْصَارِهِمْ ۗ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ﴿۱۰۸﴾
 کانوں اور آنکھوں پر اور وہ غافل ہیں

لَا جُرْمَ اٰتَمُوْا فِی الْاٰخِرَةِ ۗ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۰۹﴾ ثُمَّ اِنۡ رَّیْتَهُ
 بے شک وہ ہی آخرت میں خسارہ پانے والے ہوں گے پھر تحقیق تیرا رب

لِلَّذِیْنَ هَاجَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا فِتْنُوْا ثُمَّ جٰهَدُوْا وَصَبَرُوْا
 ان کے لئے جنہوں نے ہجرت کی بعد مصیبت پڑنے کے پھر جہاد کیا اور صبر سے کام لیا

اِنَّ رَبَّکَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱۱۰﴾ یَوْمَ تَأْتِی کُلُّ
 تحقیق تیرا رب اس کے بعد بخشنے والا مہربان ہے جس دن آئے گا ہر نفس

نَفْسٍ مُّجَادِلٌ عَنْ نَفْسِهَا وَتُوْفٰی کُلُّ نَفْسٍ بِمَا عَمِلَتْ وَهَمْ
 کہ جھگڑا کرے گا اپنے متعلق اور پورا دیا جائے گا ہر نفس کو جو اس نے عمل کیا اور وہ

اور جناب کو کفار نے اذیت پہنچائی۔ چنانچہ عمار کے ماں باپ شہید کر دیئے گئے اور یہ اسلام کے پہلے شہید ہیں عمار نے تشدد کے غوغ سے کلمات کفر زبان پر جاری کر لئے لوگوں نے حضور سے عمار کے مرتد ہونے کی شکایت کی آپ نے فرمایا ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا اور میں جانتا کہ عمار کا دل ایمان سے سرشار ہے اور ایڑی سے چوٹی تک اس کا پورا وجود ایمان سے پر ہے اور اس کے گوشت و خون میں اسلام چاہو ہے۔ اتنے میں عمار بھی پہنچ گیا اور روتا ہوا بارگاہ نبوت میں حاضر ہوا آپ نے پوچھا کہ کیا گندی ہے؟ عمار نے عرض کی کہ برسی گزری ہے میرے آقا! میں نے تو آپ کے حق میں ناشائستہ الفاظ مجبوراً زبان سے جاری کئے اور میں نے بادل ناخواستہ ان کے خداؤں کو بھی اچھے الفاظ سے یاد کیا حضور

لَا يَظْلِمُونَ ﴿۱۱۱﴾ وَضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا قُرْبِيَّةً كَانَتْ اِمْنَةً

ظلم کئے جائیں گے اور بیان کرتا ہے اللہ مثال بستی کہ جو با اس مطمئن تھی ان کو

مُطْمَئِنَّةً بِمَا رَزَقَهُمَا رِزْقًا مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ

اپنا رزق کشادہ ملتا تھا ہر جگہ سے پس انہوں نے اللہ کی نعمتوں کا کفر کیا

بِأَنعَمَ اللَّهُ فَأَذَاقَهَا اللَّهُ لِبَاسَ الْجُوعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوا

تو چکھایا ان کو بھوک اور خوف کا مزہ بوجہ اس کے جو

يَصْنَعُونَ ﴿۱۱۲﴾ وَلَقَدْ جَاءَهُمْ رَسُولٌ مِّنْهُمْ فَكَذَّبُوهُ

کرتے تھے اور تحقیق ان کے پاس آیا رسول انہی سے تو اس کو انہوں نے جھٹلایا

فَأَخَذَهُمُ الْعَذَابُ وَهُمْ ظَالِمُونَ ﴿۱۱۳﴾ فَكُلُوا مِنَّمَا

پس پکڑ لیا ان کو عذاب نے کہ وہ ظالم تھے پس کھاؤ اس سے جو

عمار کی باتیں بھی سنتے تھے اور اس کی بہتی ہوئی آنسوؤں کو اپنے رومال سے پونچھتے جاتے تھے پس آپ نے فرمایا اگر پھر بھی ایسا اتفاق بن جائے تو ایسے الفاظ کہہ دینا یعنی دل میں ایمان کو محفوظ کر کے زبان سے تقیہ کر لینا۔ اسی جلد میں تقیہ کا بیان سورہ یوسف کی آیت ۷۲ کے ذیل میں ص ۶۷ پر گزر چکا ہے

طَبَعَ اللَّهُ ۱۱۲ اس کی تفسیر دوسری جلد میں گذر چکی ہے۔ الَّذِينَ هَا جُرُوا۔ کہتے ہیں عیاش بن ابی ربیعہ اور ابو حنبلہ بن ہبیل نے کفار کے ٹڈ سے کلمات کفر زبان پر جاری کئے پھر ہجرت کر کے مدینہ پہنچے اور جہاد اسلام میں شریک ہوئے ان کے حق میں یہ اتری ہے۔

تَجَادُ عَنْ نَفْسِهَا ۱۱۳ یعنی اپنے نفس سے دفاع کی خاطر ہر نفس کا تبیین اعمال ملائکہ سے جھگڑا کرے گا رکوع نمبر ۲۱ اور قسمیں اٹھا کر کہے گا کہ میں نے شرک یا کفر نہیں کیا تھا یا یہ کہ مجاہدہ کا معنی عذر داری ہو یعنی اپنے نفس کو بچانے کے لئے عذر پیش کرے گا

ضَرَبَ اللَّهُ ۱۱۱ بعضوں نے کہا ہے کہ اس بستی سے مراد مکہ ہے کہ خوشحالی کے بعد سات سال تک خدا نے ان کو قحط کے عذاب میں مبتلا کیا تھے کہ چمڑے اور خون سے بھری ہوئی اون بھی کھا گئے اور بھوک کے عذاب کے ساتھ ساتھ ان کو مسلمانوں کی لوت مار کا خوف بھی تھا اور اس بھوک اور خوف کے عذاب کا اثر جسمانی کمزوری و بوجالی تھا جس کو لباس

رَزَقَكُمُ اللَّهُ حَلَالًا طَيِّبًا وَاشْكُرُوا لِعُمَّتِ اللَّهِ إِنَّ كُنْتُمْ

تم کو اللہ نے رزق دیا حلال و پاکیزہ اور شکر کرو اللہ کی نعمت کا اگر تم اس کی

إِيَّاهُ تَعْبُدُونَ ﴿۱۱۴﴾ إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالْدَّمَ وَ

عبادت کرتے ہو سوائے اس کے نہیں کہ اس نے حرام کیا تم پر مردار خون اور

لَحْمَ الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهْلَ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ فَمِنَ اضْطِرَّ

سور کا گوشت اور جس پر نام لیا جائے غیر اللہ کا پس جو مجبور ہو جائے نہ

غَيْرِ بَاغٍ وَلَا عَادٍ فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۱۱۵﴾ وَلَا

بغوات کرنے والا اور نہ ظلم کرنے والا ہو پس تحقیق اللہ غفور رحیم ہے اور نہ کہو

سے تعبیر کیا گیا اور یہ عذاب رسالت مآتبہ کی بددعا سے ان پر نازل ہوا تفسیر صافی میں مٹی سے منقول ہے کہ یہ بستی ایک

نہر کے کنارے پر نہایت سرسبز و شاداب تھی تو ان لوگوں نے اللہ کی نعمت کا کفران کرتے ہوئے اٹے سے استنجا کرنا

شروع کر دیا پس خدا نے نہر کو خشک کر دیا اور ان پر قحط مسلط ہو گیا جسے کہ وہی استنجا کر وہ روٹی کے ٹکڑے اٹھانے لگے

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ میرے والد درو مال سے ہاتھ صاف کرنا ناپسند کرتے تھے جب کہ

اس میں کچھ کھانا لکھا ہوا ہو جب تک اس کو پہلے چوس نہ لیتے تھے اور فرماتے تھے میں دسترخوان سے گرے ہوئے روٹی

کے چھوٹے چھوٹے ریزوں کو تلاش کرتا ہوں تو میرے غلام ہنستے ہیں آپ نے فرمایا گذشتہ زمانہ میں ایک خوشحال بستی کے

بسنے والوں نے طعام کی بے حرمتی کی تھی وہ کہتے تھے ڈھیلوں کی بہ نسبت روٹی کے ٹکڑوں سے استنجا کرنا ہمارے لیے

آسان ہے پس خدا نے ٹڈی جیسی ایک مخلوق بھیج دی جس نے ان کے فضلات تباہ کر دیئے اور درختوں تک کو صاف کر

گئی جسے کہ ان لوگوں کو وہی استنجا کر وہ روٹی کے ٹکڑے بھی کھانے پڑ گئے اور قرآن مجید میں خدا نے اپنی کشتی میں فرمایا

تفسیر بریلانی میں بروایت کلینی امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ میں کھانا کھانے کے بعد سالن سے

اپنی انگلیوں کو بھی چاٹ لیا کرتا ہوں جسے کہ مجھے ڈر لگتا ہے کہ کہیں ہمسایہ اس بات کو حرم پر نہ محمول کرے حالانکہ بات

یہ نہیں ہوتی۔ اصل بات یہ ہے گذشتہ زمانہ میں ایک قوم تھی جو نہری آبادی رکھتے تھے خدا کا ان پر بڑا فضل و کرم تھا پس

انہوں نے نعمت خداوندی کی بے قدری کی۔ جسے کہ روٹی کے ٹکڑوں سے بچوں کا استنجا کر کے پھینک دیتے تھے یہاں

تک کہ روٹی کے ٹکڑوں کا بڑا ڈھیر جمع ہو گیا تھا۔ ایک نیک مرد کا وہاں سے گذر ہوا اس نے دیکھا کہ ایک عورت اپنے بچے

وَأَصْلَحُوا إِنَّ رَبَّكَ مِنْ بَعْدِهَا لَغَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۱۱۹﴾ إِنَّ

اور نیکی کی تحقیق تیرا رب اس کے بعد بچتے والا مہربان ہے تحقیق

أَبْرَهِيمَ كَانَ أُمَّةً قَانِتًا لِلَّهِ حَنِيفًا وَلَمْ يَكُ مِنَ

ابراہیم (لوگوں کا) امام اللہ کا اطاعت گزار اور ثابت قدم تھا اور نہ تھا مشرکوں

الْمُشْرِكِينَ ﴿۱۲۰﴾ شَاكِرًا لِّنِعْمِهِ طِ اجْتَبَاهُ وَهَدَاهُ إِلَىٰ

میں سے شکر گزار تھا اس کی نعمتوں کا اس کو اللہ نے چن لیا اور ہدایت کی

صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ﴿۱۲۱﴾ وَآتَيْنَاهُ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً طِ وَإِنَّهُ فِي

سیدھے راستے کی اور ہم نے ہی اس کو دنیا میں نعمت اور تحقیق وہ آخرت

الْآخِرَةِ لَمِنَ الصَّالِحِينَ ﴿۱۲۲﴾ ثُمَّ آوَجَيْنَا لَكَ أَنْ تَتَّبِعَ مِلَّةَ

میں منزل صالحین میں ہوں گے پھر ہم نے وحی کی تیری طرف کر اتباع کر لیتے ابراہیم کی

أَبْرَهِيمَ حَنِيفًا طِ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿۱۲۳﴾ إِنَّمَا جَعَلْ

کودہ ثابت قدم تھا اور نہ تھا مشرکوں میں سے سوائے اس کے نہیں مقرر

إِنَّمَا حَتَمٌ۔ اس کی تفسیر جلد ۵ میں گذر چکی ہے۔ خَيْرٌ بَإِغ۔ اس کی وضاحت تفسیر کی دوسری جلد صفحہ ۲۵ پر گذر چکی ہے۔ وَكَاتِفُولُوا۔ یعنی تمہاری بد لگام زبانیں بلا دلیل اگر کسی شی کو حلال یا حرام کہتی ہیں تو اس کو اللہ پر افتراء کرتے ہوئے حلال یا حرام نہ کہہنا یا کرو۔ حَتَمًا مَا قَصَصْنَا۔ یہودیوں پر مبینہ حرام چیزوں کا تذکرہ سورہ انفاس کی تفسیر یعنی جلد ۵ صفحہ ۲۶ میں ملاحظہ فرمائیے۔ وَمَا ظَلَمْنَاهُمْ۔ اور بعض چیزوں کا ان پر حرام کرنا ان کے کرتوتوں کی سزا کے طور پر تھا وہ ہمارا ظلم نہیں بلکہ ان کے اپنے ظلم کی پیداوار تھی۔

رکوع نمبر ۲۲ | إِنَّ ابْرَاهِيمَ۔ معنی یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نیکی کے قائد و معلم تھے یا امام ہدای تھے ان کو امت اس لئے کہا گیا ہے کہ امت کا شیرازہ ان کے ذریعے سے قائم تھا پس مجاز مرسل کے طور پر سبب پر سبب کے نام کا اطلاق ہوایا اس لئے کہ وہ اپنے زمانہ کے واحد موحد تھے پس وہ ایک مستقل امت تھے کفار کے مقابلہ میں۔ حَنِيفًا۔ اسلام پر ثابت قدم اور ادیان باطلہ سے یکسو۔ حَسَنَةً۔ مطلق نعمت یا

السَّبْتِ عَلَى الَّذِينَ اٰخْتَلَفُوْا فِيْهِ ط وَاِنَّ رَبَّكَ لَيَحْكُمُ بَيْنَهُمْ

کیا گیا سینچر کا دن ان پر جنہوں نے اس میں اختلاف کیا اور تحقیق تیرا رب حکم کرے گا ان کے درمیان

يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَيُمَاكَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۴۷﴾ اُدْعُ اِلَى

بروز قیامت اس چیز کے بارے میں جس میں وہ اختلاف کرتے تھے

سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ

راؤ خدا کے حکمت اور موعظہ حسنہ کے ساتھ اور ان سے بحث کرو

بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ؕ وَاِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ

اچھے طریقے سے تحقیق تیرا رب خوب جانتا ہے اس کو جو اس کے راستہ سے

سَبِيْلِهِ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ﴿۱۴۸﴾ وَاِنَّ عَاقِبَتَهُمْ لَعَابِقُوبٌ

گمراہ ہو اور وہ خوب جانتا ہے ہدایت پانے والوں کو اور اگر انتقامی کاروائی کرو تو اتنی کرو

نعمت نبوت و رسالت اور ابراہیمؑ کا یہ شرف مخصوص ہے کہ تمام مذاہب والے ان کو اپنا قائد و پیشرو سمجھتے ہیں۔
 رجب و کتب سماویہ پر ایمان رکھتے ہیں۔ تم اَوْجِحِيْنَا۔ یہاں سوال ہوتا ہے کہ جناب رسالت مآبؐ جب سیدالانبیاء
 ہیں تو ان کو ابراہیمؑ کی ملت کی اتباع کا حکم دینا گویا افضل کو مفضول کی اطاعت کی طرف بلانے کا حکم ہے جو یقیناً
 نازیبا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اتباع اس لئے ہے کہ وہ پہلے گندھکے ہیں اور بعد میں آنے والا گندھ جانے
 والے کے پیچھے ہوا کرتا ہے۔ پس اس جگہ اتباع اطاعت کے معنی میں نہیں تاکہ اشکال وارد ہو۔

اختلّفوا۔ اختلاف کے متعلق کسی وجہ بیان کئے گئے ہیں (۱) ان کو بروز سینچر شکار کرنے سے روکا گیا تھا۔
 پس وہ جمعہ کے روز جہاں لگائے تھے اور سینچر کو اس میں مچھلیاں پھنس جاتی تھیں جن کو وہ اتوار کو نکال لیا کرتے
 تھے (۲) ان کو پہلے پہل جمعہ کی تعظیم کا حکم دیا گیا۔ پس اس میں انہوں نے اختلاف کیا تو ان پر سینچر کی تعظیم کا حکم
 اُترا۔ اس قصہ کی تفصیل سورہ اعراف میں گزر چکی ہے۔ تفسیر انوار النجف جلد ۶ ص ۱۱۱

بِالْحِكْمَةِ۔ جن لوگوں کو تبلیغ کی جائے ان کے مراتب کا خیال رکھنا اور ہر ایک سے اس کے
 مزاج اور شان کے مطابق بات کرنا زیادہ موزوں اور مؤثر ہوا کرتا ہے۔ پس عالم کے ساتھ عالمانہ

طریق تبلیغ

يَمْثِلْ مَا عَوَّبْتُمْ بِهِ ط وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُمْ

جتنی تمہارے ساتھ کی گئی اور اگر صبر کرو تو وہ صبر کرنے والوں کے لئے

خَيْرٌ لِلصَّابِرِينَ ﴿۱۳۶﴾ وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ إِلَّا

زیادہ بہتر ہے اور صبر کر اور نہیں ہوگا تیرا صبر مگر

بِاللَّهِ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِي ضَيْقٍ مِّمَّا

اللہ کی ترفیق سے اور نہ غم کھا ان پر اور نہ تنگدل ہو اس سے جو وہ مگر

يَمْكُرُونَ ﴿۱۳۷﴾ إِنَّ اللَّهَ مَعَ الَّذِينَ اتَّقَوْا وَالَّذِينَ

کرتے ہیں تحقیق اللہ ان لوگوں کے ساتھ ہے جو تقوے کریں اور جو

هُم مَّحْسِنُونَ ﴿۱۳۸﴾ ﴿۲۲﴾

احسان کرنے والے ہوں

طرز گفتگو اور جاہل کے ساتھ اس کے مزاج کے مطابق بات زیادہ فائدہ مند ہے اور اسی بنا پر کہا گیا ہے۔
كَلِمَاتٍ عَلَى قَدَرٍ عَقُولِهِمْ۔ یعنی لوگوں سے ان کے عقول و اذہان کے مطابق بات کیا کر۔
خداوند کریم نے اس آیت مجیدہ میں اسی طرز تبلیغ کی طرف رہنمائی فرمائی ہے۔ چونکہ لوگوں کی ذہن و عقل کے اعتبار
سے اور منصف و مجادل ہونے کے لحاظ سے تین قسمیں ہیں ایک ذہین اور اہل فہم و دانش طبقہ۔ پس ان سے
حکمت کی گفتگو کی جائے یعنی دلائل ساطعہ اور براہین واضحہ سے ان کے شکوک و شبہات کا قلع قمع کیا جائے۔
اور قرآن مجید کی روشنی میں ان کو دین اسلام کے اصولوں سے روشناس کرایا جائے۔ پھر دوسری قسم منصف مزاج عوام
کی ہے ان کو مواعظ حسنہ مثالیں اور نیک لوگوں کے اچھے انجام اور برائیوں کے بد نتائج سمجھائے جائیں اور پیار و
محبت کے لہجہ میں ان سے گفتگو کی جائے۔ تیسری قسم ہے مناظر طبع جھگڑالو لوگوں کی تو ان سے بحث اچھے اور
سلیحے ہوئے طریقے سے کی جائے اور چھاپن نہ ہو بلکہ منانت و دیانت کو ہی صداقت کا سلم اصول سمجھا چاہیے ضدی
لوگ اگرچہ نہ نائیں لیکن منصف مزاج طبقہ حق کے دامن سے وابستہ ہو جایا کرتا ہے۔

وَإِنْ عَاقَبْتُمْ فَبِحَدِّ الْحَدِّ جَبَّ أَحَدٌ فِي جَبِّ حَمْرَةَ كَلْبٍ لَاشٍ كَمَا مَثَلُهُ كَمَا تَوَلَّيْتُمْ فِيكُمْ مِمَّا كَرِهْتُمْ لَكُمْ فِيكُمْ
بعض نے کہا اگر ہم کو موقع ملتا تو ہم ان کے زندہ آدمیوں کی یہی حالت کریں گے جو انہوں نے مرنے کے بعد حمزہ کی لاش سے
کی ہے۔ یا یہ کہ ایک کی بجائے ستر آدمیوں کا مشکہ کریں گے تو یہ آیت اُتری۔ پس جناب رسالت ﷺ نے فرمایا۔ میں نے

سورہ بنی اسرائیل

- اس کی آیات کی تعداد ایک سو گیارہ ہے۔ اور بسم اللہ کو ملا کر کل تعداد ۱۱۲ ہوگی۔
- بعض کے نزدیک پورا سورہ کہیہ ہے اور بعض کے نزدیک پانچ یا آٹھ آیتوں کے علاوہ باقی سورہ کہیہ ہے
- ۱- بروایت ابی بن کعب جناب رسالت مآب سے مروی ہے کہ جو شخص سورہ بنی اسرائیل کی تلاوت کرے اور والدین کے ذکر سے اس کا دل نرم ہو جائے تو جنت میں اس کو دو قنطار اجر دیا جائے گا اور ایک قنطار بارہ سو و قیہ ہوگا جب کہ ایک ایک و قیہ پوری روئے زمین اور اس کی جلد آبادی سے بہتر ہوگا۔
 - ۲- امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے جو شخص سورہ بنی اسرائیل کو ہر شب جمعہ پڑھے تو وہ حضرت قائم علیہ السلام کی زیارت کر کے مرے گا اور آپ کے اصحاب میں سے ہوگا۔
 - ۳- تفسیر ربان میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ جو شخص سنہ ریشمی پارچہ پر اس کو لکھ کر تعویذ کھے تو اس کا نشانہ خطانہ ہوگا اور اگر چھوٹا بچہ کلام نہ کر سکتا ہو تو اس سورہ کو زعفران سے لکھ کر دھو کر بچہ کو پلایا جائے تو بحکم پروردگار اس کی زبان کھل جائے گی اور بچہ بولنے لگے گا۔
 - ۴- تفسیر صافی میں منقول ہے کہ حضرت رسالت مآب نے حضرت علی سے فرمایا اس سورہ مجیدہ کی آخری دو آیتیں قُلْ لِنَعُوْا اللّٰہ سے آخر تک چوری کے لئے باعث امان ہے۔
 - ۵- اس سورہ کو بنی اسرائیل کہا جاتا ہے کیونکہ اس میں بنی اسرائیل کو اہمیت کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے اور اس کا دوسرا نام سورہ اسرار بھی ہے اور اسرار کا معنی ہے لے جانا چونکہ اس کی ابتدا حضور کو معراج پر لے جانے کے ذکر سے کی گئی ہے اس لئے اس کا نام سورہ اسرار رکھا گیا ہے۔

چهار

ذکر معراج چونکہ پارہ ۱۵ اور سورہ بنی اسرائیل کی ابتداء ذکر معراج سے ہو رہی ہے لہذا مناسب ہے کہ معراج کے بعض پہلوؤں پر سیر حاصل تبصرہ کیا جائے مثلاً کیا معراج ممکن ہے یا نہیں مسجد اقصیٰ کا مفہوم کیا ہے جسمانی معراج تھا یا فقط روحانی۔ آپ کیسے گئے کیا کیا دیکھا کیا باتیں ہوئیں اور کیا حضرت علیؑ بھی شریک معراج تھے؟ وغیرہ۔

امکان معراج ایک وقت تھا جب کہ علمائے ہیئت نے خرق و الیتام کے مسئلہ کو آسمان پر چڑھایا ہوا تھا خدا معلوم یہ مسئلہ کب سے چلا اور اس کی ضرورت کیوں پیش آئی کس نے اس مفروضہ کو گھڑا اور کیوں گھڑا بہر کیف بڑے زور شور سے اس مسئلہ نے کتب علم ہیئت میں اپنا مقام پیدا کیا اور علم حکمت کی فلکیات کی ابجاث میں یہ مسئلہ موکرت الاراء قرار پایا چنانچہ متاخرین آنکھیں بند کر کے متقدمین کے اس مفروضہ کو اصول مسلمہ کی طرح مانتے چلے آئے نہ کسی نے اس دعویٰ کے خلاف احتجاج کیا اور نہ کسی کو اس کی موجودگی اور نہ میں قدغن کی جرات ہوئی۔ پس حضرت رسالت مآبؐ کے امکان معراج کے راستہ میں یہ مسئلہ کوہ گراں بن کر ہر دور کے علماء اسلام کے افکار و انظار کو چیلنج کرتا رہا چنانچہ بہت سوں کے ہاتھ سے دامن حق چھوٹ گیا اور معراج کا انکار کر بیٹھے اور جو اقرار پڑے رہے وہ معراج روحانی کی حد سے آگے نہ بڑھ سکے البتہ تھوڑے اللہ کے بند تھے جنہوں نے باطل کی غوغا آرائیوں پر کان دھرے بغیر آواز قدرت پر لبیک کہی اور ہر قسم کی موشگافیوں سے بے نیاز ہو کر صدائے وحدت کو من و عن تسلیم کرتے ہوئے عرفان و یقین کی منازل کی طرف آگے بڑھے۔ کیونکہ جب اللہ ہر شے پر قادر ہے تو وہ جب چاہے جس طرح چاہے جہاں جہاں چاہے اپنے بندے کو سیر کر سکتا ہے۔ مخلوق و مصنوع کا کوئی فرد کسی وقت اس کی قدرت و مشیت کے آگے حائل نہیں ہو سکتا۔ اور قرآن مجید میں اس سب سے بے کافقرہ ظاہر کرتا ہے کہ آپؐ از خود نہیں گئے، اللہ ان کو لے گیا۔ پس جب وہ لے گیا تو اس کے لئے سب کچھ ممکن ہے۔

سائنس کے دور میں جو علم ہیئت کے سابقہ مفروضے کے جھوٹ کی قلعی کھلی تو آسمانوں میں خرق و الیتام کے مجال جاننے والوں کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں جب دیکھا کہ ترقی یافتہ ممالک نے سائنسی آلات کے ذریعے ارضی مواد سے طاقت حاصل کر کے آسمانوں کی بلندیوں کو سر کرنے کا پروگرام مرتب کر لیا ہے۔ اور آئے دن چاند اور دیگر سیارات پر ڈیرہ ڈالنے اور قبضہ جانے کی خاطر راکٹوں کا بے پناہ سلسلہ قائم ہونے کی خبریں شائع ہونے لگی ہیں جن کو کوئی ذی ہوش ٹھکرانے کی جرات نہیں کر سکتا۔ حتیٰ کہ چاند کی سطح کی تصویریں ہماری جارہی ہیں اس پر آبادی کے امکانات پر رائے زنی ہو رہی ہے۔ طاقتور حکومتیں اس پر اپنا پرچم لہرانے کے لئے بے تاب ہیں اور وہاں تک پہنچنے کے لئے فضائی اڈوں کی تجاویز بھی زیر غور ہیں تو ان پیش آمدہ حالات کے ماتحت جب کہ مسئلہ خرق و الیتام ایک فرسودہ خیال سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا اور مادی قوتوں سے استفادہ کرنے والوں نے جب آسمانوں کی تسبیح اور ان کی سیر کو حرف ممکن نہیں بلکہ تریب الوقوع قرار دے دیا ہے تو وہ ذات جو مقصود کائنات ہو جس نے زمین پر بیٹھے ہوئے چاند سے اپنی نبوت کی گواہی طلب کر لی ہو اور اس نے دو ٹوکڑے ہو کر اپنے مسخر ہونے پر جبر تصدیق ثبت کی ہو اور وہ طاقت جو قوت روحانیہ میں تمام روحانیوں سے اشراف و اعلیٰ حیثیت کی حامل ہو حتیٰ کہ سید الملائکہ

حضرت جبریل جس کا ادنیٰ غلام ہو اس کے لئے آسمانی بلندیوں کا سر کرنا کیسے مشکل ہو سکتا ہے اور پھر جب بلانے والا اور لے جانے والا اللہ ہو تو کس کی مجال ہے کہ اس کو ناممکن کہہ سکے ؟

معراج جسمانی | اس حد تک تو تمام اہل اسلام بلا تفریق مذاہب متفق ہیں کہ حضور معراج پر تشریف لے گئے اور ہمارے نزدیک معراج کا عقیدہ ضروریات مذہب سے ہے چنانچہ اس کا منکر دائرہ اسلام سے

ارج ہے اور حضور سے ایک روایت منقول ہے جس میں ارشاد ہے کہ جو معراج کا انکار کرے وہ میری امت سے خارج ہے جو لوگ فلاسفہ یونان اور قدیم ہیئت دانوں کے بے سرو پا مفروضات پر اندھا دھند ایمان لاتے انہوں نے جہاں ان کی دوسری

بے تکی باتوں کے سامنے سر تسلیم خم کیا وہاں آسمانوں کے خرق والیام کو ناممکن کہتے ہوئے معراج جسمانی کے انکار کی جسارت بھی کرنے لگے۔ اس بارہ میں نہ ان کے کان آیات خداوندی سے متاثر ہوئے اور نہ فرمان پیغمبران کو مطمئن کر سکا جس طرح آجکل کے گود مغرب میں تربیت یافتہ یتیم العقل لوگوں کا ویرہ ہے بلکہ ہر وہ انسان جس کا ذہن و دماغ احکام شرعیہ اور حدود دینیہ سے باغی ہو وہ دین کے ہر مسئلہ کو اعتراض کی نگاہ سے دیکھتے ہوئے اسے بار بار کہہ دیتا ہے تاکہ کسی صورت میں اس سے گلو خلاصی ہو جائے اور اس طرز عمل کو وہ اپنی روشن دماغی تصور کرتے ہوئے تحقیق و تدقیق سے تعبیر کرتا ہے اور اس قسم کے بال کی کھال اتارنے والے جہاں علماء کے لئے درد سہنتے ہیں وہاں عوام کیلئے شرعی احکام سے بغاوت کی داغ بیل ڈالنے کے موجب ہوتے ہیں اور نامعلوم ان کا ناقہ دماغ جہاں ہر مسئلہ شرعیہ کو ہدف تنقید بنانے کی جسارت کرتا ہے وہاں اہل مغرب کے اقوال و اعمال کو کبیرہ سمجھیں بند کر کے کیوں قابل تسلیم قرار دیتا ہے۔ ان کے نزدیک پیغمبر کا قول اہل مغرب کی تصدیق کا محتاج ہے لیکن اہل مغرب کا کوئی قول پیغمبر کے فرمان کی موافقت یا مطابقت کا محتاج نہیں حتیٰ کہ آجکل سائنسی دور کی تحقیقات نے جب مسئلہ خرق والیام کو عملاً ایک فرسودہ دیہودہ خیال ثابت کر دیا اور امکان معراج نئی روشنی میں محتاج بیان نہ رہا تاہم ثبوت معراج میں مغرب زدہ اذہان کو چین نصیب نہیں ہوتا۔ وہ چاند پر راکٹ اترنے کی خبروں کو خندہ پیشانی سے برداشت کرتے اور ان کو تسلیم کرتے ہیں حتیٰ کہ ہیل طلب کرنے والے کو تاریک دماغ اور قدامت پسند قرار دیتے ہیں لیکن معراج رسولی کو ترچھی نگاہوں سے دیکھتے ہیں اور اس کو بعید از عقل کہنے میں ذرہ بھر توقف نہیں کرتے۔

اہل اسلام میں معراج کے متعلق تین خیال پہلے سے اب تک ہیں پیغمبر اسلام اور اسلام کی قدروں سے ناواقف لوگ دشمنان اسلام کی تنقیدات سے مرعوب ہو کر معراج کو خواب کہتے رہے اور جنہوں نے اس کو خواب کی حقیقت سے آگے بڑھایا وہ اسے معراج روحانی کہہ کر آگے نہ بڑھ سکے اور مذہب شیعہ کا صحیح عقیدہ یہ ہے کہ معراج جسمانی حضرت پیغمبر کو نصیب ہوا اور آپ کی خصوصیت میں سے ہے۔

علامہ طبرسی نے مجمع البیان میں بیان فرمایا ہے کہ جو لوگ اس کو نیند کا واقعہ بتاتے ہیں سرسرا غلط ہے کیونکہ ایسی صورت میں نہ معجزہ رہتا ہے اور نہ اس پر کوئی دلیل ناظر ہے اور معراج کے متعلق ہمارے ہاں متعدد روایات موجود ہیں حضور ﷺ

پرفشرف لے گئے اور بہت سے صحابہ ان کے راوی ہیں۔ مثلاً ابن عباس۔ ابن مسعود۔ انس۔ جابر بن عبد اللہ۔ حذیفہ۔ عائشہ اور ام ہانی وغیرہ البتہ ان میں الفاظ کی کمی و بیشی ضرور ہے اور ہم ان کو چار قسموں پر تقسیم کرتے ہیں۔

۱۔ ایک وہ حدیثیں ہیں جن کی صحت کا ہمیں علم ہے کیونکہ تواریخ سے منقول ہیں اور وہ وہ ہیں جن میں حضور کا معراج پر جانا منقول ہے۔ پس ہمارا عقیدہ ہے کہ آپ خواب میں نہیں بلکہ بیداری کے عالم میں تشریف لے گئے۔

۲۔ وہ حدیثیں جن کا مضمون عقلاً ممکن ہے اور اصول بھی ان کو قبول کرتے ہیں۔ مثلاً آسمانوں کی سیر انبیاء و ملائکہ کے ساتھ ملاقاتیں، عرشِ سدرۃ النہی اور جنت و نار وغیرہ کو دیکھنا۔

۳۔ وہ حدیثیں جو ظاہراً اصول سے ٹکراتی ہیں لیکن ان کی تاویل کی جاسکتی ہے مثلاً جنیوں کو جنت میں اور دوزخیوں کو دوزخ میں دیکھنا اور ان میں اصولی مخالفت یہ ہے کہ جو لوگ اُمتِ محمدیہ میں ابھی پیدا نہیں ہوئے وہ قبل از وقت جہنم میں اپنے اعمال کی جزا و سزا کے لیے کیسے پہنچ گئے؟ پس ان کی تاویل یہ ہے کہ حضور کو ان کی مثالیں دکھائی گئیں یا ان کے نام و کام بتائے گئے۔

۴۔ وہ حدیثیں جو ظاہراً صحیح نہیں اور نہ ان کی تاویل کی جاسکتی ہے۔

پس ان کو ہم قبول نہیں کرتے مثلاً یہ کہ آپ نے اللہ کو دیکھا یا اس کے ساتھ تخت پر بیٹھے یا آپ کے پیٹ کا پریشانی ہوا اور اس کو دھویا گیا وغیرہ کیونکہ خداوند کریم جسم و جسمانیات اور مخلوق کی تشبیہ سے بلند و بالا ہے اور حضور ہر عیب و کثافت سے طاہر و مطہر پیدا ہوئے نیز دل کو عقیدہ کی کثافتوں سے پانی کے ساتھ دھونا غیر معقول بات ہے

مغرب زدہ اسلام سے باغی انسان کی تسکین اس میں ہوتی ہے کہ ہر بعید از عادت بات کو غلط کہہ کر اس کا انکار کر دیں وہ جدید تحقیقات کی روشنی میں سائنس کی خارق عادت مصنوعات کو آسانی سے

بَرائق کا حلیہ

مان سکتے ہیں لیکن خلاق کائنات کی خارق عادت تخلیق کو تسلیم کرتے ہوئے بھی جھکتے ہیں۔ بلکہ تسلیم کرنے کو کورانہ تقلید و تفسیر کرتے ہیں۔ چنانچہ پیغمبروں کے جہاد معجزوں کا انکار اور ان کی ریکیک تاویلیں اسی کو رباطی کا شاخسانہ ہیں۔ چنانچہ مزاقیانی نے مغربیت کی اسی روشنی سے فائدہ اٹھا کر جدید اسلامی پوڈ کو اپنے رنگ میں لگنے کا کردار ادا کیا ہے اور تمام نبوی معجزوں کو اس نے تشیل قرار دیکر غیر پختہ اسلامی نوہالوں کو اپنے دام تزویر میں پھنسا لیا ہے حالانکہ بغیراۃ موجودہ تخلیق کائنات پر قادر خدا جہاں بے حد و حساب مخلوق کو کتم عدم سے منصف شہود پر لاسکتا ہے اس کی قدرت سے اس قسم کے جزوی تخلیقی کارنامے نہ بعید ہیں نہ مشکل۔ بنا بریں بَرائق کا جو حلیہ کتب احادیث میں مرفوم و مسطور ہے اس عقلی استبعاد کوئی وقعت نہیں رکھتا۔ تفسیر مجمع البیان میں اس کا حلیہ اس طرح ہے کہ گھسے سے بڑا پنجر سے چھوٹا چہرہ انسان نادوم ہیل کی گردن کے بال گھوڑے کی طرح اور پاؤں اونٹ کی مانند تھے۔ جنت کی زمین سے مرن تھا اس کے پھلے دو پٹھوں کے اور دو پڑتھے اور اس کے دو قدموں کا درمیانی فاصلہ حدنگاہ تک تھا۔

تفسیر برہان میں امام رضا علیہ السلام سے مروی ہے کہ حضرت رسالتاً ص نے فرمایا کہ خداوند کریم نے براق کو میرے لئے مسخر فرمایا وہ جنت کے گھوڑوں میں سے ایک گھوڑا ہے نہ بہت لمبا اور نہ بہت چھوٹا اگر خدا اس کو اذن دے تو ایک ہی دوڑ میں دنیا و آخرت کا احاطہ کرے اور وہ جنت کے تمام حیوانوں میں سے زیادہ خوبصورت ہے۔

بروایت روضۃ الواعظین جناب رسالتاً ص سے منقول ہے کہ اس کا چہرہ انسان نما رخصتا گھوڑے جیسے گردن کے بال موتیوں کی لڑیوں کی طرح کان زبردست جیسے اور آنکھیں چمکدار تاروں کی مانند مضبوط جسم اور ہاتھ پاؤں دراز ہیں آدمیوں کی طرح سانس لیتا ہے بات سنتا ہے اور سمجھتا ہے گدھے سے بڑا درخت سے چھوٹا ہے یعنی اس کا قد و قامت درمیانہ مناسب اور نہایت موزوں ہے۔

تفسیر برہان میں بروایت قمی امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ حضور نے فرمایا میں مکہ میں محرابِ اہل مکہ کا دو عمل

خواب تھا علی دابیں جعفر طیار بایں اور حمزہ میرے پیش موجود تھے میں نے فرشتوں کے پروں کی آواز سنی ایک نے پرچھا کہ اے جبریل تو نے کس کے پاس جانا ہے تو اس نے میری طرف اشارہ کر کے کہا کہ اس کے پاس اور یہی تمام نبی آدم کا سردار ہے اور یہ اُس کا وحی و زبرد اما و اور خلیفہ ہے وہ اس کا چچا حمزہ ہے اور وہ اس کا چچا زاد بھائی جعفر طیار ہے جس کو دو تروتازہ پر عطا ہوں گے اور ملائکہ کے ساتھ جنت میں پرواز کرے گا۔ اس نبی کی آنکھیں سوتی ہیں لیکن کان سنتے ہیں اور دل بیدار رہتا ہے۔ انہوں نے ایک کہانی بیان کی کہ ایک بادشاہ ہے جس نے گھر بنوایا دسترخوان بگایا اور دعوت کے لئے مقاصد

بھیجا حضور نے جواب میں ارشاد فرمایا وہ بادشاہ اللہ ہے دنیا گھر ہے جنت اس کا دسترخوان ہے اور دعوت دینے والا میں ہوں پس جبریل نے بڑھ کر براق حاضر کیا اور بیت المقدس تک میر کرانی نبیوں کے محراب اور نشانیوں دکھائیں آپ نے نماز بھی ادا کی۔ پھر راتوں رات واپس بھی پہنچے واپسی پر قریش کے قافلہ کے پاس سے گزرے ان کے ایک برتن سے پانی پیا اور باقی پانی کو گرا دیا

اور وہ اس وقت ایک گشہ اونٹ کو تلاش کر رہے تھے آپ نے صبح ہوتے ہی قریش کو اپنے معراج کا قصہ سنایا تو ابو جہل نے کہا اب موقع ہے اس کے متعلق سوال کرو چنانچہ انہوں نے پوچھنا شروع کیا۔ لے محمد ہم میں سے بعض لوگ بیت المقدس دیکھ چکے ہیں ذرا بتائیے اس کے محراب کتنے ہیں۔ ستون کس قدر ہیں اور قندیس کتنی آویزاں ہیں؟ اتنے میں جبریل نے بیت المقدس کا نقشہ آپ کے سامنے موجود کر دیا اور آپ نے ان سب کو جواب باصواب دیا جب آپ نے ان کو قافلہ کی خبر سنائی تو کہنے لگے قافلہ آئے گا تو بات کی حقیقت کھل جائے گی۔ آپ نے فرمایا وہ قافلہ فلاں تاریخ کی صبح طلوع آفتاب کے وقت پہنچے گا اور سب سے آگے

سرخ رنگ کا اونٹ ہوگا۔ چنانچہ سب قریش اس دن طلوع آفتاب سے پہلے انتظار میں شہر کے باہر جا کھڑے ہوئے پس ادھر سورج نے طلوع کیا اور ادھر قافلہ بھی آ پہنچا اور آگے آگے سرخ رنگ کا اونٹ تھا جب ان سے دریافت کیا گیا تو انہوں نے بتلایا کہ واقعی فلاں شب کو ہمارا اونٹ گم ہوا تھا اور فلاں مقام پر ہم نے پانی رکھا تھا جب صبح ہوئی تو ہم نے دیکھا کہ اس برتن سے پانی گرایا جا چکا ہے۔ پس سننے اور یقین کرنے کے بعد بجائے ایمان کے ان کی سرکشی میں اور اضافہ ہو گیا۔

تفسیر برہان میں ایک روایت میں ہے کہ آپ جاتے ہوئے ابو سفیان کے قافلے کے پاس سے گزرے شب تاریک

تھی۔ بارشده اونٹوں کے قریب سے گزے تو براق کی صراحت سے اونٹ ڈرے۔ چنانچہ ایک نے دوسرے کو آواز دے کر بلایا کہ اونٹوں! دیکھ تو سہی اونٹ ڈر گئے ہیں اور فلاں کا بھار گر چکا ہے اور اس کا اگلا پاؤں بھی ٹوٹ چکا ہے چنانچہ واپس آنے پر ابوسفیان نے اس خبر کی تصدیق کی لیکن خدا اور ہٹ دھرمی پر پکے سہے اور مروی ہے کہ ان اونٹوں پر گندم لاری ہوئی تھی۔

تفسیر بران میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ بروایت ابوسعید خدری جناب رسالت مآب نے فرمایا کہ میں نے واپسی پر جبریل سے پوچھا کہ تیری کوئی خواہش ہو تو بتاؤ۔ پس اس نے کہا میری حاجت یہ ہے کہ اللہ کی جانب سے اور میری جانب سے خدیجہ کو سلام کہنا چنانچہ آپ نے سلام پہنچایا تو جناب خدیجہ نے جواب میں عرض کیا۔ اِنَّ اللّٰهَ السَّلَامُ وَمِنْهُ السَّلَامُ ذَا اللّٰهِ التَّلَامُ وَعَلٰی جِبْرِیْلِ اَسَلُ السَّلَامُ

تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ آپ نے جب اہل مکہ کے سامنے اپنا معراج بیان فرمایا تو مطعم بن عدی نامی ایک شخص کہنے لگا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ دو ماہ کا سفر آپ ایک گھنٹہ میں طے کر لیں پھر کہنے لگے کہ اپنے سفر نامے میں کچھ بیان کیجئے۔ چنانچہ آپ نے قافلہ کا ذکر کیا اور اونٹ کا گم ہونا اور پیالہ سے پانی پینا بیان فرمایا انہوں نے کہا کہ یہ ایک نشانی ہے آپ نے پھر دوسرے قافلہ کا ڈرنا اور بھار کا گرنا نیز ایک اونٹ کی ٹانگ ٹوٹنا بیان فرمایا تو کہنے لگے چلو یہ دوسری نشانی ہے پھر کہنے لگے کہ ہمارے اونٹ کہاں تھے تو آپ نے فرمایا مقام تنیم میں ان کے پاس سے گذرا ہوں پھر آپ نے ان کی تعداد بتائی کہ ۲۳ تھے اور لہے ہوئے مال کی فہرست بتائی اور ان کے ہمراہ غلاموں کے نام بھی بتائے اور چلے بیان کئے اور فرمایا کہ طلوع شمس کے وقت وہ آن پہنچیں گے سب سے آگے گھنے بالوں والا اونٹ ہوگا۔ انہوں نے کہا کہ یہ تیسری نشانی ہے پس انتظار کے لئے مشہر کے باہر پہنچے کہ اب فیصلہ کن بات ہوگی ادھر ایک نے کہا کہ وہ سورج طلوع ہو رہا ہے تو دوسرے نے فوراً آواز دیکر کہا کہ لو وہ قافلہ بھی آ پہنچا ہے۔ چنانچہ سب کے سب مبہوت و حیران رہ گئے دوسری نشانیوں کی تصدیق بھی ہو گئی لیکن ایمان لانے کی جرأت نہ کر سکے۔

مکہ مکرمہ میں حضرت علی علیہ السلام کی ہمیشہ عام ہانی زویجہ ہبیہ بن ابودہب محزومی کے گھر

معراج کا سفر نامہ | حضرت رسالت مآب بستر استراحت پر آرام فرماتے۔ بعضوں نے مسجد الحرام میں حضور کا محراب ہونا ذکر کیا ہے اور حدود حرم کے اندر کی ساری زمین پر بھی مسجد الحرام کا اطلاق کیا گیا ہے۔ بہر کیف بروایت قمی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ تین فرشتے جبریل میکائیل اور اسرافیل براق کے ساتھ نازل ہوئے ایک کے ہاتھ میں کلام تھی دوسرا کاب تھا تیسرا براق کی زمین کو درست کر رہا تھا بروایت عیاشی جبریل جنت سے پانی بھی لایا جس سے آپ نے غسل فرمایا بروایت کافی ذات رب العزت نے نور کی ایک عماری کا انتظام فرمایا تھا جو نور عرش میں سے چالیس اقسام نور پر مشتمل تھی جن میں سے ہر ایک کے دیکھنے کی انسانوں میں تاب برداشت نہ تھی جب آپ اس پر سوار ہو کر جانب آسمان روانہ ہوئے تو اس نور کی کرنیں آسمان اول تک پہنچیں۔ پس فرشتے ایک جگہ جمع ہو کر سجدہ ربانی میں گر گئے۔ جبریل نے

نعرۃ کبیر بلند کیا۔ بروایت قمی آسمان اول پر موکل ایک فرشتہ ہے جس کا نام اسمعیل ہے اس کے ماتحت ستر ہزار فرشتے ہیں اور ان میں سے ہر ایک ستر ہزار فرشتوں کا سردار ہے۔ پس جبریل کی آواز سن کر آسمان کا دروازہ کھولا گیا اور فرشتوں نے آپ کا شایان شان استقبال کیا پھر آپ نے آسمان اول کی سیر فرمائی۔

بروایت ابن بابویہ حضور بیت المقدس میں تشریف لائے اور یہاں ستر نمبروں کو نماز پڑھائی پس جبریل نے زمین کے خزانوں کی کنجیاں حوالہ کیں کہ آپ کو اختیار ہے چاہیں تو نبوت کے ساتھ ساتھ شہنشاہیت بھی لے لیں اور چاہیں تو نبوت کے ساتھ عبادت کی زندگی گذاریں۔ پس آپ نے بادشاہت کو ٹھکرا کر عبادت قبول کی۔ آپ نے پہلے آسمان پر حضرت ابراہیمؑ سے ملاقات کی ان کے گرداگرد چھوٹے چھوٹے بیٹے تھے جن کی وہ تربیت فرما رہے تھے جبریل نے کہا یہ مومنوں کے بیٹے ہیں جن کی پرورش حضرت ابراہیمؑ کرتے ہیں۔ اور قمی کی روایت میں آسمان ہفتم پر حضرت ابراہیمؑ کا ہونا مذکور ہے چنانچہ بعد میں ذکر ہوگا اور آسمان پر جانے سے پہلے حضور نے مسجد کوفہ میں بھی دو رکعت نماز ادا کی تھی جیسے کہ روایات میں موجود ہے۔ نیز آپ نے مدینہ طیبہ اور طبرستان پر بھی علی الترتیب دو دو رکعت نماز پڑھی ہے (صافی) اور بروایت قمی اسی آسمان پر حضرت آدمؑ سے ملاقات و گفتگو ہوئی پھر ملک الموت سے ملاقات ہوئی تو آپ نے دریافت فرمایا کہ تمام مرنے والوں کے رواج کو تو ہی قبض کرتا ہے؟ اُس نے جی ہاں کہا۔ آپ نے پوچھا کیا تو سب کو دیکھتا ہے تو اس نے کہا ساری دنیا میرے قبضہ میں اس طرح ہے جس طرح انسان کے ہاتھ میں ایک روپیہ ہو وہ جس طرح چاہے اس کو الٹ پلٹ کرتا رہے اور میں دنیا کے ہر گھر میں روزانہ پانچ مرتبہ جھانکتا ہوں۔ اور جب کسی مرنے والے کے غم میں گھروالے رورہے ہوتے ہیں تو میں ان کو کہا کرتا ہوں مت رُو وہیں نے تمہارے پاس بار بار آنا ہے حتیٰ کہ کسی کو بھی زندہ نہ چھوڑوں گا آپ نے فرمایا کہ موت بہت سخت چیز ہے تو جبریل نے کہا کہ حضورؐ اباے شک موت سخت ہے لیکن موت کے بعد کا عالم اس سے سخت تر ہے پھر ایک فرشتہ کو دیکھا جس کا آدھا جسم آگ تھا اور آدھا جسم برف تھا۔ نہ برف آگ پر غالب اور نہ آگ برف پر غالب تھی اور وہ تسبیح پروردگار میں رطب اللسان تھا پھر کافی تعداد میں ملائکہ دیکھے جن کی خلقت عجیب و غریب تھی ان کے جسم کے ہر ہر حصے سے الگ الگ لب و لہجہ میں تسبیح و تقدیس پروردگار کی صدائیں بلند تھیں اور خوفِ خدا سے وہ سب مشغول گریہ بھی تھے۔ جبریل نے بیان کیا کہ ان کی پیدائش ہی اسی طرح کی ہے کہ ان میں سے کسی نے بھی جب سے پیدا ہوئے ہیں اپنے ساتھی فرشتے کو نہ نظر اٹھا کر دیکھا ہے اور نہ اس سے بات کی ہے نہ یہ اوپر کو دیکھتے ہیں اور نہ نظر جھکا کر نیچے کی طرف دیکھتے ہیں اور ہمیشہ ان کے خشوع و خضوع کا یہی عالم ہے میں نے ان کو سلام کیا اور انہوں نے اشاروں اشاروں میں مجھے سلام کا جواب دیا لیکن جب جبریل نے ان سے میرا تعارف کرایا تو انہوں نے تعظیم و تحکیم کا فریضہ ادا کیا اور پھر حسبِ عادت مشغولِ عبادت ہوئے بروایت کافی جب آسمان اول کے تمام فرشتے آدابِ بجالائے تو احوالِ پرسی کرتے ہوئے عرض کی کیفَ اَمْحُوکَ یعنی تیرے بھائی کا کیا حال ہے اِذَا نَزَلَتْ فَاقْرَأْهُ السَّلَامَ جب واپس تشریف لے جائیں تو ان کو ہمارا سلام کہنا۔ آپ نے پوچھا تم اس کو کس طرح

پہچانتے ہوتو انہوں نے جواب دیا ہم کیسے اس کو نہ پہچانیں کہ آپ کا اور ان کا اور ان کے شیعوں کا ہم سے میثاق کیا گیا ہے۔ اور ہم ہر روز پانچ مرتبہ یعنی ہر نماز کے وقت اس کے شیعوں کے چہروں کی زیارت کیا کرتے ہیں اور آپ کی ذات پر اور اس جناب پر ہم درود و سلام پڑھا کرتے ہیں۔

اس کے بعد پھر پروردگار عالم نے چالیس اقسام نور کا مجھ پر اضافہ کیا جن میں سے ہر ایک کا رنگ دوسرے سے مختلف تھا پس دوسرے آسمان کی طرف روانگی ہوئی۔ اس نور کی شعاعیں جب دوسرے آسمان پر پڑیں تو فرشتوں میں تخیرو اضطراب کی لہر پیدا ہوئی۔ چنانچہ سب سجدہ پروردگار میں جھک گئے اور اس کی تسبیح و تقدیس بجلائے جبریل نے حضور کا تعارف کرایا تو سب آداب و سلام بجلائے اور عرض کی کہ زمین پر پلٹ کر علی کو ہمارے سلام عرض کرنا۔ آپ نے فرمایا کہ تم کو اس کی معرفت کیسے ہوئی تو عرض کرنے لگے روز اول سے تیرا اور اس کا اور اس کے شیعوں کا ہم سے میثاق لیا جا چکا ہے اور ہم ہر دن اس کے شیعوں کی پانچ وقت زیارت کرتے رہتے ہیں (ادوات نمازیں، بروایت قمی حضور نے دوسرے آسمان پر دو خالد زادنیوں یعنی عیسیٰ اور یحییٰ سے ملاقات کی اور بے حد حساب ملائکہ کو الگ الگ انداز سے جدا جدا زبانوں کے ساتھ تسبیح و تقدیس دیکھا پھر بروایت کافی چالیس اقسام نور کا اور اضافہ ہوا جن میں سے ہر ایک کی نوعیت و شکل دوسرے سے الگ تھی اور تیسرے آسمان کی طرف عروج فرمایا۔ نور کی خیرہ کن شعاعوں کی تاب نہ لاکر فرشتے بجز تخیرو غوطہ زن ہو کر سجدہ میں گر گئے اور تسبیح و تقدیس پروردگار بجلائے جبریل نے کلمہ شہادت زبان سے جاری کیا اور حضور کا تعارف کرایا پس سب ملائکہ بہ تعظیم جھکے سلام کیا اور احوال پرسی کرتے ہوئے عرض گزار ہوئے کہ علی کہاں ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ وہ زمین پر ہیں لیکن تم اس کو کس طرح پہچانتے ہو پس کہنے لگے کہ ہم ہر سال البیت المعمور پر حج کرنے کو جاتے ہیں وہاں ایک سفید تختی پر آپ کا علی کا حسن و حسین کا اور قیامت تک کے ہونے والے ان کے شیعوں کے نام مذکور و مسطور ہیں پس ہم ہر روز پانچ دفعہ ادوات نماز میں ان کے لئے برکت کی دعا کرتے ہیں بروایت قمی اس آسمان پر حضور نے حضرت یوسف سے ملاقات فرمائی اور بچی و حساب فرشتوں کو جدا گانہ حالات میں محو عبادت دیکھا بروایت کافی پھر چالیس انواع نور کا اضافہ ہوا جو پہلے انوار سے مختلف تھے۔ اور آسمان چہارم پر پہنچے حسب سابق ملائکہ نے رسمی کلام کے بعد حضرت علی کے متعلق پوچھا اور آپ نے وجہ تعارف دیا فرمائی تو کہنے لگے کہ ہم اس کو اور اس کے شیعوں کو بھی پہچانتے ہیں جو بشکل نور عرش پروردگار کے ارگرد موجود ہیں نیز البیت المعمور میں ایک نور کی تختی ہے جس پر محمد و علی و حسن و حسین اور باقی ائمہ اور قیامت تک کے ہونے والے تمام شیعوں کے نام مسطور ہیں اور انکا ہم سے عہد لیا گیا ہے اور ہر جمعہ اس عہد کو ہمارے سامنے دہرایا جاتا ہے۔ پس حکم ہوا کہ سر نہاند کرو چنانچہ تمام حجابات دور ہوئے اور عالم بالا کے تمام ممکنات کو ملاحظہ فرمایا پھر حکم ہوا کہ نیچے دیکھو چنانچہ پردے بہتے اور زمین تک ہر شے کا معائنہ فرمایا۔ پھر زبر عرش چشمہ صمد سے وضو فرمایا اور دو رکعت نماز ادا فرمائی۔ بروایت قمی آسمان چہارم پر حضرت ادریس سے ملاقات ہوئی

دوسری روایات میں چرخ چہارم پر حضرت عیسیٰ کا ہونا ملتا ہے نیز البیت المعمور بھی اسی آسمان پر ہے اور انبیاء کو نماز پڑھانا اور سوال و جواب کا ذکر بھی ہے۔ چنانچہ تفسیر برہان میں سورۃ یونس کی تفسیر میں بروایت عیاشی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام منقول ہے کہ جب حضور معراج پر تشریف لے گئے تو مناجات پروردگار سے فارغ ہو کر البیت المعمور پر پہنچے جو چوتھے آسمان پر کعبہ کی محاذات میں واقع ہے وہاں پروردگار نے تمام انبیاء و مرسلین اور ملائکہ مقررین کو جمع فرمایا جبریل نے اذان و اقامت کہی پس حضور نے آگے بڑھ کر ان کو نماز پڑھائی جب فارغ ہوئے تو ارشاد ہوا۔ **سَلِّ اللَّهُمَّ عَلَى الْقُرُونِ الْكُتَابِ مِنْ قَبْلِكَ الْحَمْدُ - آیت ۹۳ سورۃ یونس۔**

بروایت ابن شہر آشوب امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ حضور فرماتے ہیں جب شب معراج میں چرخ چہارم پر پہنچا تو جبریل نے اذان و اقامت کہی۔ پس تمام نبیوں، صدیقیوں، شہیدوں اور فرشتوں کو جمع کیا گیا اور میں نے بڑھ کر ان کو نماز پڑھائی نماز سے فارغ ہو کر جبریل نے کہا ان سے دریافت کیجئے کہ کسی امر کی شہادت دیتے ہیں تو انہوں نے جواب میں عرض کی **لَشَهِدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّكَ رَسُولُ اللَّهِ وَأَنَّ عَلِيًّا أَمِيرًا مُؤْمِنًا**۔ تفسیر شعبی اور خطیب کی اربعین سے بروایت ابن مسعود حضرت رسالت مآب سے منقول ہے کہ جب میں شب معراج جبریل کے ہمراہ چوتھے آسمان پر پہنچا تو میں نے یا قوت سُرُخ کا ایک مکان دیکھا جبریل نے کہا یہ البیت المعمور ہے جس کو آسمان وزمین کی خلقت سے ۵۰ ہزار برس پہلے پروردگار نے پیدا کیا ہے پس مجھے حکم ہوا کہ اٹھ کر ان کو نماز پڑھاؤ۔ چنانچہ میں نے تمام نبیوں کو نماز پڑھائی۔ سلام کے بعد ایک فرشتہ نے پروردگار کی طرف سے سلام پہنچا کر یہ پیغام سنایا کہ ان سے دریافت کرو کہ آپ سے قبل ان کی بخت کس لئے ہوئی پس میں نے ان سے پوچھا تو انہوں نے جواب دیا **عَلَى وَوَلَّيْتِكَ وَوَلَّيْتِ عَلِيَّ ابْنَ أَبِي طَالِبٍ**۔ یعنی تیری اور علی کی ولایت پر ہم مبعوث ہوئے ہیں۔

چوتھے آسمان کی سیر کے بعد بروایت قمی پانچویں آسمان پر پہنچے حضرت ہارون بن عمران سے ملاقات ہوئی اور پہلے کی بہ نسبت کافی تعداد میں فرشتوں کو دیکھا پھر چھٹے آسمان پر حضرت موسیٰ سے ملاقات ہوئی اور لا تعداد ملائکہ دیکھے اس کے بعد ساتویں آسمان پر حضرت ابراہیم خلیل اللہ سے ملاقات ہوئی۔ قمی کی روایت میں البیت المعمور اسی آسمان پر ہے جو فرشتوں کے لئے مقام حج ہے۔

آپ فرماتے ہیں میں نے آسمان ہفتم پر نور کے سمندر دیکھے کہ ان کی چمک آنکھوں کے لئے خیرگی کا باعث تھی پھر ظلمات کے سمندر بھی دیکھے اور برف کے سمندر بھی ملاحظہ کئے جبریل نے کہا بے شک اللہ کی یہ مخلوق عظیم ہے لیکن وہ جو بھی تک آپ نے نہیں دیکھی وہ اس سے بھی عظیم تر ہے۔ پس آپ خوشنود ہو کر شکر پروردگار ادا کیجئے جب مخلوق اس قدر عظیم ہے تو خالق کی عظمت کا کون اندازہ کر سکتا ہے؟ پھر مخلوق اور خالق کے درمیان نوے ہزار حجابات ہیں۔ اور اللہ کی طرف سے قریب تر میرا اور اسرافیل کا مقام ہے لیکن ہمارے آگے چار حجابات ہیں (۱) حجاب نور (۲) حجاب ظلمت

(۳) حجاب عمامہ، حجاب ماہر، پس آسمان کے عجائبات دیکھنے کے بعد البیت المعمور میں نماز ادا کی۔ چشمہ کوثر سے پانی پیا۔ اور چشمہ رحمت میں غسل کیا پھر جنت کی سیر کی وہاں ایک عورت کو سیر کرتے ہوئے پایا اور پوچھا تو کون ہے تو اس نے جواب دیا کہ میں زید بن حارثہ کی کنیز ہوں۔ چنانچہ میں نے صبح سویرے اس کو اس کی خوشخبری سنائی۔ پس وہاں کے پرندے دیکھے انار دیکھے جو جگمگ میں بہت بڑے تھے پھر ایک درخت دیکھا جس کا تنا اسقدر بڑا تھا کہ تیز پرواز پرندہ اس کے اردگرد سات سو برس پرواز کر سکتا تھا اور جنت کے ہر مکان میں اس کی شاخ موجود تھی میں نے جبریل سے پوچھا تو اس نے کہا کہ شجرہ طوبیٰ ہے۔ اس کی تفصیل اسی جلد میں سورہ رعد کی آیت نمبر ۲۹ کی تفسیر میں ملاحظہ ہو۔

میں نے جبریل سے نور کے سمندروں کے متعلق دریافت کیا تو اس نے کہا کہ وہ سداقت عرش ہیں اگر درمیان میں یہ حائل نہ ہوتے تو عرش کا نور باقی تمام مخلوق کو ختم کر دیتا۔ پس میں سدرۃ المنتہیٰ پر پہنچا جس کا ایک ایک پتہ ایک بڑی جماعت کو سایہ دے سکتا تھا۔

جہنم میں عذاب پانے والے | بروایت قہمی منقول ہے حضور نے آسمان اول کی سیر میں ایک فرشتہ کو دیکھا جس کی شکل ڈراؤنی تھی پوچھا کہ یہ کون ہے؟ تو جبریل نے بتایا یہ مالک داروغہ جہنم ہے پس جبریل نے اس فرشتے کو حضور کی آمد کی اطلاع دی اور تعارف کرایا۔ چنانچہ وہ آپ کے شایان شان فرانس استقبال واداب بجالایا اور سلام کے بعد آپ کو جنت کی لہرات سنائی۔ آپ نے فرمایا کہ جہنم کے منہ سے ڈھکنا الگ کر دو چنانچہ تعمیل حکم کرتے ہوئے اس نے ڈھکنا کھولا تو اس کے دیوپیکر شعلے بلند ہوئے۔ آپ نے دوبارہ اس کا منہ بند کرنے کا حکم صادر فرمایا تو اس نے ڈھکنا اوپر رکھ کر اس کا منہ بند کر دیا۔ بروایت عیاشی منقول ہے کہ اس کے بعد آپ کو کبھی نہتے ہوئے کسی نے نہ دیکھا۔ نیز اسی روایت میں اس سے قبل مروی ہے کہ آپ نے ایک دھماکے کی آواز سنی تو جبریل سے وجہ پوچھی اس نے بتایا آج سے ستر برس پہلے میں نے جہنم کے کنارہ پر کھڑے ہو کر اس میں ایک پتھر ڈالا تھا اب وہ اس کی تہ پر پہنچا ہے اور یہ اسی کی آواز ہے۔

بروایت ابن بابویہ آپ نے ایک قوم کو عذاب میں گرفتار دیکھا کہ جہنم کے زنجیران کی ہنسیوں میں پڑے ہوئے تھے اور وہ لٹک رہے تھے جبریل نے بتایا یہ وہ لوگ ہیں جن کو خدا نے حلال عطا فرمایا تھا لیکن یہ لوگ حلال کو چھوڑ کر حرام کے پیچھے دوڑتے تھے۔ پھر ایک قوم کو عذاب گرفتار دیکھا جس کے چٹروں کو جہنم کی سلاخوں سے سیجا جاتا تھا جبریل نے کہا یہ وہ لوگ ہیں جو ناحق عورتوں کی عصمت لوٹتے تھے۔ ان کے بعد دیکھا ایک مرد پر پوچھا لاداجا رہا ہے جسکو وہ اٹھانے کی طاقت نہیں رکھتا لیکن بجائے کسی کے اس میں اور اضافہ کیا جاتا ہے پس وہ اسی عذاب میں مبتلا ہے۔ جبریل نے کہا یہ وہ شخص ہے جو دنیا میں قرضے اٹھاتا تھا پس بغیر ادا کے خود اٹھا لیا گیا۔ بروایت قہمی حضور نے فرمایا خدا نے آسمان پر دو فرشتے مقرر کئے ہیں ان میں سے ایک ہر وقت با آواز بلند دعا کرتا ہے اے اللہ تو سخی کو زیادہ عطا فرما اور دوسرا

ہر وقت یہ دعا کرتا ہے اے اللہ تو بخیل کو برباد کر پھر آپ نے ایک قوم کو دیکھا جن کے ہونٹ اونٹ کی طرح بڑھے ہوئے تھے اور ان کے پہلوؤں سے گوشت کاٹ کر ان کے منہ میں ڈالا جاتا تھا۔ جبریل نے کہا یہ چلنخور لوگ ہیں اس کے بعد ایک قوم کو دیکھا جن کے سروں کو جہنمی ستھوڑوں سے کوٹا جا رہا تھا۔ جبریل نے کہا یہ وہ لوگ ہیں جو نماز عشا پڑھے بغیر سو جاتے تھے پھر ایک قوم کو گرفتار عذاب دیکھا جن کے منہ میں آگ ڈالی جاتی تھی جبریل نے کہا یہ وہ لوگ ہیں جو میتوں کے مال پر دست درازی کر کے کھا جاتے تھے۔ پھر ایک قوم کو گرفتار مصیبت و عذاب میں دیکھا جن کے پیٹ بڑے بڑے تھے اور وہ آل فرعون کی طرح جہنم کی بھٹی میں دھکیلے جا رہے تھے جبریل نے بتایا یہ سود کھانے والے لوگ ہیں پھر عورتوں کے گروہ کو عذاب میں گرفتار دیکھا کہ جہنم کے زنجیران کے پستانوں سے بندھے ہوئے تھے اور وہ لٹک رہی تھیں جبریل نے کہا یہ زنا کار عورتیں ہیں جو اپنے شوہروں کا وارث حرام زادوں کو بنایا کرتی تھیں پس آپ نے فرمایا خدا کا غضب ہے اس عورت پر جو کسی قوم کی نسب میں ایسے افراد کو داخل کرے جو درحقیقت اس نسب کے نہ ہوں۔

(یعنی زنا کر کے حرام زادہ اولاد پیدا کرے۔)

تفسیر برہان میں بروایت صفار حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ حضور کو ایک سے بیس مقصد معراج مرتبہ معراج نصیب ہوئی اور ہر دفعہ دوسرے فرانس سے بڑھ کر خدا نے آپ کو ولایت علی اور ولایت آئمہ اہل بیت کی وصیت تلقین فرمائی۔ چنانچہ عیاشی سے بھی اسی مضمون کی حدیث مروی ہے اور معراج کے سفر نامے میں ملائکہ کے سوالات و جوابات میں بھی اس امر کی طرف واضح اشارہ موجود ہے اور صاحب کتاب مجمع النورین شیخ ابوالحسن نجفی نے ذکر کیا ہے کہ معراج کا مقصد دو باتیں تھیں۔ ایک خلافت علی اور دوسری علی و تنول کی شادی اور کہا ہے کہ احادیث مستفیضہ اس پر دلالت کرتی ہیں۔

بروایت ابن بابویہ ابن عباس سے منقول ہے کہ حضور نے فرمایا جب میں ساتویں آسمان پر پہنچا اور پھر وہاں سے سدرة المنتہی پر اور وہاں سے حجاب ہائے نور کی طرف بڑھا تو خدا کی جانب سے ندا پہنچی۔ میں تیرا پروردگار ہوں۔ پس میرے لئے خشوع کر صرف میری ہی عبادت کر۔ مجھ پر توکل رکھ اور میری ہی ذات پر اعتماد کر۔ پس تیری عبدیت، محبت رسالت، نبوت اور تیرے بھائی کی خلافت میں راضی ہوں وہ میرے بندوں پر میری محبت اور میری مخلوق کا امام ہے۔ اسی کے ذریعے سے میرے دوستوں اور دشمنوں کی پہچان ہوگی اور اسی کی بدولت شیطان کے لشکر اور میرے لشکر میں تمیز ہوگی اسی کے ذریعے سے میرا دین قائم، حدیں محفوظ اور احکام جاری ہوں گے۔ تیری اور اس کی اور اس کی نسل کے آئمہ کی برکت سے میری مخلوق پر میرا رحم و کرم ہوگا۔ تمہارا قائم میری زمین کو میری تسبیح تہلیل تقدیس تجمید اور تکبیر سے آباد کرے گا۔ میں اسی کے ذریعے سے اپنی زمین کو دشمنوں سے پاک کروں گا اور اپنے دوستوں کو اس کا وارث بناؤں گا اور اسی کی بدولت کفر کا کلمہ لپٹ اور حق کا کلمہ بلند کروں گا۔ اسی کے وسیلے سے میں اپنے بندوں اور شہروں کو زندہ کروں گا۔ اسی کے لئے میں زمین کے

خزافوں اور ذخیروں کو ظاہر کروں گا اور اس کو اپنے ارادہ سے خفیہ اسرار کی اطلاع دوں گا اور اپنے دین کی سرکندی کے لئے ملائکہ سے اس کی تائید کروں گا وہ میرا برحق ولی ہے اور سچ میرے بندوں کے لئے میرا مہدی ہے۔

نیز بروایت ابن بابویہ حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے معراج کا مقصد دریافت کیا گیا کہ خدا نے کیوں اپنے نبی کو آسمان پر بلایا پھر وہاں سے سدرة المنتہی تک اور وہاں سے حجاب ہائے نور تک اور وہاں باتیں ہوئیں حالانکہ وہ کسی مکان کا پابند نہیں ہے تو آپ نے فرمایا کہ واقعی خدا کسی مکان مذہبان کا پابند نہیں لیکن اس نے اپنے فرشتوں کو شرف بخشنے کے لئے اور آسمانی مخلوق کو رسول خدا کے دیدار سے فیضیاب کرنے کے لئے ایسا کیا نیز اپنی عظمت کے عجائبات ظاہر کرنے کے لئے تاکہ زمین پر پہنچ کر وہ لوگوں کو سمجھائیں۔ الخ

تفسیر رہبان میں کافی سے منقول ہے ابوبصیر نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے دریافت کیا کہ حضور کتنی دفعہ معراج پر تشریف لے گئے تو آپ نے فرمایا کہ دو دفعہ (ممكن ہے یہاں دو سے مطلق تقدیر مراد ہو یعنی کسی بار پس گذشتہ روایت سے کوئی منافات نہیں ہوگی) پس ایک مقام پر پہنچ کر جبریل نے کہا کہ ٹھہر جا بیٹے چنانچہ آپ ٹھہر گئے پس جبریل نے کہا یہ وہ مکان ہے جہاں آپ سے پہلے نہ کوئی فرشتہ پہنچا اور نہ کوئی نبی پہنچ سکا ہے اور کہا کہ خدا نماز میں مشغول ہے آپ نے پوچھا اس کی نماز کیا ہے؟ تو جواب دیا اس کی نماز یہ ہے۔ سَبَّحُوْهُ قَدْ قُوْسُ اَنْارَاتِ الْمَلَائِكَةِ وَالرُّوحِ سَبَّحَتْ رَحْمَتِيْ غَضَبِيْ۔ یعنی میں لائق تسبیح و تقدیس ہوں اور میں ہی ملائکہ اور روح کا پروردگار ہوں۔ اور میری رحمت میرے غضب سے آگے ہے۔ آگے چل کر آپ نے فرمایا میں نے نورِ عظمت پروردگار کا سوراخ سوزن کی مقدار سے ملاحظہ کیا۔ پھر ارشاد قدرت ہوا۔ اے محمد! میں نے لیک کہی تو ارشاد ہوا تیرے بعد تیری امت کا والی کون ہوگا؟ میں نے عرض کی کہ اللہ ہی اس کو جانتا ہے۔ پس ارشاد ہوا کہ علی ابن ابی طالب ہی ہے جو مومنوں کا امیر اور مسلمانوں کا سردار اور نورانیوں کا قائد و رہبر ہے۔ پس امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا۔ اے ابوبصیر۔ خدا کی قسم علی کی دلایت زمین سے نہیں آسمان سے اتری ہے۔

بروایت عیاشی ہارون بن خارجہ بیان کرتا ہے مجھ سے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے دریافت کیا کہ تم سے مسجد کوفہ کتنی دور ہے میں نے کہا بالکل نزدیک ہے۔ آپ نے فرمایا ایک میل کا اندازہ ہوگا؟ میں نے جواب دیا کہ اس سے بھی قریب ہے تو آپ نے فرمایا کہ تم سب نمازیں وہاں پڑھا کرتے ہو تو میں نے کہا کہ نہیں۔ پس فرمانے لگے اگر میں ہوتا تو کوئی غازی اس کے باہر نہ پڑھتا پھر ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کوئی ملک مقرب نبی مرسل اور عہد صالح نہیں گزرا جس نے مسجد کوفہ میں نماز ادا نہ کی ہو حتیٰ کہ حضرت محمد مصطفیٰ نے بھی شب معراج باذن پروردگار اس میں دو رکعت نماز پڑھی۔ پس آپ نے فرمایا مجھے معلوم نہیں۔ اس کے دائیں طرف جنت کا باغ ہے اور اس کے بائیں طرف جنت کا باغ ہے۔ کیا مجھے معلوم نہیں کہ اس میں ایک فریضہ نماز دوسری مساجد کی ہزار نمازوں کے

برابر ہے۔ اس کی نافلہ پانچ سو کے برابر ہے اور اس میں خاموش بیٹھنا بھی عبادت ہے۔ پھر انگلی کو گھما کر فرمایا۔
مسجدوں کے بعد کوفہ سے افضل کوئی جگہ نہیں ہے۔

بروایت کلینی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ شبِ معراج ایک مقام پہنچ کر جبریل ظہر
گئے آپ نے فرمایا اے جبریل اس عالم تنہائی میں تو بھی مجھے چھوڑ رہا ہے تو اُس نے جواب دیا کہ آپ چلیں خدا کی
قسم یہ وہ مقام ہے جہاں آپ کے علاوہ کوئی نہ پہنچ سکا۔

ایک روایت میں ہے جوذاکرین و واعظین کی زبان پر عام مشہور ہے اور اس وقت میری زیر نظر کتابوں میں
اس کا ذکر نہیں ہے کہ جبریل رک گئے تو آپ نے پوچھا کیوں رک رہے ہو تو جواب دیا کہ اس سے آگے میں نہیں
بڑھ سکتا حتیٰ کہ اگر ایک انگلی کی مقدار بھی آگے بڑھوں تو میرے پر جل جائیں گے۔

تفسیر صافی میں کشف الغمہ سے مروی ہے کہ حضور رسالتاً سے پوچھا گیا کہ خدا نے شبِ معراج آپ
سے کس لہجہ میں گفتگو فرمائی تھی تو آپ نے جواب دیا کہ حضرت علی کے لہجہ میں۔ چنانچہ میں نے عرض کی تھی اے پروردگار
تو میرے ساتھ ہمکلام ہے یا علی ہے تو ارشاد ہوا، اے احمد۔ میں وہ ہوں کہ میری مثل کوئی شے نہیں۔ نہ مجھے لوگوں پر
قیاس کیا جاسکتا ہے اور نہ چیزوں سے میری وصف کی جاسکتی ہے میں نے تجھے اپنے نور سے پیدا کیا اور علی کو تیرے
نور سے پیدا کیا۔ میں تیرے دل کی پوشیدہ باتوں کو جانتا ہوں۔ مجھے علم ہے کہ تیرے دل میں علی بن ابی طالب سے
زیادہ کسی کی محبت نہیں ہے۔ پس میں نے اسی کے لہجہ میں تجھ سے گفتگو کی ہے تاکہ تیرا دل مطمئن رہے اور
اسی معنی کی حدیث نیا بیع المودۃ سے بھی نقل کی جاتی ہے۔

تفسیر برہان میں البوریہ اسلمی سے مروی ہے کہ حضرت رسالتاً نے فرمایا۔ اے علیؑ
حضرت علیؑ کی مثال

تجھے خدا نے سات مقامات پر میرے ساتھ حاضر کیا ہے۔

پہلا مقام۔ جب میں شبِ معراج آسمان پر پہنچا تو جبریل نے مجھ سے دریافت کیا۔ اِنِّیْ اَخُوْكَ۔ یعنی تیرا بھائی کہاں
ہے تو میں نے کہا کہ پیچھے چھوڑ کر آیا ہوں تو اس نے کہا اللہ سے دعا مانگو کہ وہ اس کو یہاں حاضر کرے۔ چنانچہ میں
نے دعا مانگی فَادَامَ مَثَلُکَ مَعِیْ۔ پس اچانک تیری مثال میرے ساتھ موجود تھی۔

دوسرا مقام۔ جب میں دوبارہ معراج پر گیا تو جبریل نے پوچھا تیرا بھائی کہاں ہے تو میں نے جواب دیا پیچھے چھوڑ کر آیا
ہوں اس نے کہا اللہ سے دعا مانگو کہ وہ اس کو لے آئے چنانچہ میں نے دعا مانگی تو تیری مثال میرے ہمراہ تھی۔ پس
آسمانوں کے پردے اٹھا دیئے گئے۔ تو میں نے اس کے ساکن آبادیاں اور ہر فرشتہ کی قیام گاہ کا معائنہ کیا۔

تیسرا مقام۔ جب میں قوم جن کی طرف بھیجا گیا تو جبریل نے کہا۔ تیرا بھائی کہاں ہے میں نے کہا پیچھے چھوڑ کر آیا ہوں۔
پس جبریل کی خواہش پر میں نے دعا کی پھر دیکھا تو میرے ہمراہ تھا اس کے بعد ان کے ہمراہ جس قدر گفتگو ہوتی

رہی تو سنتا رہا۔

چوتھا مقام۔ ایلۃ القدر میں تو میرا شریک ہے اور کوئی نہیں۔

پانچواں مقام۔ نبوت کے علاوہ ہر بات میں تو میرا شریک ہے۔

چھٹا مقام۔ جب میں نے آسمان پر نیوں کو نماز پڑھائی تو تیری مثال میرے پیچھے موجود تھی۔

ساتواں مقام۔ احزاب کی ہلاکت ہمارے ہاتھوں پر ہوئی۔

مجالس شیخ سے مروی ہے حضرت علی علیہ السلام خود بیان فرماتے ہیں کہ حضرت رسالت مآب نے مجھے فرمایا کہ

شب معراج ہر آسمان پر فرشتے مجھے مبارکباد کہتے رہے اور جبریل نے ملائکہ کے ایک جم غفیر کے ہمراہ یہ بات کہی:

لَوِ اجْتَمَعَتْ اُمَّتُكَ عَلٰی حُبِّ عَلِيٍّ مَا خَلَقَ اللهُ الْاَشْيَاءَ۔ یعنی اگر تیری اُمت علی کی محبت پر جمع ہو جاتی تو خدا دوزخ کو پیدا نہ کرتا۔ اسے علی خدانے سات مقامات پر تجھے میرے ساتھ حاضر کیا کہ میں مانوس ہو گیا۔ پس حدیث سابق کی

طرح مقامات گنوائے۔ اس میں پانچواں مقام یہ بیان کیا کہ جب میں اللہ سے مناجات کر رہا تھا۔ اس وقت بھی تیری

مثال میرے ساتھ تھی اور میں نے تیرے لئے کچھ چیزیں طالب کیں۔ چنانچہ سوائے نبوت کے اس نے سب قبول

فرمائیں اور فرمایا کہ نبوت تیرا ہی خاصہ ہے اور تو اس کا خاتم ہے اور چھٹا مقام یہ کہ جب میں نے البیت المعمور کا طواف

کیا تو تیری مثال میرے ساتھ تھی۔ پس ساتواں مقام حسب سابق بیان کیا۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ خدانے دنیا کی

طرف نظر کی تو مجھے عالین کے مردوں پر منتخب فرمایا پھر تجھے چنانچہ ناطقہ کو تمام عالین کی عورتوں سے برگزیدہ کیا پھر

حسن و حسینؑ و باقی آئمہ کو تمام جہانوں پر برگزیدہ کیا اسے علی میں نے دیکھا ہے کہ چار مقامات پر تیرا نام میرے نام کے

ساتھ مسطور و مذکور ہے اور میں اُسے پڑھ کر مانوس ہوا ہوں۔

۱، میں شب معراج جب بیت المقدس میں پہنچا تو پتھر پر لکھا ہوا دیکھا۔ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللهِ اَيْدُوْهُ

لَبُوْزَيْرٌ وَنَصْرَتُهُ بِيَّہ۔ میں نے پوچھا اے جبریل میرا وزیر کون ہو گا تو وہ کہنے لگا کہ علی ابن ابی طالب۔

۲، مجمع النورین مصنفہ شیخ ابو الحسن نجفی میں ہے۔ سدرۃ المنتہی پر یہی کلمات تحریر تھے۔

۳، جب سدرۃ المنتہی سے چل کر عرش کے قریب پہنچا تو ساق عرش پر لکھا ہوا پایا۔ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَحْدِيْ

مُحَمَّدٌ جِبِيْ وَصَفْوَتِيْ مِنْ خَلْقِيْ اَيْدُوْهُ لَبُوْزَيْرٌ وَاَخِيْہِ وَنَصْرَتُهُ بِيَّہ۔ یعنی میرے سوا کوئی الٰہ نہیں

میں اللہ ایک اکیلا ہو۔ محمد میرا حبیب اور تمام مخلوق سے برگزیدہ ہے میں نے اس کی تائید اس کے وزیر اور بھائی

کے ساتھ کی اور میں نے اس کو اس کا مددگار بنایا ہے۔

۴، میں نے جنت میں شجرہ طوبیٰ کو دیکھا جس کی اصل علی کے گھر میں ہے اور جنت کے ہر محل میں اس کی شاخیں

ہیں۔ اور اس کی اصل سے پانی دودھ شراب اور شہد کی چار نہریں جاری ہیں۔ بروایت مجالس شیخ آپ نے فرمایا۔

اے علیؑ اللہ نے تیرے لئے مجھے سات چیزیں عطا کیں۔

(۱) میں پہلا شخص ہوں جو قبر سے باہر آؤں گا اور تو میرے ہمراہ ہوگا (۲) تو پہلا شخص ہے جو پہل صراط پر میرے ہمراہ کھڑا ہوگا اور دونوں سے کہے گا خذی فہو ناک و ذری فلیس ہو ناک۔ یعنی اس کو لے لے کہ وہ تیرا ہے اور اس کو چھوڑ دے کہ یہ تیرا نہیں ہے (۳) تو پہلا شخص ہے جس کو میرے ہمراہ لباس پہنایا جائے گا اور میرے ساتھ زندہ ہوگا (۴) تو پہلا شخص ہے جو عرش کے دائیں جانب میرے ہمراہ کھڑا ہوگا (۵) تو پہلا شخص ہے جو جنت کا دروازہ کھٹکھٹائے گا (۶) تو پہلا شخص ہے جو جنت کے مقام علیین میں میرے ہمراہ جا کر سکون پذیر ہوگا (۷) تو پہلا شخص ہے جو حقیق محتوم سے پٹے گا جس پر کستوری کی مہر ہوگی۔

امالی شیخ سے مروی ہے۔ حضورؐ نے فرمایا جب میں مقام قاب قوسین پر پہنچا تو ارشاد ہوا ہوا تو سب زیادہ دوست کس کو رکھتا ہے؟ میں نے جواب دیا کہ علیؑ کو۔ تو ارشاد ہوا کہ مڑ کر دیکھو۔ چنانچہ میں نے جو دیکھا۔ تو میرے بائیں جانب علیؑ موجود تھے۔

دورِ حاضر کی موٹنگائیوں میں سے ایک مثال یہ بھی ہے کہ عقیدہ معراج پیغمبرؐ

کیا حضرت علیؑ شریک معراج تھے

میں عقیدہ معراج علیؑ کو بھی شامل کر لیا گیا ہے جس طرح حقیقت غازیہ تشریح کرتے ہوئے شہادت ولایت کو جزو تشہد سمجھ لیا گیا ہے۔ بدنگام مقرر اور بے مہار مولوی عقائد مذہب اور احکام شریعت میں اپنے اختراعات کو داخل کر کے ملت جعفریہ کے چہرہ کو مسخ کرنا اپنا محبوب مشغلہ سمجھے ہوئے ہیں۔ وہ اس قسم کی جذباتی جزییات کو نا عاقبت اندیش عوام سے خراج تحسین حاصل کرنے کے لئے اپنے تفوق علمی کا زینہ سمجھتے ہیں۔ پس شیطان ان کے اذہان میں اس قسم کے خیالات کی دھجی کرتا ہے اور وہ بلا دروغی ان کا لوگوں میں پرچار کر کے ان کے عقائد و اعمال کا ستیاناس کرتے ہیں۔ ان الشیاطین لیصوحون الی اذنیاءہم۔ الخ

مذہب امامیہ میں معراج کا انکار کفر ہے کیونکہ اس کا وجوب ضروریات مذہب میں سے ہے۔ نیز یہ بھی مسلمات میں سے ہے کہ معراج پر جانا حضرت رسالت مآبؐ کا خاصہ ہے۔ اور ان کے مختصات میں سے ہے اور یہ شرف سوائے حضورؐ کے اور کسی کو نہیں ملی سکا۔ اس میں شک نہیں کہ اللہ نے جو کلام فرمایا وہ لہجہ علیؑ میں تھا جیسا کہ کتب میں مسطور ہے۔

البتہ مقام اشتباہ وہ احادیث ہیں جن میں حضرت علیؑ کا وہاں ہونا حضرت رسالت مآبؐ نے خود بیان کیا تو ان کا حل یہ ہے کہ اکثر روایات میں مثال کا لفظ موجود ہے۔ جس طرح کہ گذشتہ روایات میں صاف مذکور ہے اور بعض روایات میں بارہ اماموں کے مثالی اجسام کا عرش پر موجود ہونا بھی مذکور ہے کہ فضائے نور میں مشغول عبادت پروردگار تھے چنانچہ تفسیر کی تیسری جلد ص ۱۸۵ پر ہم نے بھی ایک روایت ذکر کی ہے۔ نیز ہر آسمان پر حضرت علیؑ کی مثال کا ہونا بھی نقل کیا جاتا ہے اور یہ کہ خدا نے ہر آسمان پر حضرت علیؑ کی شکل کا ایک فرشتہ پیدا کیا ہے کہ آسمانی فرشتے اس کی

زیارت سے حضرت علیؑ کی زیارت کا ثواب حاصل کرتے ہیں۔ بہر کیف یہ سب ممکن ہے۔ لیکن اس سے نہ تو حضرت علیؑ کا ہر جگہ حاضر و ناظر ہونا ثابت ہوتا ہے اور نہ شریک معراج ہونا لازم آتا ہے۔ اور امالی شیخ کی روایت جس میں مثال کا ذکر نہیں۔ اس کا مقصد علماء نے یہ بیان کیا ہے کہ حجبات سماوی کو اٹھا دیا گیا۔ پس آپ نے جہاں باقی ممکنات عالم کا ملاحظہ فرمایا وہاں حضرت علیؑ کو اپنے پاس موجود پایا۔ یعنی حضرت علیؑ اپنے گھر میں اپنے بستر پر سوئے ہوئے حضرت رسالت مآبؐ کو مقام قوسین پر اپنے پاس نظر آ رہے تھے۔ چنانچہ بحار الانوار جلد ہفتم کی عمار والی روایت کا صریحی مفہوم یہی ہے۔

حضورؐ نے فرمایا جس رات مجھے آسمان پر لے جایا گیا اور میں مقام قاب قوسین پر پہنچا یا اس سے بھی قریب تو خدا نے وحی کی کہ مڑ کر دیکھ جو میں نے مڑ کر دیکھا تو علیؑ میرے پاس کھڑے تھے کہ آسمانوں کے پرے پٹے اور علیؑ سر بلند کئے ہوئے سُن رہے تھے جو خدا کہتا تھا۔ پس میں سجدہ پروردگار میں جھکا گیا۔

قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لَيْلَةَ أُسْرِي
بِئِي إِلَى السَّمَاءِ وَصِرْتُ كَقَابِ قَوْسَيْنِ
أَوَادُنِي أَوْحَى اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ أَنْ الْتَفَتُ
فَالْتَفَتُّ فَإِذَا بِيَعْلَى وَاقِفٌ مَعِيَ وَقَدْ خَرَّتْ
حُجُبُ السَّمَاوَاتِ وَعَلِيٌّ وَاقِفٌ رَافِعٌ
رَأْسَهُ لِيَسْمَعَ مَا يَقُولُ فَخَرَرْتُ لِلَّهِ
سَاجِدًا۔

بہر کیف معراج پر صرف حضرت رسالت مآبؐ ہی تشریف لے گئے اور یہ ان کا مخصوص شرف ہے ورنہ اگر حضرت علیؑ خود بنفس نفیس وہاں موجود ہوتے تو پیغمبر کی تسلی کے لئے لہجہ علیؑ اختیار کرنے کی کیا ضرورت تھی کیونکہ خود ذات علیؑ کا وجود حضورؐ کی مانوسیت کے لئے کافی تھا۔ نیز آپؐ کا یہ فرمانا کہ یا علیؑ تو میرے ہمراہ تھا بے معنی ہو جائے گا۔ کیونکہ ساتھ ہونے والے کو خبر دینا کہ تو میرے ساتھ تھا اس وقت صحیح ہوتا ہے کہ یا تو اُسے یہ سفر فراموش ہو چکا ہو یا کسی خاص دوسرے امر کی طرف اشارہ مقصود ہو۔ حالانکہ یہاں نہ بھول چوک کو دور کرنا مقصود ہے اور نہ کوئی دوسری چیز محل اشارہ ہے بلکہ خود حضرت علیؑ کی معیت ہی مقصود بیان ہے تو اس کا صاف مفصل یہی ہے کہ پردے ہٹ چکے تھے اور تجھے میں اپنے ہمراہ ہی سمجھ رہا تھا۔ نیز حضرت علیؑ اگر معراج پر تشریف لے گئے ہوں تو زمین خدا کا حجت خدا سے خالی ہونا بھی لازم آتا ہے جس طرح کہ بعض علماء نے ذکر فرمایا ہے۔ اگر حضرت علیؑ خود ہمراہ ہوتے تو بجائے حضرت علیؑ کو جملانے کے حضورؐ آتے ہی قصہ معراج بیان کرتے وقت کفار قریش کے سامنے یہی بیان کرتے کہ ہم دونوں بھائی گئے تھے اور اس کی تصدیق کفار دونوں سے معلوم کرتے۔ پھر عام صحابہ کے سامنے جب بیان ہوا تو اسی انداز بیان کو ملحوظ رکھا جاتا۔ نیز حضرت علیؑ نے کبھی یہ نہیں فرمایا کہ میں شمشک معراج ہوں اور یہ کہ میں فلاں فلاں مقام پر پہنچا۔ ہمراہ گیا تھا۔ پس جس طرح حضورؐ اپنے معراج کے چشم دید مناظر بیان فرماتے تھے حضرت

علیؑ بھی پیغمبر سے نقل کرنے کی بجائے اپنا چشم دید واقعہ کہہ کر بیان فرماتے لہذا اس طرح نہ فرماتے کہ حضورؐ نے فرمایا یا علی تو میرے ساتھ سات مقامات میں موجود تھا بلکہ فرماتے میں حضورؐ کے ہمراہ میں سات مقامات پر موجود تھا۔ پس یہ سب باتیں اس امر کا قرینہ ہیں کہ حضورؐ نے حضرت علیؑ کی نورانی تمثال دیکھی یا یہ کہ حجبات پہٹے تو حضرت علیؑ کو اپنے مقام پر وہیں سے دیکھا جس طرح باقی ملکوت سماوی کی سیر فرمائی۔ پس اس مسئلہ پر طبع آزمائی کی ضرورت ہے نہ باہمی سرچھٹول کی حاجت معراج پیغمبر کا عقیدہ ضروریات مذہب سے ہے اور تفصیلات کا صحیح علم اللہ جانے یا اس کا رسول۔

اس میں شک نہیں کہ حدیث معراج میں حضرت علیؑ علیہ السلام کے بڑے بڑے فضائل موجود ہیں۔ اور حضرت علیؑ کی تمثال کا ہر آسمان البیت المعمور پر یا عرش پر یا مقام قاب قوسین پر ہونا نیز آپ کے ہجرت میں پروردگار کا کلام کرنا ایسی فضیلت ہے جس میں آپ کا کوئی سہیم و شریک نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح شجرہ طوبیٰ کا علیؑ کے گھر میں ہونا اور ہر خنتی کے گھر میں اسی کی شاخ کا ہونا حضرت علیؑ کی اخروی حکومت کی طرف اشارہ ہے۔ کتاب مجمع النورین ص ۱۵۴ میں حضرت رسالت مآب سے مروی ہے کہ میں نے زیر عرش اونٹوں کی ایک بہت بڑی قطار دیکھی جس کی ابتداء و انتہا معلوم نہ ہوتی تھی۔ ہر ایک اونٹ پر بھار دیا ہوا تھا۔ میں نے جبریل سے دریافت کیا کہ یہ اونٹ کس لئے ہیں اور ان پر بوجھ کس قسم کا ہے تو اس نے جواب دیا یہ سب تیری دختر نیک اختر فاطمہ کا جہیز ہے میں نے پوچھا ان میں کیا چیز بند ہے تو اس نے اپنی لاعلمی کا اظہار کیا۔ پس میرے حکم سے ایک اونٹ کو بٹھایا گیا جب بھار کھولا تو کتابیں تھیں اور ہر ایک اونٹ پر ایک ہزار کتاب کا بھار تھا اور ہر کتاب میں حضرت علیؑ علیہ السلام کی ایک ہزار فضیلت درج تھی۔

اس سے قبل ایک روایت معصوم سے گزر چکی ہے کہ ایک سو بیس مرتبہ آپ کو معراج ہوئی اور ہر بار حضرت علیؑ کی خلافت و ولایت کی خدانے تاکید فرمائی۔ چونکہ احکام شرعیہ فرعیہ کی نسبت مسئلہ امامت بقار اسلام کے لئے بنیادی حیثیت کا حامل تھا۔ اس لئے بعبیر از قیاس نہیں بلکہ عین قرین عقل ہے یہ بات کہ مسئلہ ولایت و امامت معراج کی گفتگو کا اہم باب ہوا اور اسے ہونا بھی چاہیے اور حضورؐ نے مقام بیان میں جا بجا حسب موقعہ و محل اس کا اظہار بھی فرمایا۔ پس نیک بخت لوگوں نے حضورؐ کے فرمان کو واجب الاذعان قرار دیکر علیؑ کو اپنا امام و ہادی تسلیم کر لیا اور بد بخت یا سرپیچے شکی مزاج افراد نے ان باتوں پر کان دھرنے کی بجائے اقتدار کی ہوس پرستی یا صاحبان اقتدار کی کاسہ لیس کو مال زندگی قرار دے لیا۔ بعض لوگ حضرت علیؑ کے معراج پر جانے کو ثابت کرتے کے لئے جناب رسالتؐ کے اس فرمان کو پیش کرتے ہیں کہ نبوت اصل ہے اور امامت فرع ہے پس جب بنی معراج پر تشریف لے گئے تو جو فرع تھی اسے پہلے وہاں پہنچا چاہیے ایسے عقل کے اندھوں کو کیا سمجھا جائے جو ایسی

واضحات کو بھی نہیں سمجھ سکتے۔ حدیث شریف کا مقصد یہ ہے کہ نبوت کے علوم و حقائق امامت کے ذریعہ سے حاصل ہو سکتے ہیں جس طرح درخت کے ثمرات اس کی فروعات کی بدولت حاصل ہوتے ہیں اسی طرح درخت کا سایہ شاخوں کے ذریعہ سے ہوا کرتا ہے۔ بہر کیف نبوت سے فیوض حاصل کرنے کا وسیلہ امامت ہے۔ پس اس کو سچ مح درخت قرار دیکر امامت کو نبوت سے آگے بڑھانا کو زباطنی کے سوا اور کچھ نہیں۔ اور مقررین کے خطابیات کو عقائد مذہب کا اساس قرار دینا عاقبت نااندیشی ہے۔ کیونکہ کسی تشبیہ میں بھی مشبہ کو مشبہ بہ کی تمام خصوصیات کا حامل نہیں قرار دیا جاتا بلکہ ایک مخصوص و اہم عادت و خصلت کو وجہ شبہ قرار دیا جاتا ہے پس اگر کسی کو شیر سے تشبیہ دی جائے تو یہ مقصد نہیں ہونا کہ شیر کے تمام اوصاف و خواص اس میں موجود ہیں حتیٰ کہ اس کو دم بھی لگی ہوئی ہے بلکہ مقصد صرف اس میں شجاعت کو ظاہر کرنا ہوتا ہے اس مقام پر نبوت درخت کی اصل سے اور امامت کو اس کی فرع سے تشبیہ پر کے اہم کردار کی ادائیگی کی بنا پر ہے اور وہ ہے تبلیغ و ہدایت یعنی امام امت تک وہی احکام پہنچاتا ہے اور ان امور کی تبلیغ کرتا ہے جو نبوت کے مقصد میں داخل تھے۔ پس جس طرح درخت کی شاخیں وہی پھل پیش کرتی ہیں جو اس کی اصل سے مناسب ہو، اسی طرح امامت کی زبان سے یا ان کے عمل سے ایسا امر ظاہر نہیں ہو سکتا جو مقصد نبوت کے منافی ہو۔ چنانچہ حضرت رسالت مآب نے عمار سے فرمایا تھا۔ اگر تمام لوگ ایک وادی میں ہوں اور صرف علی دوسری وادی میں ہو تو تمام لوگوں کو چھوڑ کر علی کے پیچھے چلنا کہ علی تمہے کبھی ہدایت سے دور نہ کرنے گا اور تمہے گمراہی میں نہ ڈالے گا۔

اگر یہاں درخت اور شاخ کی مثال سے دھوکا کھا کر حضرت علی کا معراج ثابت کیا جائے تو صرف علی کا نہیں بلکہ بارہ اماموں کا معراج ثابت ہو جائے گا اور اسی پر اکتفا نہیں بلکہ تمام سادات اولاد رسول کا معراج بھی ماننا پڑے گا کیونکہ یہ سب اسی درخت کی شاخیں ہیں بلکہ تمام شیعہ بھی اس شرف میں داخل ہو جائیں گے کہ اس درخت کے پتے ہیں بلکہ ان کو شاخوں سے بھی اونچا ہونا چاہیے۔ اسی جلد میں سورہ ابراہیم کی آیت نمبر ۲ کی تفسیر میں *حَلِمَةٌ طَيِّبَةٌ* کے تحت حدیث مذکور کا ترجمہ نقل کیا گیا ہے۔ بہر کیف اس قسم کے خطابیات مذہب کی اساس نہیں بن سکتے۔ معراج حضرت رسالت مآب کا مخصوص شرف ہے اس میں آپ کا کوئی شریک نہیں۔ یہ کہنا کہ وہاں حضرت علی کے ہاتھ کے مشابہ ایک لاقحہ ظاہر ہوا۔ اور انگوٹھی ظاہر ہوئی وغیرہ بالکل غلط اور بے بنیاد باتیں ہیں۔ مذہب شیعہ اس قسم کی بے سرو پا حکایات سے متبراد منتزہ ہے اور حضرت علی کی فضیلت کے لئے یہ کیا کم ہے کہ لہجہ علی کا تھا اور بولنے والا اللہ تھا اور رسول سے جس قدر باتیں ہوئیں ان میں خلافت علی کا عہد سرفہرست تھا۔ واللہ اعلم

از جناب فخر الواعظین مولانا محمد بخش خان صاحب جھکمانہ (سائل)

یارب تو اس حقیر کو اب دل کا چین بخش
 جس میں ہو تیری معرفت مجھ کو وہ عین بخش
 اہل دلا کو پڑھنے کی توفیق کر عطا
 تفسیر لکھ رہے ہیں جو قبہ حسین بخش
 پروردگار ہے تیری رحمت کا آسرا
 سائل کے سب گناہ بحق حسینؑ، بخش